إِنَّ اللّٰهَ لَطِيفٌ خَبِيرٌ
علمی دینی اصلاحی اور معلوماتی
سالنامہ
اللطیف
ویلور
دارالعلوم لطیفیہ مکان حضرت قطب ویلور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الـلـطـيـف ویلور

بیادگار

شیخ المشائخ اعلیٰ حضرت مولانا مولوی

ابوالنصر قطب الدین سید شاہ محمد باقر قادری رحمۃ اللہ علیہ

سجادہ نشین مکان حضرت قطب ویلور۔

مولانا مولوی

ابوصالح عماد الدین سید شاہ محمد ناصر قادری رحمۃ اللہ علیہ

المعروف بہ میراں پاشاہ

مدیر موسس

حضرت اقدس مولانا مولوی

ابوالحسن صدر الدین سید شاہ محمد طاہر قادری رحمۃ اللہ علیہ

تاریخ اجراء : ۱۰ر شعبان المعظم ۱۴۳۷ھ م 18ر مئی 2016ء بروز چہار شنبہ

Scanned with CamScanner

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست مضامین سالنامۂ اللطیف ویلور ۱۴۳۷ھ مطابق 2016ء

منظومات

پیش کش:

مناجات قربیؒ

سید شاہ محمد طاہر قادری
سجادہ نشین خانقاہِ حضرت قطبِ ویلور

قدوۃ السالکین حضرت سید شاہ ابوالحسن قربی علیہ الرحمہ (۱۱۱۸ھ ۱۱۸۲ھ) نے اپنی زندگی میں اپنا دیوان ۱۱۵۱ھ مطابق ۱۷۴۰ء میں مرتب کیا تھا۔ اس وقت آپ کی عمر شریف ۳۴ سال تھی۔ آپ کے دیوان میں پہلے حمد ہے پھر نعت ہے۔ اسکے بعد ۸۸ غزلیات ہیں، ابیات تقریباً ۱۹۷۶ ہیں۔ دیوان مناجات اور دعا پر اختتام پذیر ہے۔ حضرت قربیؔ کا کلام آپ کے دیوان سے ترتیب وار ناظرین اللطیف کی خدمت میں پیش ہے۔

عینِ اعیانِ دو عالم ہے محمد مصطفیٰ
مہرِ موجِ استقامت ماہِ برجِ اصطفا

پرتو اس کے ہے حقیقت کا یو سب ذرّاتِ قلب
آفتابِ چرخِ وحدت کا ہے عکسِ حق نما

عبد وہی رب وہی سب وہی ہے جگ سے
اس کے ہیں اطلاق کے درجات اشیاء بے خطا

سب مراتب داخلی کے ہیں مراتب خارجی
داخلی کوں خارجی ہے آرسی اے با صفا

عینِ ہر ذرہ محمدؐ فی العیاں دیکھے گا تو
گر تو اشیا کی حقیقت کون کرے گا سامنا

عینِ اشیا غیریت کے سات بوج ایقان سوں
عین جوں ہے غیروِیں ہے خلق سوں او مجتبیٰ

آسماں او ہے زمیں او بحر و بر معدن وہی
دُر وہی گوہر وہی بجہ توں وہی ہے جابجا

ہر ذرہ احمد ہے جگ سوں بوج احمد آپ کو
اب جہاں میں تو اَنا احمد کا نقارہ بجا

تن محمدؐ جان محمدؐ صورت و معنی وہی
یوں معمّا ہے سمج کامل سوں اس کا مدعا

نہ کی لذت سوں محمدؐ نام کر ہر چیز کا
ہے حقیقت میں محمدؐ عین ہر شئے اے فنا

ملتجا جس چیز کوں جگ میں کرے گا آپنا
تو یقیں سوں بوج تیرا ہے محمدؐ ملتجا

دانشِ مطلق کا منبع یا محمدؐ تونچہ ہے
قربیؔ قرباں کو تیرے علمِ مطلق کر عطا

روئداد دارالعلوم لطیفیہ

ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ ذی علم و بے علم دونوں کا ایک مرتبہ ہو نہیں سکتا، عقل و علم میں زبردست تعلق ہے عقل علم کو پسند کرتی ہے۔ اور بے علمی جہالت کو دوست رکھتی ہے۔ حقیقت میں علم کی تلاش گویا حیات حقیقی کی تلاش ہے۔

شکر و احسان ہے اللہ رب العزت کا جس نے حضرت انسان کو عقل و علم کے نایاب دولت سے نوازا ہے۔ دنیائے اسلام میں ایسے نفوس قدسی کو پیدا فرمایا جن کے کارنامے اہل عالم کے لئے مشعلِ راہ ہیں۔ اللہ ہم سب مسلمانوں کو تحصیل علم کی ہدایت و نصیب عطا فرمائے۔

آغازِ سال: مختلف علاقوں سے آنے والے طلبۃ العلوم کا داخلہ مورخہ ۱۶؍ شوال المکرّم ۱۴۳۶ھ مطابق ۲۹؍ ماہ جولائی ۲۰۱۵ء بروز چہارشنبہ

دورۂ حدیث: دارالعلوم کے ہال میں بخاری شریف و مسلم شریف کے دورۂ حدیث کا آغاز بدست عالیجناب ڈاکٹر مولانا سید شاہ عثمان شاہ قادری صاحب ناظم دارالعلوم سے ۲۵؍ شوال المکرّم ۱۴۳۶ھ کو ہوا بحمد اللہ ۲۵؍ رجب المرجب ۱۴۳۷ھ بروز دوشنبہ ناظم موصوف کی دعاؤں سے پایہ تکمیل کو پہنچا۔

افتتاحی اجلاس: حسب عادت امسال بھی انجمن دائرۃ المعارف کا افتتاحی جلسہ مورخہ ۲؍ ماہ اکتوبر ۲۰۱۵ء بروز دوشنبہ بعد نمازِ ظہر دارالعلوم لطیفیہ کے وسیع ہال میں منعقد ہوا۔ جس کی صدارت عالیجناب ڈاکٹر سید شاہ عثمان شاہ قادری، ناظم دارالعلوم نے کی۔ جلسہ کا آغاز تلاوت قرآن شریف و نعت شریف کے ساتھ ہوا۔ اس کے بعد مہمان خصوصی کی حیثیت سے عالی جناب مولانا مولوی سید نیاز احمد جمالی، ناظم جمالیہ عربک کالج مدراس عربی و اردو زبان میں طلباء سے خطاب فرمایا اور موصوف نے علم اور اخلاق دونوں حقیقتوں پر سیر حاصل بحث فرمایا۔ نیز ڈاکٹر سید سجاد حسین صاحب مدراس یونیورسٹی نے طلباء سے اردو میں خطاب فرمایا اور ادب و احترم کے ساتھ زندگی گزارنے کی تلقین فرمائی

طلباء افضل العلماء، ادیب فاضل امتحانات میں شریک ہو کر شاندار کامیابی حاصل

کی اللہ کا شکر ہے۔

امتحانات: دارالعلوم کے اساتذہ کرام کی نگرانی میں ششماہی و سالانہ امتحانات ہوئے مورخہ 9رفروری ۲۰۱۶ء سے ۱۴رجنوری تک مسلسل جاری رہا۔اور سالانہ امتحان مورخہ یکم مئی تا ۱۲رمئی ۲۰۱۶ء جاری رہے۔

عباپوشی وعطائے اسناد: مورخہ ۱۰رشعبان المعظم ۱۴۳۷ھ مطابق ۱۸رمئی ۲۰۱۶ء صبح ٹھیک 10:30 بجے سالانہ اجلاس اعلیٰ پیانے پر منعقد ہوا۔جس کی صدارت عالیجناب مولانا سید شاہ عثمان شاہ قادری ناظم دارالعلوم نے فرمائی۔جسمیں مقامی و بیرونی علمائے کرام علم دوست حضرات کثیر تعداد میں مدعو تھے اور ناظم موصوف نے اپنے دست فیض اقدس سے طلباء میں عباواسنادعطافرمایا۔

ہدیہ تشکر: دارالعلوم ان تمام احباب ومعتقدان حضرات کا شکر گزار ہے جنہوں نے اپنے خلوص سے دارالعلوم کے تمام اہم کاموں کوانجام دیا۔اللہ رب العزت ان تمام کوحبیب پاک صلی اللہ علی وسلم کے صدقے سے دنیا و آخرت میں اجرِعظیم عطافرمائے۔آمین

افتتاحیہ

ادارہ

اسلام کی تعلیمات اور ہدایات میں سے ایک تعلیم اور ہدایت لوگوں کے حقوق وآداب سے متعلق ہے جن کی رعایت و لحاظ کی تاکید ہے، اس پہلو سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق اور آداب بھی ہیں جن سے واقفیت رکھنا ایک مسلمان کے لئے ضروری ہے۔ اور ان کی رعایت اور لحاظ رکھنے میں دارین کی فلاح وصلاح مضمر ہے اور ان سے لاعلم اور ناآشنا رہنے میں اور ان کی رعایت ولحاظ نہ کرنے میں، دنیاوآخرت کی سعادت سے محرومی ہے۔ امت کے ہر فرد کے اوپر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حق ہے کہ جب بھی کسی کی زبان سے آپ ؐ کا نام مبارک سنا جائے تو آپ ؐ پر درود بھیجے اور اسی طرح اپنی زبان سے نام مبارک لیا جائے تو آپ ؐ پر درود پڑھا جائے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کی اس دعا پر آمین کہی ہے۔ جس میں یہ کہا گیا ہے کہ جو شخص بھی آپ ؐ کا نام مبارک سنے اور آپ پر درود نہ بھیجے تو وہ اللہ کی رحمت سے محروم ہو جائے۔

نبی کریم ؐ کے آداب میں یہ شامل ہے کہ آپ کی ذات قدسی صفات کے ساتھ جن امور کا پاس ولحاظ آپ کی حیاتِ ظاہری میں رکھا گیا تھا ان کا پاس ولحاظ آپ کی حیات باطن میں بھی ملحوظ رکھا جائے۔ آپ کی زندگی میں آپ کے روبرو بلند آواز سے بات چیت کی سخت ممانعت تھی۔ اس کی خلاف ورزی پر سخت وعید نازل ہوئی کہ جو شخص بھی بارگاہ نبوی ؐ میں اونچی آواز سے بات چیت کرے گا اس کی نیکیاں برباد ہو جائیں گے۔ نبی کریم ؐ دنیاوی زندگی سے برزخی زندگی میں قدم رنجا فرمانے کے باعث یہ حق اور ادب ساقط نہیں ہوا، لہذا جو شخص بھی قبر انور کے قرب وجوار میں پہنچے تو اسے چاہئے کہ نہایت دھیمی اور نرم آواز میں آپ کی خدمت میں سلام پیش کرے اور حضور قلب کے ساتھ ذاتِ رسالت مآب کی جانب مائل اور متوجہ رہے اور دل ونگاہ میں صرف اور صرف آپ کی ذات وشخصیت کا خیال وتصور سمائے رہے۔ آپ ؐ کی خدمت میں سلام پیش کرنے کے بعد یہ درخواست پیش کرے کہ آپ اللہ تعالیٰ سے میری سفارش کیجئے اور میرے لئے استغفار۔

قرآن کریم میں حضرات صحابہ کو حکم دیا گیا ہے کہ اگر وہ لوگ اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھتے تھے، آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے، اور اللہ سے معافی مانگتے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کے لئے مغفرت طلب کرتے وہ (اس وسیلہ اور شفاعت کے باعث) ضرور اللہ کو توبہ قبول کرنے والا اور نہایت مہربان پاتے۔ ولو انھم اذ ظلمو انفسھم جاوک

الی اخرالایة

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ظاہری میں جس طرح آپ سے یہ توسل جائز تھا اسی طرح حیات برزخی میں بھی آپ سے یہ توسل جائز ہے۔لہذا آپ کی وفات کے بعد توسل کی ممانعت پر کوئی واضح شرعی دلیل نہیں ہے۔اور یہ بات بھی آپ کی شان رحمۃ للعالمین کے منافی ہوگی کہ زمانہ نبوت کے اہل ایمان آپ کے استغفار اور توسل سے بہرہ ور ہیں اور قیامت تک آنے والے اصحاب ایمان آپ کے استغفار اور سفارش سے محروم رہیں۔

مفسر قرآن امام حافظ عماد الدین ابن کثیر نے آیت ولوانھم اظلمو کی تفسیر میں لکھا ہے۔یرشد الله تعالیٰ العصاة والمذنبین ازا وقع منهم الخطاوالعصیان ان یاتو الی الرسولﷺ فیستغفروالله عنده ویسألوه ان یغفر لهم فانهم اذا فعلواذالك تاب الله علیهم و رحمهم وغفرلهم ولهذا قال لوجدواالله توابا رحیما۔

اس آیت میں گناہ گاروں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ترغیب و ہدایت ہے کہ جب ان سے گناہ اور خطا سرزد ہو جائے تو رسولﷺ کے پاس پہنچ کر اللہ سے استغفار کرنا چاہئے۔اور رسولﷺ سے بھی درخواست کرنی چاہئے کہ آپ ہمارے لئے دعا فرمائیے۔جب وہ ایسا کریں گے تو اللہ کی رحمت بھی ان کی طرف متوجہ ہوگی۔انہیں معاف فرمائے گا اور ان پر رحم و کرم فرمائے گا۔اور یہ بشارت لوجدو الله توابا رحیما کے الفاظ میں موجود ہے۔

سورۃ حجرات میں دو باتوں کا حکم دیا گیا ہے۔ایک یہ ہے کہ مسلمانوں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پر اپنی آواز بلند نہیں کرنی چاہئے۔لاترفعو اصواتکم فوق صوت النبی۔دوسرا حکم یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بات چیت کا لب ولہجہ اور انداز ایسا نہیں ہونا چاہئے جیسا کہ تم آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ گفتگو کرتے ہو۔ولا تجهروا له بالقول كجهر بعضكم لبعض

ظاہر ہے کہ یہ دوسرا حکم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ظاہری کی تکمیل کے بعد باقی نہیں رہ سکتا لیکن ایک پہلو سے یہ حکم برقرار ہے اور وہ پہلو ہے آپ کی حدیثیں۔لہذا آپ کی احادیث کے ذکر و بیان اور ان کی تدریس و تفہیم میں وہی آداب ملحوظ رکھنے ہوں گے جو آداب کہ آپ کی زندگی میں ملحوظ رہتے تھے۔حضرت قطب ویلور اپنی فارسی تصنیف فصل الخطاب میں فرماتے ہیں۔

سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق بہت ہیں جو تمام پیغمبروں کے سردار اور تمام مرشدوں کے مرشد ہیں۔صاحب مواہب لدنیہ فرماتے ہیں۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مخصوص آداب میں سے یہ بھی ہے کہ آپ کی حدیثیں پڑھنے کے

لئے غسل کرنا اور خوشبو لگانا مستحب ہے۔ احادیث کے پڑھنے اور سننے کے دوران آوازوں کو بلند نہیں کرنا چاہیئے۔ بلکہ اپنی آواز کو پست رکھنا چاہیئے۔ جس طرح آپ کی حیات ظاہری میں جب آپ کلام فرماتے تو سبھی خاموش رہا کرتے تھے۔

پس بے شک آپ کا کلام آپ کی رحلت کے بعد بھی رفعت و منزلت کے معاملہ میں آپ کی زبان مبارک سے سنے جانے والے کلام کے مانند ہے۔ اور احادیث کو اچھے اور بلند مقام پر پڑھنا چاہیئے۔

مطرف سے روایت ہے کہ لوگ امام مالکؒ کے پاس آتے تو گھر سے باہر باندی نکل کر آتی اور کہتی کہ امام صاحب دریافت فرما رہے ہیں کہ آپ لوگ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا علم حاصل کرنے آئے ہیں یا فقہی مسائل پوچھنے کے لئے؟ اگر کہا جاتا کہ مسائل دریافت کرنے کی خاطر آئے ہیں تو امام موصوف اسی وقت گھر سے باہر نکل آتے اور فقہ کے مسائل اور احکام بتلا دیا کرتے اور اگر یہ کہا جاتا کہ علم حدیث حاصل کرنے کے لئے آئے ہیں تو امام صاحب غسل خانہ میں داخل ہوتے اور غسل کرتے اور خوشبو لگاتے اور نئے کپڑے پہن لیتے اور عمامہ باندھ لیتے اور طیلسان نامی چادر اوڑھ لیتے جو خطبہ پڑھنے والے حضرات اپنے کندھوں پر ڈال لیا کرتے۔ اس کے بعد باہر تشریف لاتے اور آپ کے لئے ایک مخصوص چوکی پیش کی جاتی جس پر خشوع و خضوع کے ساتھ جلوہ افروز ہوتے اور اس چوکی پر درسِ حدیث کے سوا کسی دوسرے موقع پر نہیں بیٹھتے تھے اور اس وقت تک عود جلایا جاتا تھا جب تک آپ حدیث نبویؐ کی قرأت اور تشریح سے فارغ نہیں ہوتے۔

حضرت ابن ابی ادریس فرماتے ہیں امام مالک سے اس اہتمام اور انتظام کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ میں چاہتا ہوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کی تعظیم و تکریم کروں اور جہاں تک ہو سکے ممکن طہارت و نظافت کی حالت میں حدیث بیان کروں۔

اور منقول ہے کہ ان آداب اور طریقوں کو امام مالک نے حضرت سعید بن مسیب سے سیکھا ہے۔ اور حضرت قتادہ اور حضرت مالک اور ایک بہت بڑی جماعت نے وضو کے بغیر حدیث بیان کرنے کو مکروہ قرار دیا ہے۔ حضرت اعمش بغیر وضو ہوتے تو تیمم کرنے کے بعد ہی حدیث بیان کرتے تھے۔

مولانا شاہ عبدالحق محدث دہلوی مدارج النبوہ کے نویں باب میں تحریر فرماتے ہیں کہ ابن مہدی فرماتے ہیں کہ میں ایک روز امام مالک کے ساتھ مدینہ منورہ میں وادی عتیق کی جانب سے گزر رہا تھا کہ آپ سے ایک حدیث کے بارے میں سوال کیا تو مجھے منع کرتے ہوئے فرمایا اس سوال سے پہلے تم میری نگاہوں میں بزرگ تھے تم نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سے متعلق سوال کرتے ہوں حالانکہ ہم راہ چل رہے ہیں یعنی راہ چلتے چلتے حدیث بیان کرنا یہ ایک بے ادبی ہوگی۔

جریر بن عبدالحمید جو قاضی شہر تھے، انہوں نے امام مالک کے کھڑے ہونے کی حالت میں حدیث سے متعلق استفسار کیا تو آپ نے انہیں قید کرنے کا فتویٰ دے دیا۔لوگوں نے امام مالک سے عرض کیا یہ شہر کے قاضی ہیں ۔فرمایا قاضی اس بات کا زیادہ مستحق ہے کہ پہلے اسے ادب سکھلایا جائے۔

حضرت عبداللہ بن صالح سے منقول ہے کہ امام مالک اور امام لیث ہمیشہ باوضو احادیث لکھا کرتے تھے۔امام بخاری اپنی صحیح لکھنے کے وقت ہر حدیث کے لئے غسل فرماتے تھے اور دو رکعت نماز ادا فرماتے تھے اور یہی اہتمام کتاب کے تراجم کے لکھنے میں بھی رہتا تھا۔بقول بعضے امام بخاری زم زم سے غسل فرماتے اور مقام ابراہیم میں دوگانہ ادا کرنے کے بعد حدیث تحریر کیا کرتے تھے۔

مذکورہ اقتباسات نقل کرنے کے بعد قطب ویلور لکھتے ہیں۔اس میں شک نہیں بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و حرمت اور تعظیم وتوقیر آپ کی وفات کے بعد بھی آپ کے ذکر اور آپ کی حدیث پاک کے ذکر و بیان اور آپ کے اسم مبارک اور آپ کی سیرت وشمائل سننے کے وقت بھی اسی طرح ہونی چاہئے جس طرح کہ آپ کی حیات ظاہری میں ہوتی رہی ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق وآداب میں سے یہ بھی ہے کہ آپ کے آثار و متروکات، موئے مبارک، آپ کی جانب منسوب مساجد وکنوئیں بلکہ آپ کی جانب منسوب ہر چیز کو محبت وعظمت کی نگاہ سے دیکھنا چاہئے آپ کی ذات کے ساتھ محبت اور عشق کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ آپ سے نسبت رکھنے والی کسی چیز کو بھی تحقیر وتذلیل کی نظروں سے نہیں دیکھنا چاہئے۔حضرت قطب ویلور فصل الخطاب میں لکھتے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک اور آپ کے آثار و متروکات اور آپ کی مساجد آپ کی جانب منسوب کنوؤں کی زیارت کرنا مستحب ہے۔مولانا مخدوم ہاشم سندھی ''حیات القلوب فی زیارۃ المحبوب'' کے چودھویں باب میں تیرہویں فصل میں مولانا رحمت اللہ سندھی اور ملا علی قاری کی عبارت کا ماحصل یہ تحریر کیا ہے کہ، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب منسوب آثار، کنویں اور مساجد کی زیارت کرنا مستحب ہے اور ان اشیاء کا عین ہو یا جہت کسی ایک کو جان لینا دونوں برابر ہے۔حنفیوں، مالکیوں، شافعیوں اور حنبلیوں کی ایک جماعت نے تصریح کی ہے کہ مطلقاً یعنی بغیر کسی قید کے ان اشیاء کی زیارت کرنا مستحب ہے۔تحصیل سعادت و برکت۔ کے خیال سے حضرت عبداللہ بن عمر اس بات میں کوشاں رہا کرتے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جن جگہوں میں نماز پڑھی ہے اور جن جگہوں سے سفر شروع کیا ہے اور جن جگہوں میں نزول وسکونت فرمائی ہے ان جگہوں میں نماز پڑھے، سفر شروع کرے اور نزول وسکونت کرے۔

قاضی عیاض ''شفاء'' میں لکھتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری اشیاء کو مقدس اور برگزیدہ جاننا اور آپ کے اجزاء کی تعظیم کرنا اور آپ کے اماکن اور مقامات کی تعظیم کرنا جن میں آپؐ نے سکونت فرمائی یا نزول فرمایا اور ہر وہ چیز جس کو آپ کا دست مبارک، یا پہلو یا قدم یا اعضاء میں سے کسی عضو نے مس کرلیا ہو تو اس کی تعظیم کرنا گویا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کرنا ہے۔ اور ان چیزوں کے ثبوت کے لئے نقل صحیح ہو، یا یہ چیزیں اخبار اور آثار کے بغیر لوگوں میں مشہور ہوں تو یہ دونوں برابر ہیں۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی شرح سفر السعادۃ میں علامہ فقیہ تورپشتی کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابہ کرام کے درمیان اپنے موئے پاک تقسیم کرنے کا مقصد یہ تھا کہ اس چیز کے ذریعہ لوگوں میں برکت باقی رہے اور آپ کی یاد تازہ رہ سکے۔ نیز اس میں یہ اشارہ بھی پوشیدہ تھا کہ اب زمانہ صحبت ختم ہونے والا ہے اور سفر آخرت قریب ہے۔

اشعۃ اللمعات ترجمہ مشکوۃ میں ہے کہ حجۃ الوداع کے موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ناخنوں اور بالوں کو صحابہ کرام کے درمیان تقسیم فرمایا۔ اور آج تک امت میں یہ تبرکات موجود ہیں۔

سفینۃ النجاۃ کے ۴۲ ویں صفحہ میں جو لکھا گیا ہے اس کا ماحصل یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک کی تعظیم واجب ہے اگرچہ کہ یقینی طور پر یہ ثابت نہ ہو کہ آپؐ ہی کا موئے مبارک ہے۔ اس لئے کہ جب کل کی تعظیم واجب ہے تو اس کے اجزاء کی تعظیم بھی کل کی طرح ہے۔ اور بتوں، پنجوں اور جھنڈوں اور ان کے مانند اشیاء کی تعظیم حرام ہے۔ ان کی تعظیم کی تحریم پر موئے مبارک کی تعظیم کو حرام قرار دینا باطل اور قیاس مع الفارق ہے۔

مذکورہ تفصیلات کے بعد حضرت قطب ویلور لکھتے ہیں ان اسناد اور شواہد سے ظاہر ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک کی تعظیم واجب ہے اگرچہ کہ اس کا ثبوت یقینی طور پر نہ ہو اور موئے مبارک کی زیارت مستحب ہے۔ اس مسئلہ میں بعض اہل علم کی افراط و تفریط دیکھنے کے لائق ہے کہ کبھی موئے مبارک کی تعظیم کو عبادت اور مو پرستی کہہ دیتے ہیں حالانکہ تعظیم الگ چیز ہے اور عبادت الگ چیز ہے۔ جیسا کہ تفسیر کی کتابوں میں اس کی تفصیل موجود ہے۔ اگر تعظیم اور عبادت دونوں ایک ہوتے تو اللہ تعالیٰ شعائر اللہ کی تعظیم کا حکم نہیں دیتا۔ یہی مفہوم شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے الطاف القدس میں بیان کیا ہے۔

یہاں یہ مسئلہ بھی جان لیا جائے تو مفید ہوگا کہ بعض علمائے کرام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے ذکر و بیان کے وقت حاضرین و سامعین کے کھڑے ہونے کو مستحسن فعل قرار دیا ہے۔

علامہ شیخ علی ابن برہان الدین حلبی سیرت حلبیہ میں فرماتے ہین۔اہل علم اور عوام میں یہ عادت چل پڑی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کے بیان میں جب ولادت کا ذکر سنتے ہیں تو آپ کی تعظیم وتکریم کے خیال سے کھڑے ہوجاتے ہیں۔

یہ قیام بدعت حسنہ ہے۔امت کے جلیل القدر عالم، ائمہ اور فقہاء کے امام علامہ تقی الدین سبکی شافعی کو میلاد شریف کی مجلس میں ولادت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان میں آپ کا نام مبارک کے ذکر کے وقت قیام کرتے ہوئے دیکھا گیا۔اور آپ کے ہم عصر علماء اور صوفیہ نے اس عمل میں آپ کی اتباع وپیروی کی۔

علامہ سید جعفر برزنجی مدنی ،رسالۃ المولد، میں فرماتے ہیں ،نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت مبارک کے بیان میں آپ کے نام مبارک کے ذکر کے وقت میں آپ کی تعظیم وتکریم کے خیال سے کھڑے ہوجانے کو صاحب روایت ،اور صاحب ودرایت ائمہ کرام نے مستحسن قرار دیا ہے۔بڑی خوشخبری ہے اور بڑی بشارت ہے اس شخص کے لئے جس کا انتہائی مقصد صرف ذاتِ رسالت مآب کی تعظیم وتکریم ہے۔

علامہ یوسف بن محمد اهدل فرماتے ہیں کہ تمام باشندگان حرمین شریفین (مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ) اور وہاں کے علماء اور خواص قیام کو پسند فرماتے ہیں اور اس عمل میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جس قدر تعظیم وتکریم ہے وہ کوئی پوشیدہ چیز نہیں ہے۔

حاصل کلام موجودہ زمانے میں تحقیق وتدقیق،فکر ونظر اور زبان وقلم کی آزادی، وسعت ذہنی وکشادہ قلبی اور سائنسی مطالعہ تجزیہ کے حوالے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات وشخصیت اور فضائل وشمائل اور آپ سے منسوب چیزوں کو موضوع بحث بنایا جارہا ہے۔اس بحث ونظر سے ملت اسلامی کی نئی نسل متاثر ہوتی جارہی ہے۔یہ فکر کی آزادی نہیں آوارگی ہے، جو سم قاتل ہے اور یہ وقت کا بہت بڑا فتنہ ہے جو داخلی اور خارجی دونوں حیثیت سے سر اٹھا رہا ہے اس سے متنبہ اور ہوشیار رہنا وقت کی اہم ترین ضرورت ہے اور اس تحریک کی ضرورت ہے جس کے ذریعہ ملت کی نئی پود کے دل ودماغ اور ضمیر وروح کے اندر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت والفت اور طاعت اور آپ سے منسوب چیزوں کی عقیدت والفت کو جاگزیں اور پیوست کردیں۔

واخر دعونا ان الحمد للہ رب العالمین۔

جواھر القرآن

موجودہ دور کا عظیم المیہ ھے انسانوں کا قتل

از مولوی حافظ ڈاکٹر بشیر الحق قریشی

یم اے پی ایچ ڈی، استاذ دار العلوم لطیفیہ، ویلور

دنیا میں سیدنا محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک و مسعود آمد تاریخ کے ایک ایسے تاریک و سیاہ دور میں ہوئی، جو ظلم و جور، قتل و خون، سفاکیت و جہالت میں خود اپنی مثال تھا۔ لوگ ایک دوسرے کی جان و مال اور عزت و آبرو سے کھیل رہے تھے۔ مال و دولت کی حفاظت، عزت و آبرو کے تحفظ اور صیانت جان و نفس کی راہیں مسدود تھیں۔ اس وقت آسمانی مذاہب کی اتباع و پیروی کرنے والوں میں صرف یہود و نصاریٰ تھے، اور یہ دونوں قومیں بالفاظ دیگر اس زمانے کے اصحاب ایمان اور اہل کتاب تھے۔ لیکن ان کی اسلامیت و ایمانیت پر جاہلیت قبضہ کر رکھی تھی۔ اور ان کی کتاب ھدایت تورات و انجیل دونوں بھی اپنی اصلیت و حقیقت گنوا بیٹھی تھیں اور پوری طرح سے تبدیل و تحریف کا شکار ہو چکی تھیں تاہم محرف تورٰۃ اپنے متبعین کو یہ حکم سناتی رہی کہ وہ زمین پر فتنہ و فساد برپا نہ کریں اور قتل نفس سے باز رہیں، بلکہ یہاں تک کہتی رہی اگر کسی نے ایک آدمی کو قتل کیا تو گویا اس نے سارے انسانوں کو قتل کیا۔

تلمود کا بیان ہے، جس نے اسرائیل کی ایک جان کو ہلاک کیا تو کتاب اللہ کی نگاہ میں اس نے گویا ساری دنیا کو ہلاک کیا۔ اور جس نے اسرائیل کی ایک جان کو محفوظ رکھا تو کتاب اللہ کے نزدیک اس نے گویا ساری دنیا کی حفاظت کی۔ نیز تلمود میں ہے، قتل کے اقدامات میں بنی اسرائیل کے قاضی گواہوں کو خطاب کر کے کہا کرتے تھے کہ جو شخص ایک انسان کی جان کو ہلاک کرتا ہے وہ ایسی باز پرس کا مستحق ہے کہ گویا اس نے دنیا بھر کے انسانوں کو قتل کیا ہے۔

انسانی زندگی کے احترام و اکرام اور اس کے تحفظ و بقاء کے پہلو سے توراۃ کا ایک کردار تو یہ سامنے آتا ہے تو دوسری طرف حاملین توراۃ کا کردار یہ سامنے آتا ہے کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کا خون بہاتے ہیں اور اپنے لوگوں کو گھروں اور بستیوں سے نکال کر جلا وطن کر دیتے ہیں۔ اس صورت حال کے مدنظر اللہ نے اسرائیل کی اولاد سے پختہ عہد لیا تھا۔ لا

تسفکون دماء کم ولا تخرجون انفسکم من دیارکم ۔ (البقرہ) یہود کے پاس عام انسانوں کی جانوں کی حفاظت وصیانت تو دور کی بات ہے ان کے انبیائے کرام کی جانیں بھی محفوظ نہ تھیں۔ وہ اللہ کے نبیوں کو ناحق قتل کیا کرتے تھے چنانچہ قرآن نے صراحت کی ہے۔ یقتلون النبین بغیر الحق۔(البقرہ)

تلمود میں لکھا ہے کہ بخت نصر نے جب بیت المقدس فتح کیا تو وہ ہیکل سلیمانی میں داخل ہوا، اور اس کی سیر کرنے لگا ۔عین قربان گاہ کے سامنے ایک جگہ دیوار پر ایک تیر کا نشان نظر آیا۔ اس نے یہودیوں سے پوچھا یہ کیسا نشان ہے؟ انہوں نے جواب دیا یہاں ذکریا نبی کو ہم نے قتل کیا تھا، وہ ہماری برائیوں پر ہمیں ملامت کرتا تھا۔ آخر جب ہم اس کی ملامتوں سے تنگ آگئے تو ہم نے اسے مار ڈالا۔ (تفہیم القرآن)

مورخین نے لکھا ہے کہ بنی اسرائیل نے ستر انبیائے کرام کو شہید کیا۔ جن میں حضرت یحییٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اسمائے گرامی بھی ہیں۔ یہ حسنِ اتفاق تھا کہ حضرت عیسیٰ قتل ہونے سے محفوظ رہ گئے اور تائید ربانی کے باعث زندہ سلامت آسمان پر اٹھالئے گئے۔ حضرت عیسیٰ کے واقعہ قتل کو اللہ نے قاتلین کے لئے التباس اور اشتباہ کی شکل دے دی چنانچہ روپوش حضرت مسیح کی نشاندھی کرنے والے جاسوس منافق حواری کی شکل وصورت کو حضرت مسیح کی صورت و شکل میں بدل دیا گیا اور اس کی زبان بند کر دی گئی، جس کی وجہ سے وہ اپنی حقیقت بیان کرنے سے عاجز اور قاصر رہ گیا۔ دشمنانِ مسیح کے دل و دماغ میں یہ بات راسخ ہوگئی کہ ہم نے مسیح کو قتل کر دیا اور صلیب پر چڑھا دیا، جیسا کہ قرآن نے اس کی عکاسی کی ہے۔ وقولھم انا قتلنا المسیح ابن مریم و ما قتلوہ وما صلبوہ ولکن شبہ لھم۔ ان لوگوں نے مسیح کو نہ قتل کیا نہ صلیب پر لٹکایا۔

حضرت مسیح کو قتل کرنے کی تدبیروں اور کوششوں میں یہودیوں کے ساتھ بعض منافق عیسائیوں کی بھی ملی بھگت رہی جن کی مدد سے قتلِ مسیح کا منصوبہ تکمیل تک پہنچا۔ نصاریٰ یہود سے الگ اور مختلف دوسری قوم نہ تھی، بلکہ وہ یہودیوں کا ایک حصہ تھے اور حضرت مسیح کی بعثت یہودیوں کی طرف ہوئی تھی۔ قرآن کریم نے آپ کے اسرائیلی رسول ہونے کی صراحت کی ہے۔ ورسولا الیٰ بنی اسرائیل۔ اور خود حضرت مسیح نے بھی یہ اعتراف کیا ہے کہ مجھے بنی اسرائیل کی بھٹکی ہوئی بکریوں کو راہ راست پر لانے کے لئے بھیجا گیا ہے۔ حضرت مسیح کے مذکورہ بیان واعلان سے یہ حقیقت سامنے آجاتی ہے کہ عیسائیت، یہودیت کا ایک اصلاحی، ترمیمی اور تجدیدی اڈیشن ہے۔

علامہ حافظ ابن کثیر نے اپنی تاریخ میں حضرت یحیٰ کے قتل کی تفصیل بیان کی۔ آنجناب بنی اسرائیل کی جانب مبعوث تھے، آپ نے یہود کی اصلاح وتجدیدی مہم شروع کی تو اسکے اثر سے بہت سارے لوگ راہِ ہدایت پر چلنے لگے اور ہزاروں افراد آپ کے دامن سے وابستہ ہوگئے، اور پورے سماج مین ایک نمایاں تبدیلی نظر آنے لگی۔ اس زمانے میں ہیرو ریس نامی ایک ظالم و جابر، اور عیاش و بدمعاش صاحب اقتدار تھا۔ وہ آپ کی غیر معمولی عزت ومقبولیت کو دیکھ کر شکوک و شبہات میں مبتلا ہوگیا۔ اسے اپنے جسم سے حکمرانی کی قبا اترتے دکھائی دی تو وہ آپ کا سخت ترین دشمن بن گیا۔ اس کی ایک خاص محبوبہ تھی جس پر وہ اپنی جان نچھاور کرتا تھا۔ وہ بھی حضرت یحیٰ کی دینی واصلاحی خدمات واصلاحات کی وجہ سے دل ہی دل میں آپ کی ذاتِ گرامی کے ساتھ سخت عداوت وعناد رکھتی تھی۔ اور موقعہ کی متلاشی تھی کہ کس طرح آپ کا کام تمام کیا جائے۔ ایک مرتبہ بادشاہ کا دربار خاص سجا ہوا تھا اور ساری فضا شراب وشباب، کیف ومستی اور رقص وسرور میں ڈوبی ہوئی تھی۔ اور اس کی حسین وجمیل بیٹی ہوش ربا رقص کے ذریعہ بادشاہ کے دل ودماغ پر چھا گئی تھی۔ بادشاہ نے کیف مستی کی حالت میں رقاصہ سے کہا۔ مانگو تم کیا چاہتی ہو؟ اسی مجلس عیش وطرب میں بادشاہ کی محبوبہ بھی موجود تھی۔ اس نے یہ موقع غنیمت جانا اور اپنی بیٹی کو اشاروں ہی اشاروں میں کہہ دیا کہ حضرت یحیٰ کا سر مانگ لو۔ بادشاہ جوں ہی رقاصہ کے مقصود اور مطلوب سے واقف ہوا تو اسی وقت اپنے کارندوں کو حکم دیا کہ حضرت یحیٰ کا سر کاٹ کر لائیں۔ آپ کا کٹا ہوا سرِ مبارک حاضر ہوا تو اسے ایک طبق میں رکھ کر بطور نذرانہ رقاصہ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ یہ عبرت ناک اور افسوس ناک واقعہ سنہ ۳۰ء میں رونما ہوا۔

ایک اور روایت میں یہ صراحت ہے کہ حضرت یحیٰ کی شہادت کا واقعہ بیت المقدس میں ہیکل اور قربان گاہ کے درمیان میں پیش آیا۔ سفیان نوری نے ثمر بن عطیہ کے حوالے سے کہا ہے کہ اس جگہ ستر انبیائے کرام شہید کئے گئے۔

ابن عساکر نے ولید بن حکم کے حوالہ سے یہ بات کہی ہے کہ زید بن واقد فرماتے ہیں کہ دمشق میں عمود سکہ کے نیچے ایک مسجد کو دوبارہ تعمیر کیا جارہا تھا تو میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ مشرق کے محراب کے قریب ایک ستون کی کھدوائی میں حضرت یحیٰ کا سر مبارک برآمد ہوا۔ چہرہ اور بالوں تک میں کوئی تغیر نہیں آیا تھا۔ اور خون آلودہ ویسا ہی تھا گویا ابھی ابھی کاٹا گیا ہو۔ (تاریخ ابن کیرج ۲ ص ۵۵)

اس مقام پر ایک حدیث کی نشاندھی شاید بے محل نہ ہوگی جس میں یہ صراحت موجود ہے کہ حضرات انبیائے کرام

وفات پانے کے بعد ان کے جسموں کو قبروں میں مٹی نہیں کھاتی۔ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء۔(ابوداؤد) حضرت یحییٰ کا سرمبارک مذکورہ حدیث کی مشاہداتی اور حسّی مثال ہے۔

الغرض قتل نفس کے باب میں نصاریٰ بھی یہودیوں سے پیچھے نہ تھے،دونوں کی سفاکی اور خون ریزی سے تاریخ کے صفحات بھرے پڑے ہیں۔اسی طرح اہل عرب بھی قتل وقتال میں کسی سے کم نہ تھے۔ان کی داستانِ قتل بھی پورے ایک دور پر حاوی اور محیط ہے۔اس دور کو تاریخ کی اصطلاح میں عہد جاہلیت کہا جاتا ہے اور یہ دور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی وفات سے لے کر نبی آخرالزماں سیدنا محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت تک پھیلا ہوا ہے اور اس دور کو فترۃ الوحی اور انقطاع وحی کا زمانہ بھی کہا جاتا ہے۔کیونکہ اس عرصہ میں بنواسماعیل میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی پیغمبر کی بعثت نہیں ہوئی۔اور یہ دور عربوں کی تاریخ کا ایک سیاہ باب ہے۔اہل عرب مختلف قبیلوں اور برادریوں میں منقسم تھے اور ان کے درمیان ذرا ذرا سی بات پر اختلاف کھڑا ہو جاتا تھا۔پھر یہ اختلاف شدت اختیار کر لیتا اور وہ ایک دوسرے کے دست وگریباں ہو جاتے اور ان کے بیچ لڑائی ٹھن جاتی اور فردِ واحد کا قتل کئی افراد کے قتل کا باعث بن جاتا۔اور قاتل ومقتول کے قبیلہ والوں مین انتقام در انتقام کا ایک لامتناہی سلسلہ چل پڑتا یہاں تک لوگ دنیا سے جاتے جاتے بھی یہ وصیت کر جاتے کہ فلاں قبیلہ قاتل ہے تمہیں فلاں کے قتل کا بدلہ لینا ہے۔قتل وخون میں نہائی ہوئی اس ساتویں صدی عیسوی کے دوسرے دہے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانوں کی جان و مال اور عزت کی حفاظت وصیانت کے لئے آواز بلند کی جس سے حضرت انسان کے کان پہلی مرتبہ آشنا ہوئے اور تاریخ میں ایسی آواز کسی فرد بشر کی زبان سے صادر نہیں ہوئی تھی کہ سارے انسان ایک ہی خاندان کے افراد ہیں اور مخلوق،اللہ کا کنبہ اور عیال ہے۔جو کوئی خدا کے کنبہ کے ساتھ نیکی اور حسن سلوک سے پیش آئے گا وہ خدا کی نظروں میں محبوب اور پسندیدہ قرار پائے گا۔الناس کلھم عیال. الخلق عیال اللہ واحب الی اللہ من احسن الی عیالہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قتل کے بدلے میں اسراف اور حد سے تجاوز کی فضا ختم کرنے کے لئے جو اقدام فرمایا، وہ یہ تھا کہ قتل کے بدلے میں قاتل کا قتل اور صرف اسی کا قتل،اس سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ لوگوں نے قتل نفس کے ارتکاب سے خود کو بچائے رکھنا شروع کر دیا اور سماج میں یہ ایک ایسی تبدیلی ہوئی جو تاریخ کے ماقبل اور مادور دور مین دیکھی نہیں گئی۔یہ ایک کھلی ہوئی عام بات ہے کہ ہر کسی کو اپنی جان عزیز ہوتی ہے اور جب کسی شخص کو یہ یقین ہو جائے کہ میں کسی

کو قتل کرنے کے بعد قتل کئے جانے سے بچ بھی نہیں سکتا، اگر وہ صاحب عقل ہے تو لامحالہ کسی کی جان بھی نہیں لے سکتا۔ اسلئے قرآن کریم نے قصاص کو زندگی قرار دیا۔ ولکم فی القصاص حیٰوۃ۔ (البقرہ) قصاص کا قانون قاتل کے لئے بھی رحمت اور مقتول کے ورثاء کے لئے بھی رحمت۔

قرآن کریم کا ارشاد ہے۔ لوگو! تم کسی انسان کو قتل نہ کرو جس کا قتل اللہ نے حرام ٹھہرایا ہے۔ سوائے اس شخص کے جس کا قتل کرنا شریعت کی رو سے حق اور انصاف ہے۔ اور جو شخص مظلوم قتل کیا گیا ہے تو ہم نے اس کے ورثاء کے لئے قصاص کا حق دیا ہے۔ لیکن وہ بھی بدلہ لینے میں حد سے تجاوز نہ کرے۔ بے شک وہ اللہ کی جانب سے مدد یافتہ ہے۔ (بنی اسرائیل)

قتل کے مقدمات میں اہل ایمان پر قصاص کو جو فرض قرار دیا گیا ہے وہ انفرادی و شخصی نوعیت کا نہیں ہے کہ ہر کوئی اپنے مقتول آدمی کے قاتل کو پکڑ کر اپنی جانب سے قصاص میں قتل کر دے۔ بلکہ قصاص قانون فوجداری کے ماتحت ایک منظم سزا ہے جس کی تنفیذ حکومت وقت کی تحویل میں ہے۔ مقتول کے ورثاء کو قصاص کا حق عطا کئے جانے کا مفہوم اور مطلب یہ ہے کہ وہ اس مسئلہ میں حکومت کی جانب رجوع کرے اور حکومت کا فرض ہے کہ وہ تحقیق و تفتیش کرے اور قاتل کو اپنی نگرانی میں لے کر قصاص جاری کرے اور اس کے اجراء و نفاذ میں عدل و مساوات کو برقرار رکھے۔ فقہاء نے بیان کیا ہے۔ المساواۃ بینھم لا الزیادۃ۔ اور اس سزا کو نافذ کرنے میں عرب جاہلیت اور یہودیت کی روش کو نہ اپنائے۔ جیسا کہ جاہلی دور میں ایک مقتول کے بدلہ میں کئی افراد کو قتل کیا جاتا تھا اور قاتل کو مختلف اذیتیں اور تکلیفیں دے کر قتل کیا جاتا تھا۔ لاش کو مثلہ کیا جاتا تھا۔ آزاد شخص کسی غلام کو قتل کر دے تو قصاص میں آزاد قاتل کو قتل نہیں کیا جاتا تھا، بلکہ اس کے بدلے میں کسی غلام کو قتل کیا جاتا تھا۔ یہودیوں کے ہاں قصاص کے مسئلہ میں اعلیٰ اور ادنیٰ کا فرق ملحوظ رکھا جاتا تھا۔ مقتول اونچے قبیلہ کا رہے اور قاتل پست قبیلہ کا رہے تو قصاص میں دو آدمیوں کو قتل کیا جاتا تھا اسلام نے اس طرح کے امتیازات کو ختم کرتے ہوئے قصاص میں عدل اور مساوات کا حکم دیا۔ اگر مقتول کافر ذمی ہے اور قاتل مسلمان ہے تو قصاص میں مسلمان کو قتل کرنے کا حکم دیا گیا۔

قصاص کے حکم میں جہاں ایک طرف مقتول مظلوم کے ساتھ انصاف کا پہلو ہے وہاں دوسری طرف قاتل کی جان بخشی اور معافی کا پہلو بھی ہے۔ جس کی صورت یہ ہے کہ قاتل سے مالی تعاون حاصل کرتے ہوئے اس کی جان بچائی جاسکتی ہے۔ شریعت کی زبان میں اس پہلو کو دیت سے تعبیر کیا گیا ہے اور قرآن نے اس پہلو کو اللہ کی طرف سے تخفیف اور رحمت

کہا ہے۔الغرض قصاص عدل ہے اور دیت فضل ہے۔

قصاص کی تنفیذ کا حق حکومت وقت کے ہاتھوں میں ہونے کا مطلب یہ بھی نہیں ہے کہ وہ ہر حال میں قاتل کو قصاص میں قتل ہی کر دے اور اس کے استثناء پہلو اور متبادل رخ کی طرف التفات ہی نہ کرے۔اگر سربراہ مملکت یا اصحاب حل وعقد کی کاوشوں سے دیت کے ذریعہ قاتل کی جان بچائی جاسکتی ہے تو یہ بھی اپنی جگہ ایک مستحسن اقدام ہے۔حضرت عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ نے ایسی مثال قائم کی ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ منصب خلافت پر فائز ہونے کے بعد آپ کے سامنے سب سے پہلے قصاص کا مقدمہ پیش ہوا۔اور قاتل خلیفہ سابق حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے فرزند ارجمند حضرت عبیداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ تھے۔ان کے والد ماجد حضرت عمرؓ مسجد نبوی میں نمازِ فجر کی امامت کر رہے تھے اور پہلی صف میں امام کے پیچھے ابوٹوٹو نامی شخص کھڑا ہوا تھا اس نے دفعتاً آپ کو قتل کر دیا اور صفوں کو چیرتے ہوئے فرار ہو ہی رہا تھا کہ اُسے مصلیوں نے پکڑ لیا۔جیسے ہی اس نے خود کو محبوس اور مقید دیکھا تو فوراً اپنے آپ کو قتل کر لیا۔اس واقعہ کے دو تین دن بعد حضرت عمرؓ دار فانی سے کوچ کر گئے۔ان کے صاحبزادے حضرت عبیداللہ کو بعض قرائن یا اطلاعات کی بنا پر یہ شک وشبہ پیدا ہو گیا کہ ان کے والد کے قتل میں ابوٹوٹو کے ساتھ جفینہ اور ہرمزان نامی دو آدمی بھی شریک ہیں۔حضرت عبیداللہؓ غم وغصہ،غیض وغضب اور جذبۂ انتقام سے مغلوب ہو گئے اور جفینہ اور ہرمزان کو قتل کر دیا۔قتل کی پاداش میں حضرت عبیداللہ کو گرفتار کر لیا گیا۔باپ کی شہادت کے بعد ابن شہید کے قتل کا منظر سارے صحابہ کے لئے دلی اذیت اور روحانی تکلیف کا باعث بنا ہوا تھا۔حضرت عثمان بھی اس حادثہ سے غیر معمولی متاثر تھے۔آپ نے اصحاب حل وعقد سے مشورہ کیا تو بعض نے قصاص میں قتل کرنے کی بات کہی اور بعض نے قتل کو غیر مناسب سمجھا۔

اس صورت حال کے پیش نظر حضرت عثمان نے قصاص کے بدلہ دیت کو ترجیح دی۔اور مقتولین کے ورثاء کو افہام و تفہیم کے ذریعہ بھاری رقم دیت میں دے کر رضامند کر لیا اور اپنے جیب خاص سے خون بہا ادا کیا۔آپ کے اس فیصلے سے تمام صحابہ کرام خوش ہوئے۔

تاریخ کے مطالعہ سے ایک حقیقت یہ بھی واضح ہوتی ہے کہ بے شمار انسانوں کی جانیں ضائع اور تلف ہونے کا ایک سبب حکومت کی ہوس،اقتدار کی بقا اور اس کی توسیع ہے۔ہر دور اور ہر زمانے میں جن افراد اور اشخاص نے روئے زمین

کے مختلف حصوں میں اپنی اپنی بساط سلطنت بچھائی ہے، ان کے توسیع پسندانہ عزائم اور جارحانہ اقدامات خود ہی ثبوت ہیں ۔البتہ اس سے مستثنیٰ دور وہ ہے جس میں خلفائے راشدین منصب خلافت پر فائز رہے۔

حکومت کی طرح دولت کی لوٹ کے رجحان نے بھی ہر دور مین انسانوں کی جانیں لی ہے۔حکومت ہو یا دولت، یہ دونوں ایک سکہ کے دو رخ ہیں اور یہ سکہ ہر دور میں رائج الوقت رہا ہے۔آج بھی اس کی گرم بازاری میں کساد بازاری کو جگہ نہیں مل رہی ہے۔

موجودہ زمانے میں ملکوں پر تسلط اور تصرف کی دھن اور ان ملکوں کے زیر زمین معدنیات کی دولت پر قبضہ کی حرص و ہوس نے مشرق سے لے کر مغرب تک زمین کو خون سے لالہ زار بنا دیا ہے اور قتل وخون اور لوٹ گھسوٹ کا جنون اپنی حدیں پار کر چکا ہے۔انسانوں کا خون پانی کی طرح بہہ رہا ہے۔کبھی چشم فلک نے ایسا نظارہ دیکھا تھا کہ عراق میں انسانوں کے قتل سے دریائے دجلہ کا پانی خون کی شکل میں رواں تھا۔اگر آج عراق میں انسانوں کا قتل تلواروں کے ذریعہ ہوتا تو پھر سے دریائے دجلہ کا پانی خون کی شکل میں بہنے لگتا۔

قتل وقتال کے دل سوز اور روح فرسا ماحول میں جان ونفس کی بے توقیری اور بے وقعتی کی ایک نئی صورت سامنے آگئی ہے، اور وہ یہ ہے کہ کسی انسان کا اپنے آپ کو ہلاک کر لینا اور اپنے ساتھ بے شمار بے گناہ معصوم لوگوں کو بھی ہلاک کر دینا، اور آج یہ جذبۂ فنائیت اور جوش قربانی بھی جنون کی حد کو چھو رہا ہے اور اس مین وہ افراد بھی مبتلا ہیں جن کے دین و مذہب کی یہ تعلیم ہے کہ اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔لوگوں کا خون تم پر حرام ہے۔آخرت میں نماز کے بعد سب سے پہلے لوگوں کے خون کا فیصلہ ہوگا۔ ولا تلقوا بایدیکم الیٰ التھلکة، ان دمائکم حرام علیکم، اول مایقضیٰ بین الناس فی الدماء۔

بعض اہل علم کا اجتہاد اور استنباط بھی عجیب ہے کہ ان کے نزدیک خودکشی جائز قرار پائی ہے۔اور انہوں نے بعض وطنی وقومی مفادات اور سیاسی مصالح وفوائد اور نقصانات کی بنیاد پر خودکشی کو جائز قرار دے دیا ہے۔طرفہ طرازی تو یہ رہی کہ خودکشی شہادت کا لبادہ اوڑھے ہوئے ہے اور نوجوانوں کا ایک بڑا طبقہ جذبۂ شہادت سے سرشار ہو کر اپنی گردن کٹا رہا ہے۔

دور جدید میں رائج ملکی اور غیر ملکی زبانوں کا ایک معروف لفظ ٹرریزم، آتنک واد، اور دہشت گردی ہے جس سے ماضی کے لوگ ناآشنا تھے، اس لفظ کے معنی ومفہوم، تعیین وتحدید اور تخصیص میں اختلاف ہے، آج اس لفظ کو غیر معمولی

پہچان حاصل ہو چکی ہے اور اس کی شناخت اور تعارف میں الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا کا بھی اہم کردار ہے، جس کی وجہ سے آج کا بچہ بچہ دہشت گردی کے لفظ سے آشنا ہے۔ اور اس کے مضر اور منفی اثرات نئی نسل کے دل ودماغ پر بڑی تیزی سے مرتب اور مرتسم ہو رہے ہیں۔ اور یہ دہشت گردی انسانوں کی جانوں مالوں اور عزتوں پر ایک بلائے ناگہانی کی صورت میں نازل ہو رہی ہے۔ اس کے خاتمہ اور انسداد کی مختلف شکلیں اور صورتیں سامنے آرہی ہیں، لیکن مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی مصداق، کے دہشت گردی جوان ہی ہوتی جارہی ہے، اور زمین خون میں نہا رہی ہے۔ جسے دیکھ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک پیشن گوئی یاد آجاتی ہے، جس میں کہا گیا ہے کہ دنیا ایک ایسے دور میں قدم رکھے گی جو اسکا اختتامی دور ہوگا اس میں قتل وقتال کی کثرت ہوگی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث جس کی روایت سیدنا جندب نے کی ہے۔ اس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے قیامت کے دن مقتول اپنے قاتل کا ہاتھ پکڑے ہوئے اللہ کے حضور آئے گا، اور عرض کرے گا اے پروردگار اس سے پوچھئے کہ اس نے مجھے کیوں قتل کیا؟ قاتل کہے گا میں اس آدمی کو فلاں شخص کی مدد اور اس کی حکومت کے قیام واستحکام کے لئے قتل کیا ہے۔ فرمایا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے قتل سے بچو کیونکہ ایسا خون معاف نہیں کیا جائے گا۔

الغرض دہشت گردی خون کی ایک ہولی ہے جو انسانیت سے خالی اغراض اور آدمیت سے عاری مقاصد کے تحت دنیا میں کھیلی جاری ہے۔ دہشت گردی اور دہشت گرد کا کوئی مذہب نہیں، اور یہ حقیقت ہے کہ کسی مذہب میں بھی بلا کسی حقیقی اور معقول سبب کے آدمی کے قتل کا جواز نہیں ہے۔

تاریخ دہرائی جاتی ہے اس مقولہ کی واقعیت اور صداقت موجودہ زمانے میں نمایاں ہو رہی ہے اور وہ یہ ہے کہ آج کے دور میں جو لڑائیاں اور خون ریزیاں ہو رہی ہیں ان کا ایک سبب تعصب بھی ہے تعصب زمانۂ جاہلیت کی چیز ہے۔ نبی کریمؐ نے اس کا قلع قمع کیا اور اپنے محبین کو سخت تاکید اور تہدید فرمائی کہ اس بدبودار درخت کو اسلام کی زمین پر اگنے نہ دینا۔ نبی کریمؐ کی حیات مبارکہ میں ایک جنگ کے موقع پر ایک مہاجر اور ایک انصاری کے درمیان کسی بات پر بحث وتکرار ہوگئی۔ پھر یہ تکرار سخت کلامی میں تبدیل ہوگئی، پھر دونوں لڑنے جھگڑنے کے قریب ہوگئے اور انصاری شخص نے انصاریوں کو اپنی مدد کے لئے پکارا، اور مہاجر شخص نے مہاجرین کو اپنی مدد کے لئے آواز دی۔ مہاجرین اور انصار دونوں اپنے اپنے

آدمی کی حمایت اور نصرت کے لئے آپہنچے، اس صورت حال کی اطلاع نبی کریم کو ہوئی تو آپ فوراً لوگوں کے درمیان آپہنچے اور فرمایا یہ کیا جہالت اور جاہلیت ہے کہ لوگ اپنے اپنے آدمی کی حمایت میں اٹھ کھڑے ہو جائیں ان کو تو چاہئے تھا کہ اس بات کی تحقیق کرتے کہ ان دونوں میں سے کون خطا کار ہے اور کون بے خطا ہے۔ اور بے خطا آدمی کی نصرت وحمایت کرنی چاہیئے خواہ وہ انصاری ہو یا مہاجر۔

تعصب وتشدد، قتل وقتال اور بدلہ وانتقام سے اسلام اور سیدنا محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا دور سے بھی واسطہ نہیں۔ آپؐ نے جاہلیت کے قتلوں کے تمام جھگڑوں کو ختم کردیا۔ دماء الجاهلية موضوعة۔ یہ آواز ایک ایسی سوسائٹی میں بلند ہوئی جس میں خون کا بدلہ لینا ایک ضروری حق اور فرض عین کا درجہ رکھتا ہے۔ آپ نے صاف لفظوں میں کہہ دیا۔ پہلا خون جو میرے خاندان کا ہے، میں چھوڑ دیتا ہوں۔ اس خون کا پس منظر یہ تھا کہ ابن ربیعہ بن حارث جو قبیلہ بنو سعد میں دودھ پیتا تھا، اسے ہذیل نے قتل کردیا تھا، اور آنحضرت کو اس خون کے بدلہ کا پورا حق حاصل تھا، لیکن آپ نے بدلہ نہیں لیا، معاف کردیا اور ربیعہ کے خون کے ساتھ جاہلیت کے سارے خون کے مطالبے اور معاملے باطل اور کالعدم قرار دئے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں بھی مسلمانوں کو قتل نفس اور باہمی قتال سے باز رہنے کی وصیت فرمائی۔ ان دمائكم واموالكم واعراضكم حرام عليكم كحرمة يوم هذا۔ لوگو! جس طرح آج کے دن تمہارے خون، اموال اور عزتیں حرام ہیں اسی طرح قیامت تک حرام ہیں۔ خبردار! ایک دوسرے کی گردن نہ مارنے لگ جانا۔

تعصب کی ہولناکی اور اس کی اخروی تباہی کا اندازہ اس حدیث سے لگایا جا سکتا ہے جس مین آپ نے فرمایا۔ جو کوئی لوگوں کو تعصب پر ابھارے اور آمادہ کرے یا تعصب کی بنا پر غصہ بھی کرے تو وہ جاہلیت کی موت مرا (ابن ماجہ)

ایک مومن کا حقیقی اور ابدی سرمایہ وپونجی، اسلام وایمان پر خاتمہ ہے۔ تعصب ایسی بری بلا ہے کہ جو ایک مومن کے سرمایہ نجات ہی کو اڑا لے جاتی ہے۔

مذکورہ حدیث سے متعلق حضرت فسیلہ کے والد کے دل میں ایک خیال گزرا تو انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا۔ اللہ کے رسولؐ! کیا اپنی قوم کے ساتھ محبت رکھنا تعصب ہے؟ آپؐ نے فرمایا نہیں! ظلم میں اپنی قوم کی مدد کرنا یہ تعصب ہے۔

موجودہ زمانے کا یہ عظیم سانحہ اور المیہ ہے کہ مسلمانوں کے مختلف خاندانوں، برادریوں، جماعتوں، مملکتوں اور ملکوں میں تعصب بڑی تیزی اور خاموشی کے ساتھ پھیلتا جا رہا ہے۔ جسکے اثرات سے امت مسلمہ اور ملت عربیہ کی شیرازہ بندی دم توڑ رہی ہے۔ قرآن کریم نے تو یہ پیغام دیا ہے۔ تعاونوا علی البر والتقویٰ ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان۔ نیکی اور خیر کے معاملات میں ہر کسی کا ساتھ دو، برائی اور شر کے معاملات میں کسی کا ساتھ نہ دو۔ اس طرح اسلام میں ہر نیکی میں تعاون اور ہر بدی مین عدم تعاون کا حکم ہے۔ گناہ اور ظلم کے معاملہ میں اپنا عزیز اور اپنا ہی خون کیوں نہ ہو، تعاون کی گنجائش نہیں۔ نیکی اور فلاح کے معاملہ میں اپنا دشمن ہی کیوں نہ ہو تعاون کی گنجائش ہے۔ اسلام میں اس فکر کے لئے کوئی جگہ نہیں، مجھے اپنی قوم کی حمایت کرنی چاہئے خواہ وہ نیکی پر قائم ہو یا ظلم پر قائم رہے۔

ایک موقعہ پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ظالم شخص کی مدد کرنے کی تاکید فرمائی تو سب کو بڑا تعجب ہوا، اور آپؐ سے پوچھا، ظالم کی مدد کیونکر کی جاسکتی ہے تو آپ نے جواب دیا ظالم شخص کو ظلم کرنے سے منع کرنا اور اسے روکنا ہی اس کے حق میں بہت بڑی مدد ہے۔ اور اس میں ظالم کی دنیا سے کہیں زیادہ اس کی آخرت میں مدد ہے۔ اگر وہ کسی کے افہام وتفہیم اور اس کے اثر ورسوخ سے ظلم کرنے سے بچ جائے تو وہ آخرت میں اس ظلم کے مواخذہ اور حساب سے محفوظ ہو جائے گا۔ ورنہ آخرت میں یہ ظلم اس کے حق میں ظلمات بن جائے گا۔ سماج میں ظلم اور گناہ کو دیکھتے ہوئے لوگوں کا خاموشی اور چشم پوشی سے کام لینا بھی انسانیت اور اخلاقیات کے زوال کی نشانی ہے۔ اسی لئے نبی کریمؐ نے ظالم اور مظلوم دونوں کی مدد کرنے کی ہدایت دی۔ انصر اخاک ظالماً او مظلوماً۔

قتل کی روک تھام، ظلم کی روک تھام میں پوشیدہ ہے کسی بھی سماج میں ظلم کے بطن سے قتل کی آنکھیں کھلتی ہیں۔ سماج سے ظلم ختم ہو جائے تو قتل کی راہ بھی مسدود ہو جاتی ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مومن کی جان کی عظمت وفضیلت کو ان لفظوں میں بیان فرمایا۔ والذی نفس بیدی لقتل مومن اعظم عنداللہ من زوال الدنیا۔ اللہ کے نزدیک ایک مومن کی جان تلف ہونے کے مقابلہ میں ساری دنیا کا زوال چنداں وقعت اور اہمیت نہیں رکھتا۔ آپؐ نے مومن کے قتل کو کفر قرار دیا گویا مومن کی جان لینا خود کو اسلام سے خارج کر لینے کے مترادف ہوگا۔ سباب المومن فسق وقتالہ کفر۔ مومن کو گالی دینا فسق ہے اور اس کا قتل کفر ہے۔

حجۃ الوداع کا خطبہ نبی کریمؐ کے کلیدی اور بنیادی واصولی خطبات میں سے ایک اہم ترین خطبہ ہے جس میں آپ نے بڑی دل سوزی اور دردمندی کے ساتھ فرمایا۔لوگوں میرے دنیا سے چلے جانے کے بعد گمراہ نہ ہوجانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں کاٹنے لگ جاؤ۔حیات مبارکہ کی آخری ساعتوں میں یہ بات ارشاد فرمائی لوگو! مجھے اس بات کا خوف اور اندیشہ نہیں ہے کہ تم میرے بعد شرک میں مبتلا ہوجاؤ گے لیکن ڈر اس بات کا ہے کہ تم منافست نہ کرنے لگو۔منافست کے معنی ہے ،ایک دوسرے سے آگے بڑھ نکلنے کی کوشش کرنا۔یہ مسابقت علمی وعملی اور دینی میدان میں ہو تو نہایت مفید ہے۔لیکن ایک دوسرے کو نیچا دکھانے میں اور ایک دوسرے کو پیچھے ڈالنے میں اور ایک دوسرے کی ٹانگ کھینچنے میں ہو تو اس مسابقت سے باہمی قتل وخون کا بازار گرم ہوجائے گا اسی لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے منافست سے خوف ظاہر فرمایا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظروں مین ایک انسان کی زندگی کی قدر وقیمت کس قدر ہے اس واقعہ سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔آپؐ ایک راستہ سے گزرے تو ایک شخص کی لاش نظر آئی۔جس کے قاتل کا نام ونشان نہ تھا۔اس منظر سے آپ کو انتہائی صدمہ اور رنج ہوا۔آپؐ نے اپنے خطبہ میں یہ بات کہی۔لوگو! یہ انتہائی حیرت کی بات ہے کہ میرے ہوتے ہوئے ایک شخص قتل کیا جائے اور اسکا قاتل نامعلوم ہو۔یاد رکھو ایک انسان کے قتل پر اگر زمین وآسمان کی ساری مخلوق بھی متفق ہوجائے تو اللہ تعالیٰ ان سب کو سزا دئے بغیر نہیں چھوڑے گا۔

اس مقام پر یہ وضاحت بھی موضوع سے موزوں نظر آتی ہے کہ اسلام میں قتال اور جنگ کا جواز موجود ہے اور یہ اجازت کفار ومشرکین کی جانب سے مسلمانوں پر جارحانہ حملہ کی صورت میں ہے، چنانچہ اسلام میں پہلی مرتبہ مسلمانوں کو جنگ کی جو اجازت دی گئی ہے وہ مدافعت کی صورت میں ہے۔۶۱۰ء میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہم وطنوں مکۃ المکرّمہ کے باشندوں کو ایک دستور حیات اور ضابطۂ زندگی قبول کرنے کی دعوت دی۔یہ وہ زمانہ تھا جس میں سرزمین عرب میں قتل وقتال اور خون ریزی شباب پر تھی۔لوگوں کو آپؐ نے انسانیت کے احترام اور آدمیت کے اکرام کی تعلیم دی اور انسانوں کے مال واسباب،عزت وآبرو اور جان کی حفاظت کی تاکید فرمائی۔اور مختلف خداؤں کے مقابلہ میں ایک خدا کی عبادت کی ہدایت جو اس دنیا کا خالق ومالک اور مدبر ومتصرف ہے۔آپ کے اس پیغام کو ان لوگوں نے قبول کرلیا جن کی فطرت میں صالحیت تھی اور ان لوگوں نے انکار کیا جن کی طبیعت میں جاہلیت وجہالت رچ بس گئی تھی۔یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے آپؐ کی مخالفت کی آپ اور آپ کے متبعین پر ظلم وستم کے پہاڑ ڈھائے۔آپ اور آپ کے خاندان کا سوشیل

بائیکاٹ کیا اور آپ کے قتل کی سازشیں رچائی۔ ان حالات سے متاثر ہو کر بادل نخواستہ مسلمانوں کی ایک مختصر جماعت حبشہ چلی گئی۔ پھر بھی دشمنوں نے ان کا پیچھا نہیں چھوڑا، حبشہ پہنچے، وہاں کے عیسائی حکمران نجاشی سے ملاقات کی۔ پناہ گزینوں کے خلاف بادشاہ کے کان بھرے۔ نجاشی ایک منصف مزاج اور انسانیت کی حامی فرماں روا تھا۔ اس نے ایک نہ سنی، کفار مکہ حبشہ سے ناکام ونامراد لوٹ آئے۔ الٹی ہوگئی ان کی تمام تدبیریں اور کوششیں تو وہ پھر سے نبی کریمؐ اور مکہ میں موجود مسلمانوں کو بے حد ستانا شروع کر دیا یہاں تک کہ نبی کریمؐ کی شہریت ختم کر دی اور آپؐ کو اپنے ہی وطن میں قبائلی قانون کے مطابق کسی کی امان میں مکہ کے اندر رہنے کی اجازت ملی۔ آپ اور آپ کے اصحاب تیرہ سال تک مختلف تکلیفوں اور مصیبتوں کو چپ چاپ سہتے رہے۔ اور صبر و اعراض سے کام لیتے رہے اور کسی قسم کی انتقامی کاروائی نہیں کی۔ آخر کار اپنے پیدائشی شہر مکہ مکرمہ چھوڑ کر مدینہ منورہ چلے گئے اور آپ کے ہمراہ مکہ مکرمہ کے مسلمان باشندوں نے بھی ہجرت کی۔ مدینہ پہنچنے کے بعد بھی دشمنوں نے نبی کریمؐ اور آپ کے اصحاب کی مخالفت اور دشمنی نہیں چھوڑی۔ مدینہ کی مقامی آبادی کو مسلمانوں کے خلاف ورغلایا اور اکسایا اور ان تمام کو شہر سے نکال دینے پر دباؤ ڈالا۔ اور جب کسی طرح کامیابی و کامرانی نہیں ملی تو ایک ہزار کا لشکر جرار لئے ہوئے مدینہ منورہ کی طرف چل پڑے اور جنگ کا طبل بجا دیا۔ اب مسلمانوں کو حملہ آوروں سے مقابلہ کے سوا کوئی اور راہ نہ تھی، چنانچہ نبی کریمؐ نے اپنے ہمراہ صرف تین سو تیرہ مکہ اور مدینہ کے مسلمانوں کو لئے ہوئے مقامِ بدر جا پہنچے اور ایک ہزار افراد کے ساتھ جنگ کی۔ اس جنگ کی اجازت وحی آسمانی نے ان لفظوں میں دی ہے۔ اذن للذین یقاتلون بانھم ظلموا۔　اس آیت میں صراحت ہے کہ ان لوگوں کو جہاد کی اجازت دی گئی ہے جن سے ناحق جنگ کی جارہی ہے۔ اس وجہ سے کہ ان پر ظلم ہوا۔

یہ آیت اس حقیقت کی غماز اور ترجمان ہے کہ یہ جنگ مدافعانہ تھی، جارحانہ نہیں۔ اس جنگ کے بعد نبی کریمؐ نے بنفس نفیس چھ سات سال کے عرصہ میں بائیس جنگیں لڑیں، اور اس مدت میں ناپسندیدہ ناگوار اور سخت ترین شرطوں کے ساتھ دشمنوں کے ساتھ دس سال تک ناجنگ معاہدہ کیا لیکن صرف دو سال کے اندر ہی اندر خود دشمنوں نے معاہدہ توڑ دیا اسلامی تاریخ مین اس معاہدہ کو صلح حدیبیہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ نبی کریمؐ نے تاریخ میں پہلی مرتبہ دشمنوں کے ساتھ صلح کر کے ایک نئی اور انوکھی مثال قائم کر دی اور دنیا کی قوموں اور ملکوں کے سامنے ایک شاہ راہ متعین کر دی اور دنیا کو اس حقیقت سے آگاہ کیا کہ مشکلات اور مسائل کا حل صرف جنگوں میں نہیں ہیں، باہمی گفت وشنید اور صلح و مصالحت کے ذریعہ

سخت ترین الجھنوں اور مشکلوں کو بھی دور کیا جا سکتا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ جنگ ایک عارضی اور وقتی چیز ہوا کرتی ہے لیکن وہ اپنے دامن میں تخریب کے مختلف اور معتدد پہلو رکھتی ہے جس کے اثرات صدیوں پھیل جاتے ہیں، اور اس کے برعکس صلح اپنے دامن میں گونا گوں تعمیری پہلو رکھتی ہے اور وہ دائمی ہو سکتی ہے بشرطیکہ فریقین اور طرفین کے دلوں میں قیام امن کا سچا جذبہ موجزن رہے ورنہ معاہدات چشم زدن میں ٹوٹ جاتے ہیں۔ اس صلح حدیبیہ کی بدولت نبی کریمؐ کو دو سال کی مدت ملی جس میں آپ کو ہر طرح کی آزادی اور امن وامان حاصل رہا اور دشمنوں کی جانب سے کسی قسم کی سازشوں فتنوں اور حملوں کا خوف اور خدشہ نہ رہا۔ صلح کے باب میں بعض صحابہ کرام کی جانب سے دل شکستگی وافسردگی اور ناپسندیدگی سامنے آئی تو آپؐ نے فرمایا یہ صلح فتح مبین ہے چنانچہ دو سال گزرنے کے بعد حضرات صحابہ نے اس عظیم الشان فتح مبین کو بچشم خود مشاہدہ کیا۔ یہ فتح امن اور صلح کی جلو میں آپہنچی، مورخین نے لکھا ہے کہ نبی کریمؐ کو صلح کی دو سالہ معیاد میں جو مواقع وفتوحات اور کامیابیاں وکامرانیاں حاصل ہوئیں وہ اسکے قبل دودھوں میں فراہم نہ ہوسکیں۔

نبی کریمؐ نے جن اصولوں، ضابطوں اور شرطوں کے ساتھ جیسی جنگیں لڑیں ہیں ان کی نظیر اور مثیل تاریخ پیش کرنے سے قاصر ہے۔ اسلام میں جن لڑائیوں کو جہاد کا نام دیا گیا ہے اور جس نقطۂ نظر سے وہ لڑی گئی ہیں۔ یہ ان جنگوں سے بالکل مختلف ومتضاد ہیں، جو تاریخ کے مختلف ادوار میں نشۂ قوت سے سرشار اصحاب اقتدار نے روئے زمین پر لڑی ہیں۔ ارباب فکر ونظر سے یہ حقیقت ڈھکی چھپی نہیں ہے کہ اسلامی اور غیر اسلامی جنگیں مقاصد ومفادات، فوائد ونقصانات اور نتائج کے اعتبار سے ایک دوسرے سے الگ الگ ہیں۔ نبی کریمؐ اور آپ کے اصحاب نے جنگ کے باب میں جن امور اور اصولوں کو اپنے پیش نظر رکھا اس کی ایک ہلکی سی جھلک ملاحظہ کیجئے۔

جنگ میں پہل نہ کی جائے، صلح کو ترجیح اور فوقیت دی جائے، مال ودولت، عزت وآبرو اور جان ونفس کے تحفظ کے لئے جنگ کی جائے، جنگ فتنہ وفساد اور شر کے خاتمہ کے لئے کی جائے۔ جنگ میں بوڑھے ضعیف لوگوں، بیماروں، عورتوں، بچوں اور معذوروں کو قتل نہ کیا جائے، اور جو لوگ جنگ میں براہ راست شریک نہ ہوان کو قتل نہ کیا جائے، جنگ میں جو ہتھیار ڈال دے اس کو قتل نہ کیا جائے۔ جو لوگ میدانِ جنگ سے فرار ہو جائیں ان کا تعاقب نہ کیا جائے۔ غیر مسلموں کی عبادت گاہوں کو منہدم نہ کیا جائے، ان میں موجود عابدوں اور راہبوں پر دست درازی نہ کی جائے۔ آبادیوں پر حملہ نہ کئے جائیں، سرسبز درختوں کو کاٹا نہ جائے، غیر مسلموں کے ساتھ معاہدات ہوں تو ان سے جنگ

نہ کی جائے۔قیدیوں کو قتل نہ کیا جائے اوران کے ساتھ حسن سلوک کیا جائے،فدیہ وغیرہ کے عوض ان کو رہا کردیا جائے،غیر مسلموں کو اسلام کی دعوت دینے میں سختی نہ کی جائے اوران کو اسلام کی انسانیت نواز تعلیمات سے روشناس اور آگاہ کیا جائے،اگر وہ اسلام قبول نہ کریں تو ذمی کی حیثیت سے مسلم آبادی میں سکونت ورہائش کا حق دیا جائے اوران سے ان کی حسب استطاعت جزیہ لیا جائے اوراس جزیہ کے بدلہ میں غیر مسلموں کی جان ومال،عزت وآبرواوران کی عبادت گاہوں کی پوری پوری حفاظت کی جائے،اوران کوان کے مذہب وعقیدہ اورسوم وعادات پرعمل پیرانہ ہونے کی مکمل آزادی اورخود مختاری دی جائے۔اوراگرکوئی فرد یا جماعت ذمی حیثیت بھی قبول کرنے پرآمادہ نہ ہو بلکہ لڑائی پرتل جائے تو ان کے ساتھ جنگ کی جائے۔

اسلام اورمسلمانوں کے تعلق سے یہ بھی ایک عجیب وغریب ستم ظریفی ہے کہ سادہ لوح اشخاص ہی نہیں بلکہ اصحاب مطالعہ ارباب فکر کی توجہات بھی جہاد کے متعدد معنوں اور پہلوؤں کی طرف منعطف نہیں ہورہی ہےاوروہ بھی ہرطرح کی خون ریزی وغارت گری اوردہشت گردی کو جہاد کا عنوان دے رہے ہیں۔جہاد صرف قتال کے معنی ومفہوم میں محدوداور منحصر نہیں ہے بلکہ نفس کے ساتھ مقابلہ آرائی کو جہاد کہا گیا ہے۔اسی طرح شیطان کے ساتھ مقابلہ کرنے کو جہاد کہا گیا ہے اور ہرنیکی وخیراورفلاح وبہبودی کے کاموں میں جدوجہد کرنے کو بھی جہاد کہا گیا ہے۔ایک بڑی مشہور حدیث ہے جس میں نفس کے ساتھ مقابلہ کرنے اوراس کے مکروفریب سے محفوظ رہنے کی کوشش کو بڑا جہاد قرار دیا ہےاورانسانوں کے ساتھ لڑائی کو چھوٹا جہاد کہا گیا ہے۔رجعنا من الجهاد الاصغر الى الجهاد الاكبر۔

جہاد قتال کے معنی میں بھی ہےاور یہ اپنے اندر دفاعی نوعیت رکھتا ہے۔جب کوئی جماعت اورقوم حرب اورضرب ہی پرتلی ہوئی ہواورآمادہ برسرپیکار ہوتو جہاد ایک ناگزیر مدافعانہ صورت حال ہے نہ کہ جارحانہ اقدام۔علاوہ ازیں جہاد اسلامی مملکت کے سربراہ اورخلیفہ کے حکم واجازت کے ساتھ ایک منظم طریقہ پرکیا جاتا ہےاوراس کا تعلق مجلس شوریٰ اورسرکاری نظم ونسق کے ساتھ جڑا ہوا ہےاور یہ کوئی شخصی اورانفرادی مسئلہ نہیں ہے کہ ہرکس وناکس جہاد کا اعلان کردے۔جہاد کی غرض اورغایت کی وضاحت ایک حدیث مین اس طرح ملتی ہے جس کی روایت عبداللہ بن مسعود نے کی ہے۔نبی کریمؐ نے فرمایا قیامت کے دن ایک شخص دوسرے شخص کا ہاتھ پکڑے ہوئے لے آئے گا،اوراللہ تعالیٰ سے عرض کرے گا،اے پروردگار اس شخص نے مجھے قتل کیا ہے،اللہ تعالیٰ قاتل سے پوچھے گا تونے اسے کیوں قتل کیا؟۔وہ کہے گا اے اللہ میں اس کو تیرے نام

کی سربلندی کے لئے قتل کیا تھا تا کہ تیری عزت ہو۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا، بے شک عزت میرے لئے ہے، پھر ایک شخص دوسرے شخص کا ہاتھ پکڑے لے آئے گا اور عرض کرے گا، اے پروردگار اس نے مجھے قتل کیا تھا، اللہ تعالیٰ قاتل سے پوچھے گا ،تو نے اسے کیوں قتل کیا تھا، وہ کہے گا میں نے اسے فلاں بادشاہ کی حکومت وسلطنت کو قائم کرنے کے لئے قتل کیا تھا، اللہ فرمائے گا فلاں کے لئے عزت نہیں۔ اس کے بعد قاتل پر مقتول کے سارے گناہ ڈال دئے جائیں گے۔

یہ ایک دینی وشرعی پہلو ہے کہ ہر نیک کام کی صحت آدمی کی نیت پر موقوف ہے۔ اگر آدمی اچھے اور نیک کام میں بھی اخلاص کو جگہ نہ دے تو یہ نیک کام بے فائدہ اور بے اجر وثواب کا مستحق بن جاتا ہے۔ چنانچہ جہاد جیسی عظیم نیکی بھی آخرت میں کس قدر نقصان وخسران کا باعث بن جاتی ہے اس کا اندازہ اس حدیث سے لگایا جاسکتا ہے۔

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ایک مجاہد کو دوزخ مین ڈال دینے کا حکم صادر فرماتے ہیں تو وہ عرض کرے گا، اے پروردگار میں نے تیرے نام اور تیری عزت کی سربلندی کے لئے جنگ کی تھی، اللہ فرمائے گا نہیں نہیں تم نے اپنی بہادری کا مظاہرہ کرنے اپنی شجاعت کے اظہار کے لئے جنگ کی تھی، یہ ناموری اور عزت تو تمہیں دنیا مین دے دی گئی۔

اسلام کی عالمگیر پیمانے پر نشر واشاعت اور مقبولیت، تاریخی وعلمی اور تحقیقی طور پر ایک ثابت شدہ اور مسلم حقیقت ہے اور یہ بات بھی اظہر من الشمس ہے کہ ہر دور اور ہر زمانے میں انسانوں کی اکثریت اسلام کی طرف کشاں کشاں اور خوشی خوشی چلے آنے کا واحد سبب سیدنا محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن اخلاق اور حسن تعلیمات تھیں۔ آپؐ کے بعد بھی تسلسل اور تواتر کے ساتھ اسلام کی جو اشاعت ہوتے آرہی ہے وہ بھی ان نفوس قدسیہ کی رہین منت ہے، جو اخلاقِ محمدی کا پیکر اور تعلیماتِ نبویؐ کا مجسم رہی ہیں، اور آج کے دور میں بھی یورپ اور امریکہ اور مغربی ملکوں میں جس تیزی کے ساتھ اسلام پھیل رہا ہے، وہ کسی جبر وتشدد اور مادی قوت وطاقت کے بل بوتے پر نہیں، بلکہ اس کی انوکھی تعلیمات کی وجہ سے ہے، جو انسانی فطرت کے ساتھ مناسبت اور موافقت رکھتی ہیں، اور یہ حقیقت ہے کہ اسلام فطرت ہے اور فطرت اسلام ہے، اور آج جدید سائنس کے ذریعہ سے یہ حقیقت دنیا پر نمایاں اور آشکار ہورہی ہے، اور یہ حقیقت اربابِ علم اور اصحابِ مشاہدہ سے چھپی نہیں ہے، لیکن بڑی حیرت کی بات ہے کہ اسلامی تعلیمات کی خوبیاں سائنسی مطالعہ وتجزیہ اور مشاہدہ وتحقیق کی روشنی میں نمایاں ہونے کے باوجود اشاعت اسلام سے متعلق یہ قدیم بے اصل بے بنیاد اور غیر علمی وغیر تحقیقی الزام دھرایا جاتا ہے کہ اسلام قتل وقتال اور جبر وتشدد کے ذریعہ پھیلا۔ اس الزام وتہمت کی تردید مختلف ومعتمد اسلامی اور غیر اسلامی

محققین نے کی۔اس بات کی نفی کے لئے ہمارے ملک ہندوستان کی مثال کافی ہے۔اس ملک پر مسلمانوں نے صدیوں تک حکومت کی،اگر یہ حکومتیں جبر وتشدد اور قوت وطاقت کے ذریعہ یہاں کے لوگوں کو مسلمان بنادی ہوتی تو آج ایک آدمی بھی غیر مسلم نہیں رہتا۔اور یہ ایک معلوم اور معروف حقیقت ہے کہ یہاں کے مسلم حکمرانوں نے ہندوستان کو سیکولر بنیادوں پر آگے بڑھایا ہے۔اور ملک کے سارے طبقوں، ذاتوں، برادریوں کو پوری پوری مذہبی آزادی دے رکھی تھی۔اس کا اثر اور نتیجہ ہے کہ آج بھی یہاں کے مسلمانوں اور غیر مسلموں کی وطنیت اور قومیت متحد ہے،اور دونوں کے مذاہب مختلف ہیں اور مختلف مذاہب کے یہ متبعین صدیوں سے سرزمین ہند کے اوپر مل جھل کر زندگی بسر کر رہے ہیں اور آج بھی یہ متحدہ بوقلمون کلچر زندہ ہے۔یہ ایک ایسی انوکھی مثال ہے جو دنیا کے کسی ملک مین نہیں مل سکتی۔

اس ملک کے مسلم حکمرانوں میں ایک حکمران محمد بن قاسم ہیں، جن کو تاریخ میں فاتح سندھ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔مورخین نے اس حکمران کو نوشیروانِ عادل کا ثانی قرار دیا ہے۔اور اس فاتح کی رعایا پروری وعدل گستری اور انسان نوازی ومذاہب پروری ایک مثالی نوعیت رکھتی ہے۔محمد بن قاسم نے ہندوستانی تاریخ کے ایک ایسے دور میں سرزمین سندھ پر اپنا قدم رکھا جس میں ہندوؤں کے اندر طبقاتی ذہنیت اور حقارت موجود تھی۔ایک ہی مذہب کے متبعین کے اندر اونچ نیچ اور اعلیٰ اور ادنیٰ کا فرق بڑی شدت کے ساتھ پایا جاتا تھا یہاں تک کہ بعض لوگوں کو عبادت گاہوں کے اندر داخلہ کی اجازت نہ تھی۔اس غیر اخلاقی، غیر علمی،اور غیر انسانی فضا میں محمد بن قاسم نے لوگوں کو انسانیت کی تعلیم دی اور مذہبی رواداری اور باہمی محبت اور الفت کا پیغام دیا تو لوگ اس حکمران سے اس قدر متاثر اور مانوس ہو چکے کہ اس کے دین و مذہب کو قبول کر لیا اور کچھ لوگ اپنے آبا واجداد کے مذہب وعقیدہ پر قائم رہے۔لیکن یہ لوگ بھی اس حکمران کے اخلاقی رویہ اور حسن سلوک سے غیر معمولی متاثر تھے۔اور دل وجان سے محمد بن قاسم کو چاہتے تھے۔کچھ مدت گزری تھی کہ محمد بن قاسم کو دمشق واپس آنے کا حکم ملا۔انہوں نے جب اپنا رختِ سفر باندھا تو اس خبر سے ساری رعایا بے چین اور مضطرب ہو گئی۔وہ اپنے عادل فرمارواکو اپنے سے دور ہوتا دیکھنا پسند نہیں کر رہے تھے۔محمد بن قاسم جب اپنے وطن دمشق کے لئے روانہ ہوئے تو سارے سندھ مین صفِ ماتم بچھ گئی۔اور جوان، بوڑھے،عورتیں اور بچے دھاڑیں مار مار کر رونے لگے اور اس غیر مسلم رعایا کی محبت وعقیدت کا یہ عالم تھا کہ انہوں نے فاتح سندھ کا مجسمہ بنادیا اور اس کی پوجا پاٹ شروع کر دی تھی۔

اسی سرزمین ہند کی خاک سے اٹھنے والی بعض ایسی بھی شخصیتیں ہیں جو دائرہ اسلام سے خارج تھیں لیکن انہوں نے

غیر متعصّبانہ ذہن ودل کے ساتھ اسلام اور سیرت طیبہ کا مطالعہ کیا تو پوری وسعت قلبی اور کشادہ ذہنی کے ساتھ اسلام اور پیغمبر اسلام کی عظمت وفضیلت اور قدر وقیمت کا اعتراف واقرار کیا۔ یہاں ماضی قریب سے صرف دو مصلحین ومفکرین کے فکر وخیال کو قرطاس وقلم کے حوالے کیا جا رہا ہے شاید کہ کسی دل میں اتر جائے ان کی یہ بات۔

سوامی ویویکانندا لکھتے ہیں: پیغمبر مساوات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، تم پوچھتے ہو کیا ان کا مذہب اچھا ہے۔ اگر ان کا مذہب اچھا نہ ہوتا تو پھر وہ کیسے زندہ رہتے، صرف اچھے اور نیک انسان ہی کو حیاتِ دوام ملتی ہے۔ برے انسان کی زندگی کبھی طویل نہیں ہوتی۔ نیک انسان لافانی اسلیئے ہے کہ اس میں تقدس اور صداقت کا جوہر پوشیدہ ہوتا ہے۔ اسلام میں اگر اچھائی اور خوبی نہ ہوتی تو وہ ایک دن بھی قائم نہ رہتا۔ اس مذہب میں بے شمار خوبیاں ہیں۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم مساوات اور انسانیت اور اخوت کے علمبردار ہیں۔

مہاتما گاندھی کہتے ہیں: میں پورے یقین اور وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں اسلام نے بزورِ شمشیر سرفرازی وسربلندی حاصل نہیں کی بلکہ اس کی بنیاد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا خلوص، خودی پر آپ کا غلبہ، وعدوں کا پاس ولحاظ، غلام اور دوست و احباب کے ساتھ یکساں محبت والفت، آپ کی جرأت اور بے خوفی، اللہ تعالیٰ اور خود پر یقین جیسے اوصاف ہیں۔

(اسلام اور انسانیت، از: مولانا محمد فصیح الدین حیدرآبادی، رسالہ صوفی اعظم، ۲۷ر جون ۲۰۱۵ء)

آمدم برسرِ اختتام!

قتل وقتال، خون ریزی وغارت گری، ظلم وجور، اونچ نیچ، کم تر و برتر، تعصب وتفرقہ، فتنہ وفساد، لوٹ گھسوٹ، جہالت وجاہلیت، جیسی چیزوں سے اسلام اور پیغمبر اسلام سیدنا محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دور دور کا بھی واسطہ نہیں۔ بلکہ سیدنا محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا میں آنے کا مقصد علم اور اخلاق ہے۔ بعثت معلماً بعثت لا تمم مکارم الاخلاق۔ اور آپ کی بعثت ہی اس غرض کے تحت ہوئی ہے کہ آپ دنیا جہاں کے سارے انسانوں کو ایمانیات اور اخلاقیات سے آراستہ وپیراستہ کرے ولو بالغرض اسلام سے وابستہ اور منسلک بعض افراد اور اشخاص کی فکر اور عمل کی وجہ سے تعلیماتِ اسلامی اور اخلاقیات محمدی کے آبگینے چور ہو جائیں تو یہ ایک قابل افسوس اور لائق تردید پہلو ہے۔ لہٰذا اس ناخوشگوار اور ناپسندیدہ رخ کی طرف دیکھتے ہوئے اسی کو اسلام کی تصویر قرار دینا ایک مبنی بر تعصب موقف ہوگا۔

واخر دعونا ان الحمد للہ رب العالمین۔

جواھر الحدیث

عورت قبل از اسلام

مولوی حافظ ڈاکٹر ابوالنعمان بشیر الحق قریشی

یم اے پی ایچ ڈی

استاذ دارالعلوم لطیفیہ ویلور

عرب جاہلیت کے دور میں عورت کی زندگی کے مختلف پہلوؤں اور گوشوں کے مطالعہ اور تجزیہ کے لئے تاریخی ماخذات اور مراجع کے مقابلہ میں ایک مستند ماخذ اور مرجع قرآن کریم اور احادیث نبویؐ ہیں۔قرآن کریم آسمانی والہامی کتابوں میں تکمیلی اور آخری صحیفہ ہےاوراسی کے ساتھ زمین کا آسمان سے رابطہ بھی ہمیشہ کے لئے منقطع ہوگیا۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد ا۵۷ء میں دور جاہلیت میں ہوئی ،اور اس عہد کی سماجی ،معاشرتی ،تہذیبی ،تمدنی ،مذہبی اور اخلاقی خرابیوں اور خامیوں کا ایک واضح اور مکمل نقشہ آپ کی نگاہوں کے سامنے رہا جس میں عورت اور اس سے متعلق امور و مسائل بھی شامل تھے۔ یہاں کتاب وسنت کے حوالے سے عورت کی زندگی کے بعض پہلوؤں کی نشاندھی کی جاتی ہے جن کو قرآن اور احادیث نے محفوظ رکھا ہے۔عرب معاشرہ میں عورت کی کوئی اہمیت اور وقعت ہی نہ تھی اسی کا نتیجہ تھا کہ عربوں کے ہاں عورت کے لئے کسی بھی طرح کے حقوق اور مراعات ورعایات کا تصور نہ تھا۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا کہنا ہے ہم اہل عرب عورتوں کو کوئی اہمیت اور رتبہ نہیں دیتے تھے یہاں تک کہ اللہ نے قرآن میں ان کے بارے میں احکامات نازل کیا۔عربوں کو یہ احساس وشعور تک نہ تھا کہ عورت ہماری زندگی کا جز لاینفک ہے جسکے بغیر اولاد اور خاندان کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اندر یہ شعور جگایا کہ عورتیں مردوں کا حقیقی حصہ اور اصلی جز ہیں۔انما النساء شقائق الرجال۔ اہلِ عرب لڑکیوں کی ولادت کو سخت ناپسند کرتے تھے اور ان کے وجود کو اپنے لئے ننگ وعار اور ذلت ورسوائی تصور کرتے تھے۔لڑکیاں پیدا ہوجاتیں تو انہیں زندہ درگور کرتے تھے۔

دختر کشی کی یہ وحشیانہ اور ظالمانہ رسم عربوں کے مختلف قبیلوں میں پھیلی ہوئی تھی۔اور جس کسی کے ہاں لڑکی پیدا ہوتی

تو باپ اس قدر نادم اور شرم سار ہو جاتا تھا کہ وہ لوگوں سے منہ چھپائے رہتا اور اس فکر و غم میں مبتلا رہتا تھا کہ کسی بھی طرح جلد از جلد نومولود کے وجود کو ختم کر دے۔قرآن کریم نے اس جاہلانہ طرز عمل کی واضح منظر کشی کی ہے۔

یتواری من القوم من سوٓء ما یبشر به ایمسکه علی هون ام ید سه فی التراب۔ وہ لوگوں سے منہ چھپائے پھرتا بچی کی پیدائش کی اس خبر کی وجہ سے جو اسے سنائی گئی۔آیا اسے ذلت کے ساتھ زندہ رکھے یا اسے زمین میں دفن کر دے۔قرآن کریم میں عربوں کے اس عقیدہ اور فکر کی گرہ کشائی کی ہے کہ وہ اپنے لئے لڑکیاں پسند نہیں کرتے تھے لیکن اللہ کی طرف لڑکیوں کی نسبت کرتے تھے۔ویجعلون لله مایکرهون

قرآن کریم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلق سے یہ صراحت کی ہے کہ اللہ نے آپ کو ناخواندہ عرب قوم میں رسول بنا کر بھیجا۔هو الذی بعثت فی الامیینین رسولا منهم۔ یہ وضاحت اس حقیقت کی آئینہ دار ہے کہ یہ لاعلمی اور ناخواندگی کا دور تھا۔اور یہ لاعلمی و بے علمی اس قدر عام تھی صرف عورتیں ہی نہیں بلکہ مرد بھی تعلیم سے محروم تھے۔صرف دو چار لوگ ہی لکھنا پڑھنا جانتے تھے جس کے نام انگلیوں پر لئے جاتے تھے اور عورتوں میں شفاد بنت عبدالمطلب کا نام لیا جاتا تھا جو حساب کتاب جانتی تھی اور تحریر سے آشنا تھی۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث سے واضح ہوتا ہے آپ نے مردوں کے ساتھ عورتوں کے لئے تعلیم لازمی اور ضروری قرار دی اور موت تک علم سیکھنے کی ہدایت دی۔طلب العلم فریضة علی کل مسلم و مسلمة۔ اطلبو العلم من المهد الی اللحد۔ علم طلب کرتے رہو گود سے لے کر گور تک۔

عربوں کے ہاں ازدواجی زندگی گزارنے کا کوئی شریفانہ اور مہذبانہ طریقہ عام نہ تھا۔ان کے پاس شادی بیاہ کی ایسی ایسی عجیب و غریب صورتیں اور شکلیں پائی جاتی تھیں جن سے نسوانیت اور انسانیت بھی شرمندہ ہو جائے۔عورت کے ساتھ جنسی تعلق قائم کرنے کا ایک طریقہ یہ رائج تھا کہ مرد اپنے پاس کئی عورتوں کو جمع کر لیتا اور ان سے ازدواجی تعلقات قائم کر لیتا تھا۔بے شرمی اور بے حیائی کی ایک صورت یہ بھی تھی کہ دو مرد ایک دوسرے کی بیوی پسند آ جانے پر اپنی اپنی بیویوں کو ایک دوسرے سے بدل لیتے تھے اور اس میں عورت کے علم اور اس کی مرضی کا سوال ہی نہ تھا۔یہ بھی ایک شکل تھی جسکو دیوث آدمی ہی اختیار کر سکتا ہے،وہ یہ تھی کہ مرد اپنی بیوی کو کچھ عرصہ کے لئے کسی دوسرے خوبصورت مرد کے پاس ازدواجی زندگی گزارنے کے لئے بھیج دیتا تھا تاکہ اس شخص سے خوبصورت بچہ پیدا ہو سکے۔اور خود اپنی بیوی سے کنارہ کشی

اختیار کر لیتا تھا، جب بیوی حاملہ ہو جاتی تو پھر اسکو اپنے پاس بلا لیتا تھا۔

ایک طریقہ اجتماعی نکاح کا بھی تھا جس میں دس آدمی ایک عورت سے شادی کر لیتے تھے اور ان میں سے ہر شخص عورت کے ساتھ جنسی تعلق قائم رکھتا۔ جب عورت کو اولاد ہوتی تو وہ دس مردوں کو جمع کرتی اور جس مرد کو وہ چاہتی اس سے مخاطب ہو کر کہتی کہ یہ بچہ تمہارا ہے اور وہ شخص انکار نہیں کر سکتا۔

یہ بھی ایک صورت تھی کہ عورت اور مرد ایک دوسرے کو پسند کر لیتے تو آپس ہی میں مہر کی رقم طے کر لیتے اور ایک مقررہ وقت کا تعین کر لیتے جب وہ مدت مکمل ہو جاتی تو دونوں الگ الگ ہو جاتے تھے۔ ایک عام وبا یہ بھی تھی کہ لوگ اپنی مرضی سے جتنی چاہے عورتوں کو اپنے نکاح میں رکھتے تھے۔ بیویوں کی کوئی تعداد متعین نہ تھی۔ بہت سے لوگ ایسے تھے کہ ایک ایک شخص کے نکاح میں دس دس عورتیں رہتی ہیں۔ قرآن کریم نے چار سے زیادہ بیویاں رکھنے پر پابندی عائد کی اور چار بیویاں رکھنے کی اجازت اور رخصت دی جس میں یہ شرط بھی رکھی کہ شوہر ان بیویوں کے درمیان عدل و انصاف اور مساوات کو قائم رکھے اور اگر وہ اس طرح نہیں کر سکتا ہے تو اس کو چاہئے کہ اپنے نکاح میں صرف ایک بیوی رکھے۔ فانکحو اما طاب لکم من النساء مثنیٰ و ثلث وربع فا خفتم الا تعدلوا فواحدہ۔

عرب سماج میں جنسی آسودگی اور تکمیل ہوس کی مختلف رائج صورتوں کی ساری تفصیل علامہ ابن حجر عسقلانی نے اپنی تحریروں میں بیان کی ہے۔

دورِ جاہلیت میں عورت کسی چیز کی مالک اور مختار نہیں ہو سکتی تھی اور اسے وراثت میں بھی کوئی چیز نہیں ملتی تھی۔ باپ کی ساری متروکہ جائیداد کی وارث صرف نرینہ اولاد ہوتی تھی۔ عورت ترکہ اور وراثت میں مال و اسباب کا پانا تو کجا وہ خود ہی مال وراثت بن چکی تھی۔ چنانچہ جب کسی عورت کا شوہر انتقال کر جاتا تو شوہر کے ورثاء مال و اسباب اور جائیداد کے ساتھ ساتھ اس عورت کے بھی حقدار بن جاتے تھے۔ اگر ان میں سے کوئی چاہے تو اس عورت سے نکاح کر لیتا یا کسی کے ساتھ نکاح کرا دیتا یا گھر والے اپنے ہی پاس اس عورت کو محبوس اور مقید رکھ لیتے تھے۔

قرآن کریم کی اس آیت سے عورت کے ساتھ ہونے والی اس زیادتی کا بخوبی علم ہوتا ہے۔ لا یحل لکم ان ترثوا النساء کرھا۔ تمہارے لئے یہ بات زیبا نہیں دیتی کہ تم عورتوں کی جان اور مال کے زبردستی مالک بنے رہو۔

ایک اور حدیث کے حوالہ سے بھی عورت کے ساتھ ہونے والے ظالمانہ رویہ اور سلوک کا پتہ چلتا ہے۔ جب کسی

شخص کا انتقال ہو جاتا ہے تو اسکے دوستوں میں کوئی دوست اسکی بیوہ پر کپڑا ڈال دیتا۔ یہ اس بات کی علامت سمجھی جاتی تھی کہ وہی شخص اس عورت کے ساتھ شادی کرنے کا حق دار ہے۔کوئی بھی دوسرا شخص اس بیوہ کے ساتھ شادی نہیں کر سکتا اور یہ عورت اس شخص کے پاس محبوس اور مقید ہو کر رہ جاتی تھی۔اور اگر اس سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتی تو اس شخص کو بہت سارا مال دے کر رہائی حاصل کرنا ہوتا تھا۔

لوگ یتیموں کا مال کھالینا کوئی معیوب بات نہیں سمجھتے تھے۔یتیموں پر اپنا قبضہ جمائے رکھتے تھے اور ان کی دولت کو اپنے تصرف لے آتے تھے۔قرآن نے یتیموں کے مال کھانے کو آگ پیٹ بھر لینے کے مصداق ٹھہرایا۔انما یاکلون فی بطونھم نارا۔

عربوں کی قسادت قلبی کا یہ عالم تھا کہ وہ اپنے ہی بچوں کے ساتھ پیار و محبت سے پیش آنے کو اپنی شان و شوکت اور عزت و وقار کے خلاف تصور کرتے تھے۔اولاد کے ساتھ داد و دہش کے معاملہ بھی غیر منصفانہ رویہ تھا۔آنحضرتؐ نے اس پہلو کی طرف بھی توجہ دی۔اکرموا اولادکم احبوا الصبیان وارحموھم۔ بچوں کے ساتھ عزت و چاہت کے ساتھ پیش آؤ۔ان کے ساتھ محبت کرو اور ان کے ساتھ رحم و کرم کا معاملہ کرو۔

جاہلی عہد کی خاتون کا یہ تذکرہ انگریز مورخ گلمین Gilman کے بیان پر اختتام پذیر ہے۔وہ اپنی کتاب ''ہسٹری آف دی اسلام'' (تاریخ اسلام) میں رقمطراز ہے۔

میں کافی تحقیقات کے بعد لکھ رہا ہوں کہ حضرت مسیح علیہ سلام سے چھ سو برس بعد عورت کو نہایت حقیر اور ذلیل سمجھ لیا گیا تھا۔اس کی کوئی حیثیت نہ تھی اور اس کے کچھ حقوق متعین نہ تھے۔۶۱۱ء میں پیغمبر اسلام نے عورتوں کو بلندی عطا کی اور ان کو ذلت سے نکال کر عزت وعظمت کے عرش پر پہنچا دیا۔میں یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ اسلام نے عورتوں کے حقوق کا جتنا احترام کیا ہے، دنیا کے کسی مذہب نے نہیں کیا۔اور پیغمبر اسلام نے عورت کی جیسی حمایت کی ہے دنیا کے کسی ریفامر نے نہیں کی۔حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے قبل دنیا میں عورت کی ذلت حد سے گزر چکی تھی۔یونان میں کمزور اور بدصورت لڑکیاں مار ڈالی جاتی تھیں۔اور یونان کے بعض صوبوں میں لوگ اپنی بیویوں کو عارضی طور پر قرضے میں دے دیا کرتے تھے۔اور قرضہ ادا ہونے کے بعد واپس لیتے تھے۔انگلستان میں بھی عورت کی حیثیت نہایت ذلیل تھی۔عورتوں کو نوکروں کے زمرے میں داخل کیا جاتا تھا۔اس کا یہ فرض تھا کہ وہ اپنے شوہر اور اپنے سرپرست اور پادری کی غلامی کرے۔

آج بھی یورپ میں عورت کو جو آزادی حاصل ہے وہ کسی مذہبی عقیدہ کی بنیاد پر نہیں ہے بلکہ یورپ نے مذہب کو بالائے طاق رکھ کر ایسا کیا ہے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پڑھنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ عورتوں کے حقوق کا بہت احترام کرتے تھے۔ میں وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ اسلام میں عورتوں اور مردوں کے حقوق قریب قریب برابر رکھے گئے ہیں۔ اسلام کا حکم ہے کہ اپنی عورتوں کے ساتھ منصفانہ برتاؤ کرو۔ اور مال پر قبضہ کرنے کی غرض سے شادی نہ کرو، ان کو تکلیف نہ دو، اوران کے عزیز واقرباء کے ساتھ بہتر سلوک کرو۔ اوران کی تعلیم میں سعی وکوشش کرو۔

مجھے معلوم ہے کہ عیسائی مذہب کے قانون کی وجہ سے کوئی عورت عیسائی مذہب کی عالمہ نہیں کہلائی جاسکتی۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ وہ گرجا کی خادمہ بن سکتی ہے اور نوکروں کی طرح اپنی زندگی وقف کرسکتی ہے۔ برخلاف اس کے اسلام میں تحصیل علم عورت اور مرد دونوں کے لئے یکساں ضروری ہے۔ فعل وہنر اور تعلیم وتربیت کا دروازہ ہرایک کے لئے یکساں کھلا ہوا ہے۔

غرض اسلام نے ہر طرح زندگی کے ہر شعبے میں عورت کے حقوق کا لحاظ رکھا ہے اور اس کو غلامی کی سطح سے بلند کر کے فضیلت کے پہلو بہ پہلو کھڑا کیا ہے۔ (ترجمہ از حقوق انسانیت اور انسانی پہلو، ص ۴۰۰)

الغرض نبی کریمؐ نے عورت کو حقوق میں مردوں کے دوش بدوش کھڑا کر دیا ہے۔ یہ وہ الطاف وعنایات محمدیؐ ہیں جن کو عورت صبح قیامت تک فراموش نہیں کرسکتی۔

جواهر السلوک

تصنیف :

قدوۃ السالکین زبدۃ العارفین حضرت سید شاہ محی الدین قادری نقوی ویلوری المعروف بہ حضرت قطبِ ویلور قدس سرہ العزیز

مترجم :

افضل العلماء ابو المکارم سید شاہ مصطفی حسین بخاری قادری

فاضل لطیفیہ

سجادہ نشین آستانہ بخاریہ صاحب مکان کڈپہ۔اے پی

فائدہ ۳۴

وجود کے سفروں کے متعلق مصنف ''فتح الطریق'' مولانا شیخ فتح محمد محدث برہان پوری کے کلام کا خلاصہ یہ ہے۔وہ فرماتے ہیں کہ اہل طریق اس بات کو اچھی طرح معلوم کرلیں کہ ذکر میں مشغول ہونے سے پہلے وہ تین دن روزہ رکھیں۔پہلے دن مندرجہ ذیل آنے والے کلمات کے ذریعہ اپنے تمام گناہوں کی مغفرت اور بخشش چاہیں۔استغفر الله من جمیع ما کرہ الله قولاً وفعلاً و خاطراً و ناظراً الهم اغفرلی وتب علی انّك انت التواب الرحیم۔دوسرے دن کلمہ تمجید سبحان الله و الحمد لله ولا اله الاالله والله اکبر ولا حول ولا قوۃ الا بالله العلی العظیم۔ میں مشغول رہیں۔تیسرے دن کلمۂ شہادت۔اشهدان لا اله الاالله وحده لا شریك له واشهد ان محمداًعبده و رسوله۔اورکلمہ توحیدلا اله الاالله وحده لا شریك له الملك و له الحمد و هو علی کل شئً قدیر نیزکلمۂ استعاذہ۔اللهم انی اعوذ بك ان اُشرك بك شیأً و انا اعلم به و استغفرك لما لا اعلم به۔ ان میں سے ہرایک ذکرودعا کے ساتھ ایک پاس ایک پہریعنی تین گھنٹوں تک مشغول ومصروف رہیں۔پاس آخر میں عصر کے وقت تک کلمۂ طیب کودل میں پڑھیں،اس کے بعددل کو ماسوا اللہ سے خالی کرتے ہوئے

مرشد کے باطن کی طرف متوجہ ہو جائیں۔ ماسوا اللہ کے خطرات کو پوری طرح دور کر دیں تا کہ مرشدِ محترم کا فیض اس پر اچھی طرح اثر انداز ہو۔ جنابِ مرشد کے لئے چاہیے کہ وہ تیسرے دن مغرب اور عشاء کے درمیان برزخِ صغریٰ اور برزخِ کبریٰ کو ملاحظہ کرنے کے بعد کلمۂ تمجید اور درودِ شریف کو جیسا کہ پڑھنے کا طریقہ ہے طالب کو اس میں مشغول کر دے۔ نیز اس کو پہلے لا معبود الا الله اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ دوسرا لا مقصود الا الله یعنی اللہ کے سوا کوئی مقصود نہیں ہے۔ تیسرا لا فاعل فی الوجود الا الله یعنی وجود میں اللہ کے سوا کوئی فاعل نہیں ہے۔ چوتھا لا موجود الا الله یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی موجود نہیں ہے۔ توحید ایمانی، توحید علمی، توحید حالی اور توحیدِ الٰہی حاصل ہو۔ جس وقت لا معبود الا الله کے ساتھ مشغول ہو دل سے تمام معبودانِ باطل کو پوری طرح نکال دے۔

مسلمان کے حق میں معبودانِ باطل تین ہیں۔ ایک دنیا، دوسرا مخلوق، اور تیسرا خواہشاتِ نفس، وہ دل میں ٹھان لے کر میں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے سوا کسی کی بھی اطاعت اور فرمانبرداری نہیں کروں گا۔ دنیاوی امور میں سے کسی بات کی بھی اتباع اور پیروی نہیں کروں گا۔ نیز دنیاوی امور سے متعلق آنے والے خطرات کو دل و دماغ سے دور کرتا رہے اور مخلوق کو عمل میں شریک نہ بنائے یعنی نام و نمود اور دکھاوے خطرہ و خیال اپنے عمل میں بالکل جگہ نہ دے۔ اگر عمل کے وقت دل میں مخلوق کا خطرہ و خیال آجائے گا وہ دیکھ رہے ہیں اور وہ سن رہے ہیں تو حق تعالیٰ کی بجائے وہی معبود بن جائیں گے۔ خواہشِ نفس کو اپنی عبادت اپنی بندگی سے پوری طرح نکال دیں۔ یعنی عزت و مرتبہ، خود نمائی، خود پسندی اور غرور وغیرہ سے جو کچھ بھی خواہش نفس سے ہے بلکہ تمام نفسانی لذتوں کو دل سے مطلق دور کر دیں ان خطرات و خیالات میں کسی خطرہ و خیال بھی دل میں گھر نہ کرنے دے۔ ہاں مگر اس خطرہ و خیال کو جو اللہ تعالیٰ کی طرف کھینچتا ہے یہاں تک کہ دل ماسوی کی عبادت اور بندگی سے پوری طرح خالی ہو جائے۔ خطرات و خیال میں سے جو بھی خطرہ و خیال دل میں بیٹھ گیا ہے حقیقت میں وہی اس کا معبود ہے۔ جیسا کہ بزرگوں کا ارشاد ہے۔ ما شغلك عن الله فهو صنمك یعنی جو تجھے اللہ تعالیٰ سے غافل کر دے وہی تیرا صنم وہی تیرا خدا ہے۔ جس کے خیال میں تو ہے اس کا تو بندہ ہے۔ حدیث صحیح سے بھی یہی مطلب نکلتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے۔ تعس عبد الدنیا و تعس عبدالدراهم و تعس عبد الخمصة ان اعطی رضی وان لم یعط سخط. یعنی ہلاک ہو گیا دنیا کا غلام، اور ہلاک ہو گیا پیسوں کا غلام اور ہلاک ہو گیا بھوک کا غلام، اس کی حالت ایسی ہو جاتی ہے کہ اگر دیا جاتا ہے تو خوش ہو جاتا ہے، نہ دیا جائے تو غصہ میں آجاتا ہے۔ بلکہ قرآن

میں بھی یہی معنی معلوم ہوتا ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔افرأیت من اتخذالھه ھواہ بھلا کیا دیکھا آپؐ نے اس شخص کو جس نے اپنی خواہش کو اپنا خدا بنالیا ہے۔

اس مشغولی کی صحت کی پہلی علامت یہ ہے کہ اسے توحید ایمانی حاصل ہوتی ہے جس کے ذریعہ سے اُسے اوصاف الوہیت کے تفرد کا یقین ہو جاتا ہے۔چنانچہ حضراتِ اہل سنت و جماعت فرماتے ہیں کہ تمام بندوں کے افعال کا خالق حق تعالیٰ ہے، کسی بھی مخلوق کو کسی قسم کا اختیار نہیں ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔وربُك یخلق ما یشاء و یختار ما کان لھم الخیرة سبحان الله تعالیٰ یشرکون۔یعنی آپ کا رب جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور چن لیتا ہے ان کو اس کا کوئی اختیار نہیں ہے۔اللہ تعالیٰ پاک ہے ان کے شرک سے (سورۃ قصص آیت ٦٨)

وہ حضرات غیر حق کے لئے کسی قسم کے اختیار کو ثابت کرنے کو شرک قرار دیتے ہیں نعوذ باللہ منھا۔اپنے لئے ہو یا غیر کے لئے اختیار کا تصور بھی کرے تو اپنے کو شرکِ خفی کے ساتھ مشرک جانے۔جب اوصاف الوہیت کے تفرد کا کامل یقین ہو جائے تو پھر اپنے کو مسلمان سمجھے۔جس وقت یہ بات آجائے گی لا معبود الا الله یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں مکمل ہو جائے گا۔اس کے بعد لا مقصود الا الله یعنی اللہ تعالیٰ کے سوائے کوئی مقصود نہیں ہے لا محبوب الا الله یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی محبوب نہیں ہے اور لا معشوق الا الله یعنی اللہ تعالیٰ کے سوائے کوئی معشوق نہیں ہے میں قدم رکھے اس وقت کسی مقصود کو بھی اپنے باطن میں جگہ نہ دے۔

معلوم ہونا چاہئے کہ مقصود تین چیزیں ہیں۔پہلی جنت اور اس میں پائے جانے والے حور و قصور دوسری مقاماتِ کشفی جو اولیاء اللہ کو مشغولی سے حاصل ہوتے ہیں، جیسے نو کشوفات میں سے کشف قبور، کشف قلوب وغیرہ، مگر اس کے لئے کشف ذاتی کے علاوہ کوئی مقصود نہیں ہونا چاہئے جو توحید خاص سے عبارت ہے اس کو صوفیاء کرام کی اصطلاح میں فنافی اللہ کہتے ہیں اس کے علاوہ دل میں جو مطلب آئے اس کو ختم کردے۔

دریں منزل بود کشف و کرامات　　　ولے باید گذشتن زان مقامات

اس منزل میں بہت سے کشف و کرامات حاصل ہوتے ہیں　　　لیکن تجھے ان مقامات سے آگے بڑھ جانا ہے

تیسری تجلیات قربی ہیں جو اولیاء کرام کو حاصل ہوتی ہیں جیسے ولایت، قطبیت، غوثیت وغیرہ یہ بھی سوائے وصال حق کے مقصود اور کچھ مقصود نہ ہونا چاہئے۔وصال حق سے مراد حضور صاحب معرفت ہے، یہ توحید حالی ہے وصالِ حق کے

سوائے کوئی چیز بھی مطلب اور مقصد نہ بننے پائے اس طرح کہ اس وجود کے حضور سے ہمیشہ خوش وقت رہے اگر ایک لمحہ کے لئے بھی حضور حق تعالیٰ سے غافل ہو جائے تو خود پر ماتم کناں ہو سالک کی ہمیشہ یہی طلب ہونی چاہئے۔

یارب نے تو آنچہ من گدامی طلبم — افزوں زہزار بادشاہی طلبم

ہر کس زدرِ تو حاجتی می خواہد — من آمدہ ام زتو ترا می طلبم

یعنی اے پروردگار یہ فقیر تجھ سے جو چیز مانگ رہا ہے وہ ہزاروں بادشاہوں سے بڑی ہے۔ ہر شخص تیری بارگاہ سے اپنی حاجت مانگتا ہے، لیکن میں تیرے پاس اس لئے آیا ہوں کہ تجھ سے تجھی کو مانگوں۔

اس مشغولی کی صحت کی علامت یہ ہے کہ حق سبحانہٗ تعالیٰ کی محبت اس کے دل پر غالب آ جائے ایسا کہ ایک لمحہ کیلئے بھی اس سے غافل نہ ہو، ذکر کی وجہ سے بے اختیار نہ طور اس کی حالت ایسی ہو جائے جیسا کہ کہا گیا ہے۔

از بیں کہ خیالت بنظر می دارم — در ہر چہ نظر کنم توئی پندارم

یعنی صرف تیرا ہی تیرا خیال میری نظروں میں ہوتا ہے، جس چیز میں بھی میں نظر کرتا ہوں تجھی کو سمجھتا ہوں میں یہ سمجھتا ہوں کہ میں تو ہی تو ہے۔

یہ مقام قلوبن ہے اس مقام میں عاشقوں کو پھر حال، بے ہوشی اور فریاد کی کیفیت رونما ہوتی ہے اس کے بعد یہاں سے ترقی کرنے ایسا کہ مطلب و مقصد خالص رضائے حق ہو جیسا کسی شاعر نے کہا ہے۔

معشوقہ کہ شد بکا مہا عاشق من — گفتا کہ نۂ بہ عاشقی لائق من

وصل است زمن کام تو آری ہستی — تو عاشقِ کام خویش نے عاشق من

یعنی وہ معشوقہ جو میرے سارے کاموں کیلئے رکاوٹ بنی ہوئی ہے اس نے کہا کہ تو میرے ساتھ عاشقی کے لائق نہیں ہے، تیرا کام تو میرا وصل حاصل کرنا ہے اور کچھ نہیں ہے تو تو اپنے کام کا عاشق ہے میرا عاشق نہیں ہے۔

ہر فعل و حرکت میں، چپ سادھنے میں اور خاموشی میں اس کی رضا اور خوشنودی کو چاہے یہاں تک کہ تمام افعال اور احکام الٰہی جو تمام تقدیرات حق میں اس کے نفس یا عالم پر جاری ہوتے ہیں ان پر کسی قسم کا اعتراض نہ ہونے پائے، بلکہ جو بھی محبوب کی جانب سے ہو گا اسے عین مطلب اور عین مقصد جانے۔ حقیقة المحبة ان تحب كُلك لمن اجبت۔ یعنی محبت کی حقیقت یہ ہے کہ جس سے تو پیار کرتا ہے اس کو اپنا سب کچھ دے دے یہ بات اس مقام پر صحیح اور درست ہو

۔جس وقت بھی کوئی مرض یا بیماری یا خلاف نفس ظاہر بات ظاہر ہو تو ،مقصد چونکہ محبوب ہے اس سے محفوظ اور خوش رہے۔اس ذکر کا نتیجہ توحید علمی ہے جو علم یقین سے حاصل ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ پورے یقین کے ساتھ جانتا ہے کہ خدا وند جل جلالہ کے سوا کوئی بھی موجود حقیقی اور موثر مطلق نہیں ہے۔تمام ذوات اسی کے ذات کے پرتو ہیں،تمام صفات اسی کی صفات کے پرتو ہیں اور تمام افعال اسی کے افعال کے پرتو ہیں یہ مرتبہ اہل خصوص کی توحید کے مراتب کے اوائل سے ہے جو توحید فعالی ہے۔

اس کے بعد مرشد اس کو یعنی سالک راہ طریقت کو لا فاعل فی الوجود الا الله یعنی وجود میں اللہ تعالیٰ کے سوائے کوئی فائل نہیں کے ذکر کا حکم دے۔یعنی موجودات میں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی حرکت وسکون بخشنے والا نہیں ہے۔لا حول ولا قوۃ الا بالله کے معنی میں یعنی لا حول عن شئ الا بالله ولا قوۃ علی فعل شئ ال بالله تعالیٰ کے سوائے کسی چیز سے کوئی طاقت نہیں ہے اللہ تعالیٰ کے سوائے کسی فعل کے کرنے کی کسی کو طاقت اور قوت نہیں ہے۔سالک ایک مدت تک اسی پر عمل پیرا ہو،تاکہ یہ معنی دل میں اچھی طرح اتر جائے۔

جب سالک راہِ سلوک اس سے فارغ ہو جائے تو تمام اسمائے حسنیٰ جیسے لا نافع،لا ضار،لا معطی اور لا مانع فی الوجود الا اللہ وغیرہ تما اللہ تعالیٰ کے ننانوے ناموں میں مشغول کر دے اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے ننانوے ناموں کے معانی بتائے جس سے وہ موجودات میں اس کا مشاہدہ کرے۔مثلاً جہاں کہیں منع کو دیکھے تو اللہ ہی کو مانع جانے یا عطا کو دیکھے تو دینے والا اُسی کو سمجھے۔نفع،نقصان،حرکت اور سکون تمام کو پہلے بالواسطہ اس کے بعد بلاواسطہ اسی سے جانے،یہاں تک کہ کسی بھی موجود سے کوئی بھی فعل جیسے تاثیرات جمادلی،یا نباتی،یا افعال حیوانی یا انسانی ان سے نہ جانے بلکہ حق سے سمجھے جو لباس کونی میں ملبوس ہو کر مختلف مظاہر میں گوناگوں اطوار سے نظر آتا ہے،اُس مقام میں سالک طریق کیلئے مدح وذم یعنی تعریف و نالش دونوں برابر ہو جاتے ہیں،بلکہ وہ مذمت سے بے حد محفوظ ہوتا ہے،بلا جو درحقیقت زحمت ومصیبت اور فقر وفاقہ کا نام ہے اس کے لئے نعمت وراحت بن جاتی ہے۔رخا یعنی کشادگی جو درحقیقت دنیاوی دولت،صحت بدن اور حفظ نفس کا نام اس کو وہ اپنے لئے ایک مصیبت سمجھتا ہے۔چنانچہ حدیث صحیح میں آیا ہے۔

لیس بمومنین سُتکمل الایمانِ من لمیعد البلاءَ نعمة والرخاءَ مصیبة۔ یعنی وہ شخص کامل مومن نہیں ہے جو بلا کو یعنی مصیبت کو نعمت نہیں سمجھتا ہے جو کشادگی کو مصیبت نہیں جانتا ہے۔

اس مقام پر سالک راہِ طریق ساری کائنات میں لا حول ولا قوة الا بالله یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو طاقت نہیں ہے۔ نیز لا تشحرك ذرة الا بالله یعنی اللہ تعالیٰ کے بغیر ایک ذرہ بھی حرکت نہیں کرتا ہے ان معنی کا مشاہدہ کرتا ہے۔ بلکہ یہاں اس کے لئے لا موجود الا الله یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی موجود نہیں ہے کا معنی صحیح ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد اسے انشاء اللہ تعالیٰ فناءِ افعالی حاصل ہوگی اور وہ عین الیقین کے ساتھ بلا واسطہ ہر فعل کو حق سے دیکھے گا۔

مذکورہ تصور کے قرار پانے یعنی باقی رہنے کی علامت یہ ہے کہ وہ تمام موجودات میں یعنی جمادات، نباتات، حیوانات، اور انسانات میں حس وحرکت اور فعل کا مشاہدہ کرتا ہے، اس کو بغیر کسی واسطے کے حق سبحانہ تعالیٰ کا تصرف اور فعل سمجھتا ہے۔ ذراتِ موجودات کے ہر ذرہ ذرہ میں حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے اسماء افعال کا معائینہ کرتا ہے اور یقین کے ساتھ یہ جانتا ہے کہ تمام علویات اور سفلیات فیضِ الٰہی کی حرکت و برکت سے متحرک اور فعال ہیں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ہی تمام کا قیوم ہے اور تمام کائنات اسی سے قائم ودائم ہے۔

جب سابقہ ذکر سے یہ بات ثابت ہوگئی ہے اس عالم میں اُس محبوب ومعشوق کے سوا یقیناً کوئی اور فاعل نہیں ہے تو وہ ہر فعل میں محبوب کے فعل کا مشاہدہ کرے گا، اس وقت ہر فعل وعمل کی لذت اس کو یوں معلوم ہوگی۔ جیسا کہ دنیاوی محبوب ومعشوق کے فعل وعمل سے ہوتی ہے۔ اور بالغرض اگر کوئی گالی دے رہا ہے تو سمجھے گا کہ محبوب اس روش اس طریقہ سے اس عاشق سرفراز کر رہا ہے۔ کسی وقت بھی کسی ظاہر و باطن فعل میں محبوب معشوق کے افعال سے غافل نہیں ہوگا بلکہ اس بات کا منتظر ہوگا کہ محبوب موجودات کے افعال میں اپنے عاشق کے ساتھ کس قسم کا سلوک کرے گا۔ (جاری)

نقوش طاہر

سالنامہ اللطیف میں حضرت اقدس مولانا ابوالحسن صدر الدین سید شاہ محمد طاہر قادری علیہ الرحمۃ سابق ناظمِ دار العلوم لطیفیہ، حضرت مکان ویلور۔ کا ایک مفید و دلچسپ اور فکر انگیز مضمون ''**کردار**'' اس شمارہ کی زینت ہے۔

ادارہ

ہزاروں درود ہزاروں سلام بحقِ محمد علیہ السلام

تمام حمد و ثناء اس ذاتِ واحد اللہ تبارک و تعالیٰ کے لئے ہے جس نے اٹھارہ ہزار عالم پیدا کئے اور اُن تمام کا رزاق بنا۔ درود و سلام ہو اُن تمام پیغمبروں پر جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی ہدایت کے لئے وقتاً فوقتاً دنیا میں روانہ فرمایا۔ جس نے اپنے فضل سے اس عالم میں ایسی پوشیدہ اور ظاہر نایاب و نادر ہستیوں کو پیدا کیا جنھوں نے خالقِ کائنات پر یقینِ کامل اور یقینِ محکم رکھتے ہوئے کبھی سرِ مو احکامات الٰہی کی خلاف ورزی نہ کی۔

ناموارنِ اسلام تو اس دنیا میں اپنے زندۂ جاوید کارنامے چھوڑ گئے، لیکن ایسی بہت ساری ہستیاں بھی ہیں جن کے زرین کارنامے رہتی دنیا تک انسانیت کے لئے مشعلِ راہ بن کر اُفقِ عالم پر چمکتے رہیں گے۔ چند عدیم المثال کارناموں کو منظرِ عام پر لانے کی سعئ بلیغ کی گئی ہے۔

خلفائے راشدین کے زمانہ میں جبکہ اسلامی فتوحات کا دور دورہ تھا۔ اسلامی تاریخ کے ایک زرین باب میں تحریر ہے کہ خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے خط کے ساتھ ایک خصوصی نمائندہ کو سپہ سالار روم کے پاس بھیجا۔ جب ان کی آمد کی خبر سپہ سالار روم نے سنی تو اس نے اپنے تمام افسروں کو خیمہ میں طلب کیا اور اپنی اپنی نشستوں پر بیٹھ جانے کا حکم دیا۔ خلیفۂ اسلام کے پیامبر کو ذلت پہنچانے کی غرض سے ایک نشست بھی خالی نہیں چھوڑی۔ بعد ازاں انہیں خیمہ کے اندر آنے کی اجازت دی گئی۔ وہ اپنے گھوڑے سے اتر کر اندر داخل

ہوئے اور خلیفۂ وقت کا خط انہوں نے سپہ سالار کو پہنچادیا۔ چاروں طرف ایک طائرانہ نظر دالی اور کہیں بھی کوئی نشست خالی نہ پائی تو فوراً ہی میان سے تلوار نکال کر جہاں کھڑے تھے بیچ قالین میں شگاف ڈالا۔ اس کا چوکانہ ٹکڑا پھینک کر وہیں بیٹھ گئے۔

سپہ سالار نے للکار کر کہا کہ یہ کیا حرکت اور گستاخی ہے۔ انہوں نے جواب میں کہا کہ میرے یہاں بیٹھنے سے میری ذلت نہیں ہوگی۔ عزت اور ذلت کا دینے والا اللہ ہے۔ کسی اور نے غضب میں آکر کہا اس تلوار سے تمہاری گردن اڑادی جائے گی۔ اطمینان سے انہوں نے اپنی تلوار اُن کے سامنے پھینک کر کہا اگر تم مارنا چاہو گے تو نہیں مار سکتے۔ جب تک کہ اللہ نہ چاہے۔ اس عالی ہمتی اور بے باکی اور اپنے آپ پر پورا اعتماد اور اللہ پر کامل یقین دیکھ کر وہ تمام عیسائی اسلام کی خوبیوں سے بے حد متاثر ہوئے اور اپنی حرکت پر شرمندہ و نادم ہوئے۔

تاریخ اسلام کے ایک اور سنہرے باب میں درج ہے کہ صلیبی جنگ کے موقع پر صلاح الدین اور رچرڈس کی فوجوں میں جنگ و جدل ہورہی تھی۔ آخر ایک وقت جب کہ اسلامی سپاہی گرفتار ہوگئے تو عیسائی فوجوں کے سپہ سالار نے حکم نافذ کیا، کہ گرفتار شدہ فوجیوں کو ایک قطار میں کھڑا کردیا جائے اور ان میں سے ہر دوسرے سپاہی کو قتل کردیا جائے۔ بہ تعمیل حکم ہر دوسرے سپاہی کا قتل ہوتا گیا۔ جب ایک آدمی کے پاس پہنچے تو سپہ سالار نے ان کو پہچان لیا کہ اس نے ایک مرتبہ شدتِ پیاس کے موقع پر موصوف کو پانی پلایا تھا۔ احسان کا تقاضہ تھا کہ وہ بھی ایسے موقع پر رحم وسلوک کا برتاؤ کرے۔ لہذا اس نے دریافت کیا کہ تیری آخری خواہش کیا ہے؟۔ اس نے جواب میں کہا کہ میں اپنی بوڑھی ماں سے ملکر دودھ بخشوانا چاہتا ہوں اور وہ بھی میرے انتظار میں سخت پریشان رہے گی۔ سپہ سالار نے پوچھا کہ ایک مرتبہ چھوٹ جانے کے بعد دوبارہ کیسے واپس آئے گا کہا کہ مسلمان کا وعدہ سچا ہوتا ہے اور جب دوفریقین کے درمیان عہدو پیمان ہوتا ہے تو تیسرا بھی ایک ہوتا ہے ۔ جو اللہ کی ذات ہے۔ یہ عہد و پیمان اسی کے سامنے ہوتا ہے۔ علاوہ بریں اس کا چچا بھی تھا جو اس کے بازو ہی تھا۔ اور اس نے بھی اس کی ضمانت دے دی۔

لہذا اس کو چند دن کی مہلت دے دی گئی۔ وہ اپنی والدہ سے جاملا جو اس کی یاد میں بیمار ہوچکی تھی۔ جب

اس کی آمد کی مدت ختم ہوگئی اور وہ نہ آیا تو اس کے چچا سے کہا گیا کہ وہ نہیں آیا، اب تمہارے قتل کی باری ہے۔ چچا نے کہا وہ ضرور آئے گا۔ لہذا مزید چوبیس گھنٹے کا وقت دیا گیا۔ مختلف لوگوں نے اپنے مختلف خیالات کا اظہار کیا۔ کسی نے کہا کہ تم نے یہ ضمانت دے کر بے وقوفی کی۔ اور کسی نے کہا کہ جب ایک چڑیا ہاتھ سے نکل جاتی ہے تو کہیں اس کے واپس آنے کی امید کی جاتی ہے؟ جب ایک شیر اپنے پنجرے سے باہر ہو جاتا ہے تو کیا وہ دوبارہ واپس آتا ہے؟ تم نے اپنی حماقت سے اپنی جان کو خطرہ میں ڈال لی ہے۔ جتنے منہ وتنی پریشان کن باتیں ہوتیں رہیں۔ ان تمام کا جواب اس نے صرف اتنا ہی دیا کہ وہ ضرور آئے گا۔ اس اثناء میں مزید مدت بھی ختم ہوگئی۔ شدتِ انتظار کے باوجود وہ نہیں آیا۔ لہذا مایوسی کے عالم میں بھتیجہ کی جگہ چچا کو مقتل میں کھڑا کیا گیا اور قتل کا حکم دے گیا۔ عین اسی وقت تیز رفتاری سے گھوڑے سے آکر اترا اور اپنے چچا کو ہٹا کر آپ کھڑا ہو گیا اور کہا کہ اب قتل کرو۔

اس منظر کو دیکھ کر تمام لوگ حیران ہو گئے۔ دریافت کیا گیا تیری آمد میں دیر کیوں ہوئی؟۔ جواب میں کہا کہ اس کی ماں اس کے انتظار میں بیمار ہوگئی تھی۔ اس کا علاج کرانے میں تاخیر ہوئی۔ اس سے مزید پوچھا گیا کہ کیا تجھے موت کا ڈر نہیں؟۔ کہا کہ مسلمان موت سے نہیں ڈرتا اور مسلمان وعدہ کا سچا ہوتا ہے۔ اسلام کی حقانیت اور صداقت سے متاثر ہو کر بہت سے عیسائی مشرف با اسلام ہو گئے۔

سلاطینِ عثمانیہ میں سلطان سلیم خان بڑا جلال اور ہیبت والا بادشاہ گزرا ہے۔ ایک روز اُس کو ملازمینِ خزانہ پر غصہ آ گیا۔ اُن میں ڈیڑھ سو آدمیوں کو قتل کر دینے کا حکم دے دیا۔ مولانا علاؤالدین جمالی اُن دنوں مفتیِ اعظم کے عہدے پر معمور تھے۔ جب انہوں نے یہ سخت حکم سنا تو اُن ملازموں پر رحم آیا اور سلطان کے قہر و غضب کو ٹھنڈا کرنے کے لئے بابِ عالی پر تشریف لے گئے۔ آپ کی اچانک آمد پر لوگ حیران رہ گئے۔ حضورِ سلطانی میں جب اُن کی آمد کی اطلاع ہوئی تو یہ اجازت ملی کہ تنہا آئیں۔ یہ وہاں پہنچے اور سلام کہہ کر بیٹھ گئے اور سلسلہ تقریر یوں شروع کیا جو علمائے منصب افتاء رکھتے ہیں۔ اُن کا فرض ہے سلطانِ وقت کی آخرت بھی درست کرنے کی فکر رکھیں۔ میں نے سنا کہ سلطان نے ڈیڑھ سو آدمیوں کے قتل کا حکم دیا ہے۔ حالانکہ شرعاً یہ تجویز ناجائز ہے۔ لہذا میں عفو سلطانی کی استدعا کرتا ہوں۔

سلطان کو اپنے مفتی کی یہ مداخلت نہایت ناگوار معلوم ہوئی اور قہر آلودہ ہو کر کہا کہ تم کو امورِ سلطنت میں دخل نہیں دینا چاہئے۔انہوں نے کہا کہ میں معاملاتِ سلطنت میں دخل دینا نہیں چاہتا بلکہ عاقبتِ سلطانی کی عافیت چاہتا ہوں اور میرا یہ فرض ہے کہ۔یعنی اگر تم معاف کر دو گے تو نجات پاؤ گے ورنہ سخت عذاب میں مبتلا ہو گے۔سلطان کے دل پر اس کلام کی جلالت اثر کر گئی اور غصہ فرو ہو گیا۔اور ان تمام ملازموں کی خطائیں معاف کر دی۔جب مفتی ممدوح نے اٹھنے کا قصد کیا تو فرمایا کہ میں سلطان کی آخرت کے متعلق تو فرضِ منصبی ادا کر چکا۔اور ایک بات شانِ سلطنت کی نسبت چاہتا ہوں۔سلطان نے پوچھا وہ کیا۔تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ سب بیچارے آپ کے غلام ہیں۔کیا یہ مناسب ہوگا کہ غلامِ شاہی ہو کر در بدر مانگتے پھریں۔سلطان نے فرمایا کہ نہیں۔انہوں نے کہا تو ان کی جگہ پھر انہی کو عطا فرمائی جائے۔سلطان نے از راہِ مراحم خسروانہ اسکو بھی قبول کیا۔مگر یہ کہا کہ ان کو قصور کی سزا ضرور دی جائے گی۔مولانا نے کہا کہ اس میں مجھ کو کچھ کلام نہیں کیونکہ تعزیر مرضیِ سلطانی پر منحصر ہے۔

حضرت حبیب عجمی رحمۃ اللہ علیہ کا مکان شہر بصرہ میں لبِ سڑک تھا۔ایک روز آپ غسل کرنے کے ارادے سے غسل خانہ گئے تو آپ جب اپنا پوستین سڑک کے کنارے ہی چھوڑ گئے۔اتفاق سے حضرت خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا گزر وہاں سے ہوا۔آپ نے دیکھا کہ حضرت حبیب عجمی رحمۃ اللہ علیہ کا پوستین چھوٹ گیا ہے۔لہذا تھوڑی دیر تک آپ وہیں نگرانی کرتے رہے۔اس اثناء میں حضرت موصوف با اطمینان غسل سے واپس آئے تو دیکھا کہ حضرت خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ آپ کی پوستین کی نگرانی میں ٹھہرے ہوئے ہیں۔خواجہ صاحب کو سلام کیا اور فرمایا کہ اے مسلمانوں کے امام آپ یہاں کیوں کھڑے ہیں۔حضرت خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تم نہیں جانتے کہ پوستین یہاں چھوڑ کر چلے گئے اگر کوئی لے جاتا تو کیا ہوتا؟ تم کس کے بھروسہ پر چھوڑ گئے تھے۔حضرت حبیب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں اس کے بھروسہ پر چھوڑ گیا تھا جس نے آپ جیسے ایماندار و دیانتدار اور صاحبِ کمال کو اس کا نگہبان بنایا۔

زمانۂ سلف کے عظیم انسانوں کا یہ شاندار کردار ہے۔دعا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے بندوں کو یہ اعلیٰ کردار عطا کرے اور اسلام کی تمام تر خوبیوں سے انہیں مالا مال کرے۔آمین ثم آمین

زمانے کی قسم

از: ڈاکٹر سید عثمان شاہ قادری

ناظم دار العلوم لطیفیہ، حضرت مکان ویلور

سورۃ عصر مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی اور اس کی صرف تین آیات ہیں۔ یہ سورۃ بہت مختصر سی ہے لیکن ایسی جامع ہے کہ بقول حضرت امام شافعی اگر لوگ اس سورۃ کو غور و تدبر کے ساتھ پڑھ لیں تو دین و دنیا کی درستی کے لئے کافی ہو جائے۔

اس سورۃ میں حق تعالیٰ نے زمانے کی قسم کھا کر فرمایا کہ نوعِ انسان بڑے خسارے میں ہے اور اس خسارے سے منثنیٰ صرف وہ لوگ ہیں جو چار چیزوں کے پابند ہوں۔ ایمان، عملِ صالح، دوسروں کو حق کی نصیحت اور صبر کی وصیت تو یہ چار چیزیں ہیں جن میں پہلے دو چیزیں ایمان اور عمل اپنی ذات کی اصلاح کے متعلق ہیں اور دوسرے دو چیزیں حق اور صبر کی تلقین۔ دوسرے مسلمانوں کی ہدایت واصلاح سے متعلق ہیں۔

اس سورۃ میں پہلی چیز ایمان ہے۔ ایمان کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ کو ایک ماننا اور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا رسول ماننا۔ ایمانِ مجمل اور ایمانِ مفصل پر یقین رکھنا ہی ایمان ہے۔ اور اس سورۃ میں جو دوسری چیز بیان ہوئی وہ ہے نیک عمل یعنی سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو بھی فرمایا، جو کرنے کا حکم دیا اور جن کاموں سے منع کیا ان تمام باتوں پر عمل کرنے سے ہی دین و دنیا کا فائدہ حاصل ہوگا۔

ازل سے لے کر آج تک اور تا قیامت جن شخصوں کا نام روشن تھا، روشن ہے، اور روشن رہے گا جسے صحابہ کرام اولیاء اللہ صالحین صدیقین شہداء ان تمام ہستیوں کو اتنی بڑی کامیابی اور سرفرازی کیسے ملی۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے پیارے حبیب سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی اطاعت سے سچی غلامی و وفاداری سے یہ مقام حاصل ہوا۔ بغیر اطاعتِ خداوندا بغیر اطاعتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ بھی حاصل نہیں ہوسکتا۔

ایمان اور اعمالِ صالح کے بعد جس چیز کا ذکر اس سورۃ میں ہوا ہے وہ ہے حق کی نصیحت یعنی خود بھی ہمیشہ حق پر قائم رہنا اور دوسروں کو بھی حق پر قائم رہنے کی تاکید کرنا۔

جب ہم اپنے اسلافِ دین واکابرین کی زندگیاں دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے بزرگوں نے کس طرح حق کی خاطر اپنا سب کچھ قربان کر دیا۔ حضرت بلالؓ پر کتنے ظلم ہوئے تاکہ وہ حق کو چھوڑ دے۔ لیکن حضرت بلالؓ نے ہر ایک ظلم وستم کو برداشت کرلیا مگر حق کو نہیں چھوڑا، ہمیشہ حق پر ہی قائم رہے۔

حق والے حق پر رہیں گے سدا　　　ماریں گے مریں گے حق پر سدا

اس دارِ فانی میں جب بھی اہل حق نے حق کا اعلان کیا تو اہل باطل نے کبھی طاقت کے زور سے تو کبھی حکومت کے

زور سے حق والوں کو ستایا حق کو ختم کرنے کی ناکام کوششیں بھی کی ہیں۔
تھوڑی دیر کے لئے حق والے خاموش بھی رہے مگر آخر میں جیت تو حق والوں کی ہی ہوئی۔ کیونکہ باطل کو تو مٹنا ہی ہے جیسے کہ قرآن پاک میں ارشاد ہے۔ جاء الحق و زهق الباطل ان الباطل كان زهوقا۔ تو اسلافِ دین نے اپنے اعمال کے ذریعہ یہ بتا دیا کہ حق کے لئے کچھ بھی قربان کرنے کے لئے تیار ہونا چاہئے وہ اپنی جان ہی کیوں نہ ہو۔ تو ہمارے لئے اکابرین کی زندگیاں ایک نمونہ ہیں، تو ہمیں بھی چاہئے کہ کیسا بھی وقت کیوں نہ آجائے اور کتنی بھاری تکلیفیں کیوں نہ ہو لیکن ہمیشہ حق کے ساتھ رہیں اور حق پر قائم رہیں۔ چوتھی چیز ہے صبر۔ خود بھی صابر بنے رہنا اور دوسروں کو بھی ہمیشہ صبر پر قائم رہنے کی تاکید کرتے رہنا۔
صبر کی فضیلت کے لئے یہی بات کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ ان اللہ مع الصابرین۔ صبر کے علاوہ اور کتنے اچھے اچھے اوصاف ہیں مگر اللہ تعالیٰ نے ساتھ رہنے کا وعدہ تو صرف صابروں کے ساتھ کیا ہے۔ کیوں صبر میں ایسی کونسی خاص بات ہے۔ ہاں صبر میں ایک خاص بات ہے، صبر کی ایک الگ ہی خصوصیت ہے جو دوسرے اچھے اوصاف میں نہیں پائی جاتی وہ ہے کہ اگر کسی شخص کے اندر صبر پیدا ہو جائے تو صبر کے ساتھ اور تمام اچھے اوصاف بھی پیدا ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ صبر کا دائرہ بہت وسیع ہے ہر ایک اچھے وصف کے اندر صبر کا دخل ہے۔ مثلاً ایک مرتبہ حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے مہمانوں کے ساتھ دسترخوان پر تشریف فرما تھے۔ آپ کا غلام کھانا اور سالن دسترخوان پر لا کر رکھ رہا تھا۔ جب وہ گرم گرم سالن کا برتن لا رہا تھا اچانک اس کا پیر پھسلا اور گرم گرم سالن حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے چہرہ مبارک پر گرا۔ آپ نے غصہ کے ساتھ جب نوکر کو دیکھا تو نوکر کانپتے ہوئے یہ آیت پڑھی۔ والكاظمين الغيظ۔ تو آپؓ نے غصہ کو پی لیا اور پھر نوکر نے پڑھا۔ والعافين عن الناس۔ تو امام حسن رضی اللہ عنہ نے نوکر کو معاف کیا، نوکر نے یہ آیت پڑھی۔ واللہ يحب المحسنين۔ تو نوکر کو آزاد بھی کر دیا۔ تو اس واقعہ سے یہ بتانا مقصد ہے کہ غصہ کے وقت غصہ کو قابو کرنا تو اس میں بھی ایک قسم کا صبر پوشیدہ ہے۔
شجاعت ہو یا قناعت، عفت ہو یا حلم، ہر ایک اچھے وصف میں الگ الگ قسم کا صبر پوشیدہ ہے اسی لئے اللہ نے فرمایا جہاں صبر ہے وہاں میں ہوں۔
مذکورہ تفصیلات سے یہ تو معلوم ہو گیا ہو گا جن چار چیزوں کا اس سورۃ میں ذکر ہو وہ چار چیزیں کتنی اہمیت والی ہیں اور یہ سورۃ کتنی فضیلت والی ہے اسی لئے تو بتایا گیا کہ اگر صرف اس سورۃ العصر کو غور و تدبر سے پڑھ لیں تو دین و دنیا کی درستگی کے لئے کافی ہے۔
اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم تمام کو ان چار چیزوں پر ہمیشہ قائم و دائم رکھے اور نیک اعمال کی توفیق دے۔ آمین ثم آمین!!

سرکار آمر کلیمی شاہ علیہ الرحمۃ

از: مولوی سید نیاز احمد آمری جمالی

پرنسپل دارالعلوم جمالیہ، چنئی

میرے پیرو مرشد شمس المفسرین، سلطان العارفین، فرید العصر حضرت علامہ سید شاہ محمد عمر آمر کلیمی حسنی الحسینی چشتی القادری رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت گوناگوں صفاتِ محمودہ کی حامل ہے۔ آپ بیک وقت مفسرِ قرآن، واعظِ شریں مقال، معلم باکمال اور مربیِ سالکینِ طریقت تھے۔

ولادت باسعادت: آپکی ولادت ۱۹۲۷ء میں ہوئی۔ آپکی ولادت سے قبل آپ کے والدِ گرامی حضرت سید رضا علی رحمۃ اللہ علیہ نے خواب میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو دیکھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمارہے ہیں کہ میں عمر ہوں۔ جب صبح ہوئی تو حضرت حکیم سید رضا علی قدس سرہٗ کو یہ خوشخبری دی گئی کہ آپ کو لڑکا تولد ہوا ہے۔ آپ نے اپنے فرزند کا نام سید محمد عمر رکھ دیا کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرزند کی پیدائش سے قبل خواب میں جلوہ دکھا کر گویا یہ پیشن گوئی دے دی کہ اے رضا علی! تمہیں ایک ایسا فرزند نصیب ہوگا جس کے اندر عمر کے عشقِ مصطفیٰ کا جلوہ بھی ہوگا اور عمر کی حق گوئی و بے باکی کا پرتو بھی۔

پیر آمر کلیمی اور حبِ رسول: سرکار آمر کلیمی علیہ الرحمۃ کا مقصدِ زندگی حُبِ رسول تھا۔ آپ نے بیشمار بندوں کے دلوں میں محبتِ رسول کی روشنی بسادی۔ آپ کے اکثر بیانات اسی غرض سے ہوتے تھے کہ لوگوں کو مقامِ مصطفیٰ سے روشناس کروایا جائے۔ آپ کے بیانات کے عنوانات تھے ''مقامِ محمدی'' ''نورِ محمدی'' ''معراجِ محمدی'' ''ظہورِ محمدی'' ''عشقِ محمدی'' وغیرہ جو محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی نہ کسی حیثیت کو اجاگر کرنے کے لئے ہوتے تھے۔ آپ کے بیان کے یہ الفاظ بڑے پیارے اور عوام کے دلوں میں عشقِ رسول کو اتارنے والے ہوتے تھے۔ ''جو میرے نبی کی حیات کا انکار کرے وہ مردہ ہے''۔ ''جو میرے نبی کے علم میں کمی بتائے وہ کمینہ ہے''۔

آمری اشعار میں عشقِ رسول: آپ ایک قابل اور قادرالکلام شاعر تھے۔ آپکے اکثر و بیشتر اشعار عشقِ مصطفیٰ کے آئینہ دار تھے۔ اگر کوئی ان اشعار کو بار بار پڑھنے لگے تو یقیناً اُس کے جذبہ عشقِ رسول میں پختگی آجائے گی۔ چند اشعار بطورِ نمونہ پیش کئے جارہے ہیں ناظرین کو اندازہ ہوگا کہ کس طرح سرکار آمر پیا کے دل میں عشقِ رسول موجزن تھا۔

جان تم پہ کروں قربان مدینے والے
تم سے مجھ کو ملا رحمان مدینے والے
کون جانے تمہیں جانے تو خدا ہی جانے
تم سا کوئی نہیں انسان مدینے والے

☆☆☆

وظیفہ مرا رات دن اب یہی ہے
محمد محمد سدا ہے محمد
تری ذاتِ عالی کی تعریف کیا ہو
پسندِ خدا ہر ادا ہے محمد

☆☆☆

حلاوت وہ ہے پائی نامِ سرکارِ دو عالم میں
تصدق اس پہ ہونے کو مرا گھر بار آتا ہے

☆☆☆

ملے جس کو ہو تم اس کو یقیناً مل گیا سب کچھ
خدا اور خلق ساری مل گئی ہے یا رسول اللہ

☆☆☆

مرا نور والا پیارا محمد
دو عالم کی آنکھوں کا تارا محمد
نہ پوچھو کوئی مجھ سے میرے نبی کو
نظر والوں کا ہے نظارا محمد

سرکار آمر پیا کے اشعار میں مضمون کی نزاکت کے ساتھ سہل ممتنع کا جوہر پایا جاتا ہے۔ یہ آپ پر اللہ کا خاص کرم ورنہ شاعری کو آپ نے اپنا نصب العین نہیں بنایا تھا۔ آپ کا مجموعہ اشعار ''محوِ سجود'' کے نام سے شائع ہوا جسکے مقدمے میں آپ تحریر فرماتے ہیں۔

''مجھے شاعری کا دعویٰ کبھی نہیں رہا۔ شاعری جذبات نگاری اور خیالات کی عکاسی کا نام ہے۔ لہذا

میں نے اپنے احوال و مواجید، جذبات و کیفیات کو قالبِ شعر میں ڈھالنا شروع کر دیا۔ اس عمل سے میرا مقصد مشاعروں میں داد و صول کرنا تھا نہ خود کو شاعر و ادیب منوانا"۔

آپ کے فرزندِ ارجمند مفسرِ قرآن ابوالاحسان پیرزادہ مولوی سید محمد رضاء الحق آمری مدظلہ العالی آپ کے اشعار کی جاذبیت کے متعلق رقمطراز ہیں۔

"آپکی شاعری جب کسی کی نظر سے ایک مرتبہ گذر جاتی ہے تو اُسکی روح پر ور گونج سے اُس شخص کا حافظہ تادیر معرفت اور ماورائیت کی حسین وادیوں کی سیر کا لطف اٹھاتا رہتا ہے"۔

(عرضِ مرتب۔ محوِ سجود)

درسِ وحدۃ الوجود اور سرکار آمر پیا: وحدۃ الوجود ہمیشہ سے صوفیائے کرام کا نظریہ رہا ہے۔ صوفیاء نے یہ نظریہ قرآن و حدیث کی روشنی میں حاصل کیا ہے۔ بعض گمراہ کن نام نہاد صوفیوں نے وحدۃ الوجود کے نام پر ربّ و عبد کے امتیاز اور تعدد ذوات کی نفی کی ہے۔ سرکار آمر کلیمی شاہ علیہ الرحمۃ کا دامن اس ضلالت سے پاک ہے۔ آپ اپنا مسلک و موقف بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ

"تصوف میں میرا مسلک غیریتِ محضہ ہے نہ عینیتِ محضہ۔ وحدۃ الوجود میرا ایمان ہے اور تعددِ ذوات پر میرا یقین واذعان۔ الحاد و زندقہ، حلول و اتحاد جیسے عقائدِ فاسدہ سے میرا اور میرے پیرانِ طریقت کا کوئی تعلق نہیں ہے"۔

(محوِ سجود۔ دو چار باتیں)

آپ نے اپنی شاعری کے ذریعہ وحدۃ الوجود اور منازلِ سلوک کی تعلیم دی ہے۔ چنانچہ خود فرماتے ہیں۔

"میری شعر گوئی منازلِ سلوک کی تفہیم و تشریح اور طریقت کی اہمیت و افادیت کی تلقین و تبلیغ کا ایک وسیلہ ہے"۔

وحدۃ الوجود، عشق و معرفت اور منازل سلوک و تصوف پر مشتمل چند اشعارِ آمری ملاحظہ ناظرین کے لئے پیش کئے جا رہے ہیں۔

جہاں بھی کچھ کھنک پائی صدا آئی تو یہ آئی
ہر اک آواز میں شاہا کھلی تقریر ہے تیری
کہیں شاہی تری دیکھی کہیں ہے سلطنت تیری
کہیں تحمید ہے تیری کہیں تکفیر ہے تیری

☆☆☆

تمہاری یاد ہے تم ہو تمہارے ما سوا کیا ہے
یہاں کیا ہے وہاں کیا ہے زمیں کیا ہے سما کیا ہے
کسی کو دیکھنا اور پوچھنا پھر دل لگانا کیا
تمہارے ما سوا میں بھی تمہارے ما سوا کیا ہے

☆☆☆

مقامِ رب کی حقیقتوں سے ذرا بھی واقف جو ہو چکا ہے
تو وہ کہے ما سوا کا عالم بجز نمودِ سراب کیا ہے

☆☆☆

ترا ساتھ رہنا مرا وضو تری یاد مری نماز ہے
نہ کبھی رہونگا میں بے وضو نہ قضا کبھی یہ نماز ہے

☆☆☆

وجود کی سیر میں رہیں گے ہمیشہ ہم خیر میں رہیں گے
ہر اک تجلی کے مرتبہ کو سمجھ سمجھ کر ملا کریں گے

تصوف وسلوک میں سرکار آمر کلیمی علیہ الرحمۃ کا جو مقام ومرتبہ ہے اسکو واضح کرتے ہوئے آپ کے خلفِ اکبر حضرت علامہ سید محمد رضاء الحق علیمی شاہ صاحب دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں۔

''تصوف وسلوک آپکی شخصیت کا جز ولاینفک ہے آپ کی ہر صحبت میں تشنگانِ معرفت اپنی پیاس بجھاتے رہے ہیں۔ وحدۃ الوجود آپ کا ایمان ہے، عبد ورب کی ذاتوں کے درمیان آپ اثنینیت، دوئی، ضدیت اور غیریت کے قائل ہیں اور وجوداً ان دنوں میں رشتۂ عینیت کے نقیب ومبلغ۔ شرکِ جلی، شرکِ خفی، شرکِ اخفیٰ، اور شرکِ خفی الاخفیٰ سے اجتناب اور احتراز کی تاکید آپ کی تعلیم وتلقین کا طرۂ امتیاز اور لب لباب رہا ہے۔

(وحدۃ الوجود اور پیر آمر کلیمی شاہ)

آمری تفسیر اللہ رب العزت نے آپ کو تفسیرِ قرآن میں درکِ کامل عطا فرمایا تھا۔ آپ ہر سال ماہِ رمضان کی راتوں میں تفسیر قرآن کیا کرتے تھے۔ آپ تفسیر کے ذریعہ لوگوں میں فہم قرآن کے ساتھ تصوف ومعرفت کا اشتیاق بھی پیدا فرماتے۔ ان مجالس تفسیر میں عوام کی اصلاح کی جاتی اور انہیں پند ونصائح سے بھی نوازا جاتا تھا۔ جب آپ

نے تفسیر کا آغاز کیا تو آپکا عنفوانِ شباب تھا۔ لوگوں میں آپ کی تفسیر سننے کا حد درجہ شوق پیدا ہوا چنانچہ آپکی تفسیر شہر مدراس کی مختلف مسجدوں میں جاری کی گئی۔ ہفتہ کے سات دن سات مسجدوں میں آپکی تفسیر کا پروگرام تھا۔ آپ کے متعلق یہ مشہور ہے کہ آپ نے صرف ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' کی تفسیر مکمل ایک برس فرمائی۔ ماہِ رمضان میں آپ بعد نمازِ تراویح تفسیر کرتے اور سحری کے وقت تک آپکی تفسیر جاری رہتی۔ کثیر تعداد میں لوگ ہمہ تن گوش ہو کر آپکی تفسیر کو سنتے اور کوئی اکتاہٹ یا تھکان محسوس نہیں کرتے یہ آپ کی کرامت ہے۔ حافظ قرآن اگر نمازِ تراویح میں سوا پارہ پڑھ لیتا تو آپ روزانہ سوا پارے کی تفسیر کرتے تھے اور چھبیس راتوں میں تفسیر قرآن کا ایک ختم فرماتے۔ کئی برسوں تک یہ مقدس معمول جاری رہا یہاں تک کہ آپ علیل ہو گئے۔ ہر سال آپ کی تفسیر کا انداز جدا اور نکات تازہ ہوا کرتے تھے۔ اگر آپ کے بیان کردہ نکات کو اکھٹا کیا جائے تو کئی جلدوں پر مشتمل تفسیر قرآن ظہور پذیر ہوگی۔

شریعت کی پابندی اور سرکار آمر کلیمی علیہ الرحمۃ: آپ شریعت مصطفویہ کے حد درجہ پابند تھے۔ کسی کو خلافِ شرع کام کرتے دیکھتے تو فوراً ٹوک دیا کرتے تھے۔ حق گوئی میں آپ یکتائے روزگار تھے۔ اس سلسلہ میں آپ نے نہ رشتہ داروں کی رعایت کی اور نہ اہلِ ثروت سے مرعوب ہوئے۔ ''قل الحق ولو کان مر ا'' کی آپ جیتی جاگتی تصویر تھے۔ آپ کے مواعظِ حسنہ کو سن کر کئی لوگ نمازوں کے پابند ہو گئے اور بہت سے لوگوں نے اپنے چہروں کو داڑھیوں سے سجالیا۔ آپ اپنے مریدوں کی سخت گرفت فرماتے تھے اور انہیں پابندِ شرع اور متبعِ سنت مسلمان بنا دیتے۔

وصال: ۲۹ ماہِ محرم ۱۴۳۶ھ مطابق ۲۳ نومبر ۲۰۱۴ء بروز اتوار صبح کے وقت آپ اپنے رفیقِ اعلیٰ سے جا ملے۔ آپ کے دیدار کے لئے لوگ دور دراز مقامات سے آئے۔ لوگوں کی قطاریں کھڑی ہو گئیں۔ آپکی نمازِ جنازہ مسجدِ والا جاہی میں پڑھائی گئی۔ شہرِ مدراس میں نمازِ جنازہ کے موقع پر اتنی کثیر تعداد میں لوگوں کا ہجوم پہلی بار دیکھا گیا۔ یہ عنداللہ والرسول آپ کی مقبولیت کا ثبوت ہے۔ آپ کے جسدِ عنصری کو سنگا سترم میں مدرسۂ آمر کلیمی کے قریب سپردِ خاک کیا گیا۔ آپکا مزار پر انوار مرجع خلائق ہے اور روزانہ زائرین آپکی بارگاہ میں حاضری دیکر آپ سے استفادہ اور اکتسابِ فیض کر رہے ہیں۔

مولیٰ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ سرکار آمر کلیمی شاہ علیہ الرحمۃ والرضوان کی دینی خدمات کو قبول فرمائے اور آپ کے درجات کو لمحہ بہ لمحہ بلند فرمائے اور ہم مریدوں کو آپکے روحانی فیض سے ہمیشہ مالا مال فرمائے۔ آمین بجاہِ النبی الامین علیہ و آلہ الصلاۃ والتسلیم۔

وما علینا الا البلاغ

حقیقتِ دُنیا

از: حضرت مولانا مولوی سید محمد ابراہیم باقوی

نرسمہ راجپورہ

وما الحیوۃ الدنیا الا تعبُ والھو (پارہ ۷) و قال الرسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم الدنیا جیفۃ و طالبھا کلاب۔او کما قال علیہ الصلوۃ والسلام

دنیا کی حقیقت بیان فرماتے ہوئے ربِ کائنات نے ارشاد فرمایا دنیاوی زندگی محض کھیل تماشے کے سوا کچھ نہیں وہ دنیا جس کے حاصل کرنے کے لئے ہم دن رات دن کا چین، رات کا آرام سب کچھ قربان کرتے۔آخر اس دنیا سے مراد کیا ہے۔مولانا رومؒ نے فرمایا۔

چیست دنیا از خدا غافل بدن
نے خماش و نقرہ و فرزند و زن

دنیا کیا ہے؟ دنیا خدا سے غافل ہو جانے کا نام ہے۔مال و دولت، سونا چاندی، بیوی بچے دنیا نہیں ہیں۔یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ انسان ان چیزوں کی محبت میں غرق ہو جائے اور اس کے پیچھے پڑھ جاتے ہیں۔اس دنیا کو کتاب اللہ اور حدیثِ رسول ﷺ نے محض کھیل تماشہ سے اور اس کے طالب کو کتے سے تعبیر فرمایا ہے۔

آیئے! اس فرمانِ نبوی کو سامنے رکھ کر دنیا اور دنیاداروں کا جائزہ لیتے چلیں۔سرکارِ مدینہ ﷺ نے طالب دنیا کو کتا قرار دیا ہے۔حالانکہ کتے کے علاوہ کوّا بھی مردار خور ہے۔مگر سرکار نے دنیا داروں کو کوّے سے تشبیہ نہیں دی ہے۔بزرگوں نے اس کے تحت بہت ساری حکمتیں بیان فرمائی ہیں۔

کوّے کے مقابلے کتے میں چند ایسی خصلتیں پائی جاتی ہیں کہ جو کوّے میں نہیں پائی جاتی ان کی وجہ سے کتا کوّے سے ممتاز بن جاتا ہے۔کتا اور کوا دونوں ہی مردار خور تو ہیں لیکن دونوں مین بڑا فرق ہے۔کوا جب مردار کو دیکھتا ہے تو کائیں کائیں کر کے دوسرے کوّں کو بھی جمع کر لیتا ہے۔خود اکیلا منہ تک لگانا گوارا نہیں کرتا۔اس کے برخلاف کتے کی نگاہ مردار پر پڑتے ہی اس مردار کو فوراً اپنے قبضے میں لے لیتا ہے۔دوسرے کتوں کو اطلاع دینا تو درکنار کسی کو پاس

پھٹکنے نہیں دیتا، بلکہ مردار کو اکیلا ہی چٹ جاتا ہے۔پھر کوّا مردار کے پاس سے اڑ جاتا ہے،اور اپنے ٹھکانے پر چلا جاتا ہے۔جبکہ کتا اس کے برخلاف دن رات مردار کے پاس ہی پڑا رہتا ہے جب تک مردار ختم نہیں ہوجاتا وہاں سے ہٹنے کا نام نہیں لیتا۔ایسے ہی کوّا مردار کے پاس جاتا ہے تو صرف نرم گوشت کھاتا ہے اور جبکہ اس کا پیٹ بھر جاتا ہے تو ہاں سے ہٹ جاتا ہے۔مگر کتا مردار کا نرم گوشت ہی نہیں بلکہ ہڈیاں تک بھی چبا جاتا ہے۔

محترم حاضرین! بالکل اسی طرح ایک دنیادار ہمیشہ دنیا کی فکر میں لگا رہتا ہے۔چاہتا ہے کہ ساری دنیا کا وہ مالک بن جائے۔کسی اور کو ذرہ بھی حصہ نہ ملے۔اسی لئے ایک دنیادار دوسرے دنیادار کو ختم کردینے کی سوچا کرتا ہے۔ایک دنیادار کو نہ اپنے آرام کا خیال ہے نہ سکون ،دن رات جاگتے میں ، بیداری میں ،سوتے میں ہر وقت دنیا سے چمٹا رہتا ہے ۔ایک لمحے کے لئے بھی اس سے جدا ہونا گوارا نہیں کرتا۔اسی مناسبت سے آقائے دوجہاں سید العربِ والعجم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیادار کو کوّے کی بجائے کتّے سے تشبیہ دی ہے۔دنیا کی حقیقت کو حضرت علامہ فدوی باقویؒ نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔ــ

جانتا ہوں میں ساتھی رنگ و بو کی دنیا
دور دور ہی رہ کر دیکھنے کے قابل ہے
کوئی بخت کا مارا ہوگیا اس کا
پھر یہی حسین دنیا طوق ہے سلاسل ہے

اسلام اپنے پیروکاروں کو کسبِ دنیا سے منع نہیں کرتا بلکہ اس بات کی پوری اجازت دیتا ہے کہ حلال طور سے کمائے اور دنیا سے اس کا قلبی لگاؤ نہ رہے۔اور ایک سیکنڈ کے لئے بھی دنیا کی محبت میں غرق ہوکر اپنے خالق ورزاق کو فراموش نہ کرے۔بلکہ اس دنیا کو آخرت کے آرام وسکون کے حصول کا ذریعہ بنالے۔جیسا کہ فخرِ کونین جنابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔الدنیا مزرعۃ الاخرۃ۔دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔عقل مند وہی ہے جو اس دنیا کو ہی آخرت میں ڈھال لے۔ آیئے ان فرزندانِ توحید ورسالت کی زندگی کا جائزہ لیں جنھوں نے قیامت کے لئے تمام انسانوں کو اپنی زندگی بنانے اور سنوارنے کی ایک مثال قائم فرمائی۔

محترم قارئیں کرام! یہ وہی اللہ والے تھے جن کے سامنے دنیا بن سنور کر آئی مگر انہوں نے دنیا کی پروانہ کی بلکہ

اسے اپنے قدموں تلے روندا اور آگے بڑھ گئے دنیا اور دنیا کی ہر چیز پر آکرت کو اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضامندی اور خوشنودی کو ترجیح دینا جن کا خاصہ تھا۔

خود سید الکونین جنابِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ ساری کائنات کے لئے عظیم الشان نمونہ ہے۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ ایک مرتبہ سرکا ﷺ کے ہاں مالِ غنیمت پہنچا۔ یہ وہ نازک وقت تھا کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے یہاں نہ آملا تھا اور نہ چراغ جلانے کے لئے تیل۔ حضرت صدیقہؓ نے پڑوسن سے یہ دونوں چیزیں قرض لے رکھی تھیں۔ سرکا ﷺ نے حکم فرمایا۔ عائشہ سارا مال غنیمت سونے سے پہلے راہِ خدا میں خرچ کردو تا کہ دنیا آخرت کے لئے سامان عیش بن جائے۔ حضرت صدیقہؓ نے سارا مال صدقہ خرچ کر دیا۔ اتفاقاً سرکا ﷺ کے تکیہ کے نیچے کسی طرح سے ایک درہم رہ گیا حضرت عائشہؓ کو رات میں اس کا علم ہوا حضرت عائشہؓ نے فرمایا۔ یا رسول اللہ سارا مال راہِ خدا میں تو ہو گیا مگر کسی طرح یہ ایک درہم رہ گیا صبح کو اسے راہِ خدا میں خرچ کردوں گی۔ مگر سامعینِ کرام! سرکار کی حالت یہ کہ ساری رات بستر پر لوٹتے رہے جیسا کہ کوئی آدمی کرب و بلا میں گرفتار رہ کر لوٹتا ہے۔ حضرت صدیقہؓ نے پوچھا۔ یا رسول اللہ! روحی فداک! اس طرح پریشان حال کیوں ہو؟ سرکا ﷺ نے فرمایا۔ عائشہ مجھے خوف ہے کہ ایسی حالت میں کہیں موت نہ آجائے کہ میں اپنے پیچھے ایسی دنیا چھوڑ جاؤں جو میری آخرت میں میرا ساتھ نہ دے۔ اللہ اکبر اس قدر عبرت انگیز واقعہ ہے جو ہر کلمہ توحید کے پڑھنے والے کو پکار پکار کر دعوتِ عمل دے رہا ہے۔ دیکھا آپ لوگوں نے۔ یہ وہ عظیم ذات گرامی جس کی عظمت و سربلندی و تقرب الی اللہ کے کیا کہنے اس ذات کو جب آخرت کی فکر اس قدر لاحق ہو اور دنیا کو عیش آخرت کا ذریعہ بنا رہے ہوں تو ذرا سوچیں اور خوب سوچیں کہ ہمیں کیا کرنا ہے۔ جب ہم سب سر سے پیر تک دنیا میں ڈوگتے ہوئے ہیں۔ جبکہ دنیا کے حاصل کرنے کی فکر میں خدا اور خدا کے عذاب کو اور آخرت کو بھول گئے ہیں۔ اسلام نے ایسی حالت ہی سے منع کیا ہے کہ تم دنیا میں اس قدر غرق نہ ہو جاؤ کہ تمہاری آخرت برباد ہو جائے۔

مرزز قارئین! لگے ہاتھوں تاریخ اسلام کا ایک اور زرین باب آپ کی خدمات میں پیش کیا جا رہا ہے۔ دیکھتے چلیں حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا دورِ خلافت ہے۔ مدینہ منورہ قحط سالی کی زد میں آگیا تھا۔ لوگوں کے پاس روپیہ پیسہ تو تھا مگر سامان خورد و نوش میسر نہ تھا۔ خود امیر المومنین بے حد پریشان تھے۔ اُس وقت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا تجارتی قافلہ ملک شام کی سرحد تک آیا۔ روایات میں آیا ہے کہ قافلہ کا پہلا اونٹ مدینہ میں تھا تو آخری اونٹ شام میں

۔لوگوں میں اس قافلہ کی آمد سے خوشی کی لہر ڈور گئی۔مدینے کے بڑے بڑے تاجر سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے اور سامان خورد ونوش ایک نہیں دو نہیں بلکہ گنا قیمت پر مانگا مگر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ اس وقت مجھے بہترین موقع ملا ہے کہ خوب نفع کما لوں۔ابھی مدینہ کے تاجر واپس گئے ہی تھے کہ امیر المومنین حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ تشریف لے آئے اور فرمایا عثمان غنیؓ تمام سامان خود ونوش اصل قیمت پر بیت المال کو بیچ دو اور بیت المال سے لوگوں تک پہنچے گا۔حضرت عثمانؓ نے فرمایا یہ بہترین موقع ہے میں جتنا چاہوں نفع کما لوں۔مدینے کے تاجروں نے چار گنا قیمت پر مال خریدنا چاہا مگر میں نے نہیں دیا۔اب آپ کو کیسے دونگا؟۔حضرت عثمانؓ کا یہ جواب سن کر حضرت فاروق اعظم نے فرمایا اے عثمان تیرے دل میں دنیا کی اتنی محبت تعجب ہے،لعنت ہے تیری دنیا پر،یہ فرما کر چل دئے۔تھوڑے وقفہ کے بعد مدینہ کی گلیوں میں کوئی منادی نداد ے رہا تھا کہ لوگوں! بوریاں لے کر عثمانؓ کے گھر آؤ اور سامان خورد ونوش مفت لے جاؤ۔یہ سننا ہی تھا کہ حضرت فاروق اعظمؓ دوڑے دوڑے حضرت عثمانؓ کے پاس گئے اور انہیں سینے سے لگا لیا اور فرمایا اے عثمانؓ واقعی آج تم جو منافع کما رہے ہو مدینے کے تاجر تو کیا ساری دنیا کے تاجر مل کر بھی نہ دے سکیں گے۔اللہ اکبر! دیکھ لیا آپ لوگوں نے حضرت عثمانؓ نے کس طرح دنیا کو آخرت کا ذریعہ بنالیا،اور کس طرح اللہ کی رضامندی اور رسول اللہ کی خوشنودی حاصل کی۔قرآن پاک ہمارے سامنے یہی نظریہ پیش کرتا ہے کہ مال ودولت یا اولاد یہ وہی چیزیں ہیں جس کی محبت میں غرق ہو کر انسان خدا سے غافل ہو جاتا ہے تو یہ تمام چیزیں ہمارے حق مین دنیاوی زندگی کی زیب وزینت بن کر رہ جاتے ہیں۔مگر جب ہم ان چیزوں کی محبت کو اللہ کی خالق ورزاق کی محبت وخوشنودی اور رجامندی کی خاطر ٹھکرا دیں تو یہی چیزیں ہمارے حق میں باقیات الصالحات بن جاتے ہیں۔جیاس کہ ارشادِ ربانی ہے۔المال البنیون زینة الحیوة الدنیا والباقیات الصالحات عند ربك توابا و خیرا مدد۔ خداوندِ قدوس ہم سے مخاطب ہے مال اور اولاد دنیوی زندگی کی زیب وزینت ہیں مگر باقی رہنے والی نیکیاں تمہارے پروردگار کے نزدیک بہت بہتر ہیں۔

اور یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ جو آدمی جس چیز سے محبت کرتا ہو اور اس کے ساتھ دلی لگاؤ رکھتا ہو عقلاً ونقلاً اس پر ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ اپنی محبوب چیز کو ہمیشہ ہمیشہ اپنے ساتھ رکھنے کی کوشش کرے۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طریقۂ کار کی رہنمائی فرمائی ہے۔جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے سرکار نے ارشاد فرمایا جب آدمی مرجاتا ہے تو اس سے اس کے عمل کا تعلق کٹ جاتا ہے۔مگر تین اعمال ایسے ہیں جن کا تعلق قیامت تک قائم رہتا ہے۔پہلا صدقہ جاریہ،یعنی قومی

مفاد کے لئے کوئی کارنامہ انجام دینا جیسے مسجد بنا دینا، کنواں کھدوا دینا وغیرہ۔ دوسرا ایسا علم جو دوسروں کو نفع پہنچائے، تیسرا ایسی صالح اولاد کو چھوڑ جانا جو اس کے حق میں دعا کرتی ہو۔ ان تینوں کارناموں کے لئے اپنی کمائی ہوئی دولت اور سرمائے کو صرف کرنا۔ کیا ہی خوش نصیب ہیں وہ لوگ جنھوں نے ان تمام کارناموں کو انجام دے کر دنیا و آخرت کے لئے سامان عیش بنالیا۔

حضرت صدیق اکبرؓ، شیخنا غوث الاعظمؒ اور سیدنا امام اعظمؒ یہ وہ عظیم ہستیاں تھیں جنہوں نے لاکھوں کے سرمایے سے تجارت کی، خوب دولت کمائی مگر دولت سے دل نہ لگایا بلکہ اسے آخرت کا سامانِ عیش بنالیا۔ یہ سب حالات ہم سب کو عمل کی دعوت دے رہے ہیں۔ یہ دنیا یہاں کے بلند و بالا عہدے سلطنتیں، حکومتیں، عمارتیں، دولتیں جن پر انسان اتراتا ہے ان سب کی حقیقت جاننے کے لئے صرف یہ ایک واقعہ کافی ہے۔ آخر میں اس کا ذکر کرنا بھی مناسب سمجھتا ہوں۔ حضرت ابن سماک ایک مرتبہ ہارون رشید کے ساتھ تھے خلیفہ کو پیاس لگی، پانی پینے لگے، ابن سماک نے فرمایا امیر المومنین ذرا رک جایئے اور یہ بتایئے کہ ایک وقت ایسا آجائے کہ آپ کو پانی نہ ملے، ایک پیالہ پانی خریدیں گے تو قیمت کیا دو گے۔ ہارون نے کہا آدھی سلطنت دے دونگا۔ اس پر حضرت ابن سماک نے فرمایا اچھا امیر المومنین اب پانی نوش فرمالیجئے۔ جب خلیفہ پانی پی چکا تو پھر سے آپ نے پوچھا! امیر المومنین یہ بتایئے کہ جو پانی آپ نے پیا ہے وہ پیٹ ہی میں رہ جائے، پیشاب کے ذریعہ خارج نہ ہو تو اس کے نکلوانے میں کیا کریں گے۔ خلیفہ نے کہا بقیہ آدھی سلطنت خرچ کردونگا۔ اس پر ابن سماک نے فرمایا اس حقیقت کو اچھی طرح ذہن نشین فرمالیجئے کہ آپ کی پوری سلطنت ایک پیالہ پانی اور پیشاب کے چند قطروں کی قیمت کے سوا کچھ نہیں۔

محترم قارئین یہ چند مثالیں جو آپ کی خدمات میں پیش کی گئیں، اب ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم دنیا سے منہ موڑ کر خدا سے جڑ جائیں دنیا کو آخرت کے لئے سامان عیش بنانے کی سعی کریں۔ خدائے پاک ہم تمام مسلمانوں کو ایسی اچھی اور نیک توفیق عطا فرمائے کہ دنیا کا ہم صحیح استعمال کرسکیں۔ آمین

وآخردعوان الحمد لله رب العالمین۔

اخلاق وآداب کی باتیں

مولف: حضرت مولانا مولوی مفتی ابوالخیر سید شاہ شہادالدین قادریؒ

تاریخ پیدائش: 1898ء تاریخ وفات: 1965ء

پیش کش: حکیم سید محمد شاہ شاہِ عالم قادری

بن حاجی سید محمد شاہ بدرِ عالم قادری

سجادہ نشین خانقاہ ودرگاہ حضرت سید شاہ جامِ عالم قادری شطاریؒ

حضرت مولانا مولوی مفتی ابوالخیر سید شاہ شہاب الدین قادریؒ سادات کے گھرانے سے ہیں۔ اور آپ کا نسب ۴۳ واستوں سے حضرت امیرالمومنین علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ ورضی اللہ عنہ سے جاملتا ہے۔ آپ حضرت حکیم سید شاہ جمال الدین قادری شطاری کے بڑے فرزند ہیں۔ آپ 1898ء میں ترچنا پلی میں پیدا ہوئے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد بزگوار سے حاصل کی اور 1912ء میں دارالعلوم لطیفیہ میں داخل ہوئے۔ آپ حضرت مولانا مولوی حافظ الحاج شمس العلماء محی الدین سید شاہ عبدالطیف مکی قادری کے زیر سایہ اور قابل اساتذہ کی نگرانی میں علم کے مدارج طئے کرتے گئے۔ اور 1918ء میں تکمیل کی سند حاصل کی۔ 1919ء میں اسی مدرسہ میں مدرس کی حیثیت مامور ہوئے 1920ء میں حضرت مولانا مولوی حافظ الحاج شمس العلماء محی الدین سید شاہ عبدالطیف قادریؒ مکہ معظمہ ہوتے ہوتے وقت آپ کو اپنا جانشین بنا کر سلسلہ عالیہ قادریہ وغیرہ سے بیعت وخلافت سے مالا مال فرما کر آپ کو لطیفیہ کی دیکھ بھال کی ذمہ داری سونپ کر گئے۔ اور خطوط سے رابطہ قائم رکھے تھے۔ آپ 1937ء میں مدرسہ لطیفیہ کے صدر مدرسی پر فائز ہوئے۔ 1937ء سے 1943ء تک مدرسہ لطیفیہ ویلور کی صدر مدرسی پر مامور تھے۔ بتاریخ یکم مئی 1943ء میں صدر مدرسی سے دست بردار ہوگئے۔ آپ اس دوران اپنی ذمہ داری حسن وخوبی، ایمانداری کے ساتھ ادا کئے جو لاجواب ہے۔ حضرت مولانا مولوی مفتی ابوالخیر سید شاہ شہاب الدین قادریؒ کو فتوی نویسی میں مہارت حاصل تھی۔ چند اہم فتاوے جن کو آپ نے ترتیب دیا قابل دید ہیں۔

آپ سید جلال الدین حسین سید میر شیر شاہ رخ ابدالؒ کے 26 ویں پوتے ہیں۔ اور حضرت جلال الدین حسین مخدوم جہاں نیاں جہاں گشتؒ کے 24 ویں پوتے ہیں۔ جن کی درگاہ شریف اوچ میں ہے۔ آپ اپنے جدامجد سید شاہ جامِ عالم قادری شطاریؒ جنکی درگاہ شریف چنتامنی پٹی ضلع کرور (Karur) میں واقع ہے کے چوتھے سجادہ نشین تھے۔ اور حضرت سید عبدالرحیم قادری جنکی درگاہ شریف ویلپٹنم کیرلا میں واقع ہے کہ سجادہ نشین تھے۔ آپ 1965ء میں اس دارفانی

سے رحلت کر گئے۔اور آپ کا مدفن ترونا مل میں ہے۔

آپ کے ارشادات:

اخلاق وآداب کی باتیں

۱) حکماء نے کہا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کے ساتھ بھلائی کرنا چاہتا ہے تو اطاعت وفرمانبرداری الہام کردیتا ہے۔اور قنائت پسندی لازم کردیتا ہے۔اور دین کی سمجھ عطا کرتا ہے۔اور جب ارادہ کرتا ہے اس کے کسی شر کا تو اسکے دل میں مال ودولت کی محبت ڈال دیتا ہے۔اسکی نگاہ میں مال ودولت محبوب بنا دیتا ہے۔یہاں تک کہ اس کی دنیاوی خواہشات وتمنائیں بڑھ جاتی ہیں۔اور دنیاداری میں مشغول ہوجاتا ہے،نفسانی خواہشات اس پر سوار ہوجاتی ہیں،فساد و بگاڑ،بندوں پر ظلم اس پر سوار ہوجاتا ہے۔

۲) بندہ کا بھروسہ اللہ تعالیٰ پر کرنے سے اسکی خواہشات وتمناؤں کو برائی سے پاک وصاف کردیتا ہے۔اور اس کا ہر عمل اللہ تعالیٰ کے لئے خالص ہوجاتا ہے۔جو اپنے فساد وبگاڑ کو پوشیدہ رکھتا ہے اس کا انجام برا ہے۔

۳) ہر انسان وہی کاٹتا ہے جو بوتا ہے،بدلہ اسکو وہی دیا جاتا ہے جو وہ کرتا ہے۔

۴) علم وعمل کا پھل جانکاری کے ذریعے حاصل ہوتا ہے۔

۵) جو اپنے خواہشات کی پیروی کرتا ہے اس نے اپنا دین بیچ دیا دنیا کے عوض۔

۶) جو اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر راضی ہو دنیا کی کوئی طاقت اسکا کچھ بگاڑ نہیں سکتی۔

۷) جو اللہ تعالیٰ کے دئے ہوئے پر قناعت کرتا ہے تو اس کے دل میں حسد داخل نہیں ہوتا اور وہ کینہ وحسد سے محفوظ رہتا ہے۔

۸) لوگوں میں سب سے بہتر وہ ہے جسکا دین اس کی نفسانی خواہشات سے محفوظ رہتا ہے اور اس کا دل حرص وطمع سے خالی ہو اور اس کی تمام خواہشات اس کے رب کی اطاعت وفرمانبرداری کے ماتحت ہو۔

۹) حق کی مدد کرنا شرافت ہے،اور باطل کی مدد کرنا فضول۔

۱۰) بخیل اپنی نعمت کا خود نگہبان ہوتا ہے۔جو حرص ولالچ کا شکار ہوجاتا ہے۔اس پر دنیاوالوں کا ڈروخوف غلبہ ہوجاتا ہے۔

۱۱) جب انسان بے شرم وبے حیا ہوجاتا ہے تو اس پر بلائیں آنے لگتی ہیں۔اس کا علم اس کو کوئی فائدہ نہیں پہنچاتا ہے۔اس دوا کی مانند جو مریض کو بیماری سے نجات نہیں دیتی۔

۱۲) جاہل کا نافرمان ہونا اسکے نفس کی اطاعت ہے، جاہل اپنی خواہشات کی اتباع کرتا ہے اور دنیا کی تکریم و تعظیم میں اپنے نفس کی توہین کرتا ہے۔

۱۳) زمانے کی تین قسمیں ہیں

(۱) ماضی : یعنی گذرا ہوا جو تیری طرف کبھی لوٹ کر نہیں آئیگا۔

(۲) حال : جس میں تم ہو جو قائم نہیں رہے گا۔

(۳) مستقبل : یعنی آنے والا کل جس کے بارے میں کوئی نہیں جانتا، نہ اس کے حالات کے بارے میں کسی کو علم ہے۔

۱۴) جو کثرت خواہشات کی طرف مائل ہو وہ بڑے بڑے مصائب میں گر جائے گا۔ برے شخص کو اپنے حسن و اخلاق سے نصیحت کرو۔ اچھائی، اچھائی کا راستہ دکھاتی ہے۔ خوبصورت پر خوبصورتی دلالت ہوتی ہے۔

۱۵) فضول باتوں سے پرہیز کرو، اسلئے فضول باتیں تمہارے عیوب کو ظاہر کرے گی۔

۱۶) جہاں برا ہو اپنے دشمن سے ہوشیار رہو۔

۱۷) رنجیدہ آدمی کسی کو دوست نہیں بنا سکتا۔

۱۸) انسان کا ایمان اس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتا جب تک اس میں چار خصلتیں نہ پائی جائیں۔

(۱) ناامیدی کو چھوڑ دیں...... جو لوگوں کے سامنے ہے۔

(۲) اوروں کو وہی پسند کریں.... جو اپنے لئے پسند ہو۔

(۳) اللہ کی فطرات پر بھروسہ کریں

(۴) حسد سے محفوظ رہیں..... کیونکہ یہ دین کی فساد کی جڑ ہے۔ یقین کو کمزور کرتا ہے۔

۱۹) افلاطون کے تع؛ق سے کہا گیا ہے کہ سب سے اچھی چیز حق بات ہے۔ انسان کی مدح اس کی نفس ہی ہے۔

۲۰) چار چیزیں چار چیزوں کی طرف لوٹتی ہیں۔

خاموش مزاجی سلامتی کی طرف۔

بھلائی بزرگی کی طرف۔

سخاوت سیادت کی طرف۔

شکر زیادتی کی طرف۔

۲۱) جس نے اپنی تدبیر بگاڑی اس نے اپنے آپ کو ہلاک کیا۔

۲۲) جہالت کا پھل جھگڑے کا بڑھنا نعمتوں کا بند ہو جانا ہے۔ جو اپنی تدابیر و جہل سے بے خبر ہو گیا، اس نے مصائب و پریشانی کو کھڑا کر دیا۔

۲۳) جس نے اپنے غصہ کو قابو میں رکھا وہ حلیم ہو گیا۔

۲۴) جس نے معاف کر دیا وہ بلند ہو گیا، برتر ہو گیا۔

۲۵) جو چار چیزوں سے اپنے نفس پر قابو پالے گا، اس پر غلبہ حاصل کرلے گا اللہ تعالیٰ اس پر نارِ جہنم حرام کر دیگا

(۱) غصہ کے وقت۔

(۲) نفسانی خواہشات کے وقت۔

(۳) خطرے کے وقت۔

(۴) خواہش کے وقت۔

۲۶) جس نے دنیا کو آخرت کے بدلے مانگا پس اسکو نقصان ہے، اور جس نے آخرت کو دنیا کے بدلے مانگا وہ کامیاب ہو گیا۔

۲۷) ہر شخص اپنے قول و گفتگو سے پہچانا جاتا ہے۔ اور اس کے اعمال و افعال سے اس کی توصیف ہوتی ہے۔ پس اچھی بات کہو اور اچھے کام کرو، جو تعریف کے لائق ہو۔

۲۸) جس نے اپنے آپ کو پہچانا اور اپنی زبان کو قابو میں رکھا اور لایعنی کاموں سے اعراض کیا اور اپنے بھائی کی عزت اور آبرو کی حفاظت کی وہ ہمیشہ سلامت رہے گا۔

۲۹) سچائی میں عزت ہے، خاموشی میں حفاظت۔

۳۰) زیادہ بولنا، زیادہ سوال کرنا اچھی بات نہیں۔

۳۱) جو اپنے بھائی کی بے عزتی کرے گا وہ خود بے عزت و ذلیل ہو گا۔

۳۲) جو اپنے بادشاہ سے بغاوت کرے گا وہ قتل کیا جائے گا۔

۳۳) جس نے اپنے پڑوسی کو ذلیل کیا، اس کی کوئی عزت نہیں ہوتی، اور اس کو سعادت و نیک بختی نہیں ملتی۔

۳۴) اچھا صدقہ وہ ہے جو سوال سے پہلے دے دیا جائے۔

۳۵) جس نے اہم درجات میں ترقی کی وہ قوم کی نظر میں سرخرو ہو گیا۔

۳۶) جس نے اپنی ہمت کو بڑھایا اس نے اپنی قیمت و اہمیت کو بڑھایا۔

۳۷) جس نے بدخلق اختیار کی اس کا رزق کم ہوگیا۔

۳۸) جس نے مال کو برا سمجھا اُس نے اپنے آرزوؤں کو پالیا۔

۳۹) جس نے اپنے مال میں سخاوت اختیار کی وہ مشہور ہوگیا۔

۴۰) جس نے اپنی عزت کو اچھالا وہ ذلیل وخوار ہوگیا۔

۴۱) اچھا مال وہ ہے جو حلال طریقے سے کمایا جائے، اور اس کا اچھا خرچ نیک کاموں میں ہے۔ اور برا مال وہ ہے جو حرام طریقے سے کمایا جائے جو گناہوں میں خرچ ہو۔

۴۲) اچھی نیکی کمزوروں کی اعانت (مدد) کرنا ہے۔

۴۳) اچھی عادت اپنے حق کو بھول جانا اور جو اپنے اوپر دوسروں کا حق ہے اسکو یاد رکھنا۔

۴۴) جس نے تم پر احسانات کئے ہیں انکو نہ بھولنا۔

۴۵) جس نے ظلم کیا وہ اپنی ہلاکت کے قریب ہوا اور جس نے دشمن کو دراز کیا اس نے اپنے دشمن زیادہ کئے۔

۴۶) برا شخص وہ ہے جو ظالم کی مدد کرے اور مظلوم کی بے عزتی کرے۔

۴۷) جو کوئی کسی کے لئے کھڈا کھودتا ہے وہ خود اس میں گرتا ہے۔

۴۸) بات کا زخم تلوار کے زخم سے گہرا ہوتا ہے۔

۴۹) سلامت سے سلامتی ہے۔ جو بھلائی کی طرف چلا وہ کامیاب ہے۔

۵۰) جس نے آرام کیا وہ مراد سے محروم ہوگیا۔ جس نے کاہلی وسستی اختیار کی اُس کی امیدوں پر پانی پھیر گیا

حوالہ:

۱) آپ کی ڈائیری

۲) خطوط

۳) اللطیف ۱۳۸۸ھ

وما علینا الا البلاغ

اکیسویں صدی میں تصوف کی معنویت واہمیت
- تعلیمات تصوف کی روشنی میں

ڈاکٹر سید سجاد حسین
پروفیسر وصدر شعبۂ عربی، فارسی واردو،
مدراس یونی ورسٹی، چنئی

حضرت انساں خیر وشر سے مرکب ہے۔ جب بھی کسی قوم میں شر نے اپنی حد سے گذر کر بدکاریوں اور برائیوں کو ابھارا تو اللہ تعالی نے قوموں کی ہدایت اور رہنمائی کے لئے پیغمبروں کو مبعوث فرمایا اس طرح دنیا میں ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر آئے اور اپنی اپنی امتوں کے تئیں خیر سگالی وصلہ رحمی کا معاملہ فرماتے رہے اور یہ سلسلہ پیغمبر آخر الزماں حضرت محمد ﷺ تک جاری رہا۔ اس کے بعد خلفائے راشدین نے امت مسلمہ کی رہنمائی کرتے ہوئے کتاب وسنت پر عمل پیرائی کی ترغیب دلائی۔ بعد ازاں ائمہ کرام نے رشد وہدایت کے سلسلے کو آگے بڑھایا اور وہ امت مسلمہ کو راہ مستقیم پر چلنے کی دعوت دیتے رہے۔ اس طرح دعوت وتبلیغ کا یہ کام ہر دور میں کم وبیش ہوتا رہا حتی کہ اولیائے کرام، علمائے دین، مشائخ طریقت اور صوفیائے عظام نے اپنے رشحات وملفوظات اور اقوال واعمال سے امت مسلمہ کی ایسی تعلیم وتربیت فرمائی جس کی بدولت ایک طرف ایمان وایقان کی شمعیں روشن ہوئیں تو دوسری جانب اللہ اور اللہ کے رسول تک رسائی کی راہ ہموار ہوتی گئی اور انشاء اللہ العظیم قیامت تک یہ سلسلہ جاری رہیگا۔

اکیسویں صدی سائنس وٹکنالوجی کی حیرت انگیز ترقیات سے عبارت ہے۔ حیات انسانی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جہاں اس کے اثرات مرتب نہ ہوئے ہوں۔ عصر حاضر میں جہاں کمپیوٹر، انٹرنیٹ اور مواصلاتی نظام نے دنیا کو سمٹ کر گلوبل ولیج (Global Village) میں تبدیل کر دیا ہے وہاں مغرب کی ننگی وکھوکھلی تہذیب کی یلغار سے دنیا کا کوئی ملک اور کوئی معاشرہ محفوظ نہ رہ سکا۔ مادہ پرستی، بے ضمیری، بے دینی اور خواہشات نفسی عام ہوگئی ہیں۔ اخلاقی وتہذیبی زوال نے

انسانی اقدار کو پامال کردیا ہے۔ معاشرہ لوٹ کھسوٹ، دہشت گردی، استحصال پسندی کا مرتکب ہوگیا ہے۔ باپ بیٹا، ماں بیٹی، ساس بہو، شاگرد استاد اور بھائی بھائی کے مقدس رشتے اپنا وقار کھو چکے ہیں۔ دنیا سودی کاروبار کی لپیٹ میں آگئی ہے۔ انسانوں کے مابین خلوص، بھائی چارہ، رواداری اور ایثار وقربانی کا احساس باقی نہ رہا۔ آپسی میل جول، فلاح و بہبود اور ہمدردی کی بجائے بے حیائی عام ہوگئی ہے۔ دولت کمانے کی لالچ میں انسانیت خطرہ میں پڑگئی ہے۔ خون سستا اور پانی مہنگا ہوگیا ہے۔ ہر طرف قتل وغارت گری، مذہب کے نام پر دنگا فساد، خون خرابا، ذات پات کے نام پر عناد ودشمنی، فرقہ وارانہ منافرت کے سبب آج کی مہذب دنیا میں زندگی بسر کرنے والا ہر شخص اپنے آپ کو غیر محفوظ سمجھتا ہے اس لئے اکیسویں صدی کا معاشرہ جو چین وسکون اور امن وعافیت کی تلاش میں سرگرداں ہے اسے یہ امن وعافیت تصوف کی تعلیمات میں مل سکتی ہے۔

جو شخص اس بات کو تسلیم کرتا ہے کہ اسلام ہر دور کی ضرورت ہے تو اس کو یہ بات بھی تسلیم کرنا پڑے گی کہ تصوف بھی ہر دور کی ضرورت ہے۔ تصوف اسلام کے مختلف اجزاء میں سے ایک اہم جزو ہے۔ رسول اکرم ﷺ کی بعثت کے مقاصد میں تلاوت آیات قرآنی، تعلیم کتاب الٰہی اور تزکیہ نفس کا تذکرہ بھی آتا ہے۔ جس طرح تعلیم کتاب کے بغیر اسلام نامکمل ہے اسی طرح تزکیہ نفس کے بغیر معرفت الٰہی ناممکن ہے۔ تصوف کا بنیادی مقصد تزکیہ نفس کا حصول ہے جو کہ رضائے الٰہی، قرب الٰہی اور دینی ودنیوی سعادت کے حصول کا ذریعہ ہے۔ لہٰذا معلوم یہ ہوا کہ تصوف کے بغیر کوئی انسان کامل مسلمان نہیں ہوسکتا۔ جب تک کوئی کامل مسلمان نہیں بنتا تب تک وہ کامل انسان بھی نہیں ہوگا۔ اسی لئے تصوف کو قرآنی اصطلاح میں تزکیہ نفس اور حدیث کی اصطلاح میں احسان کہتے ہیں۔ بعض علمائے متاخرین کے نزدیک تصوف فقہ باطن کا نام ہے اسی لئے تصوف کو روح عمل بھی کہا گیا۔ حضرت امام مالکؒ کا ارشاد ہے کہ ''جس نے فقہ سیکھی اور تصوف نہیں سیکھا وہ فاسق ہوگیا اور جس نے تصوف سیکھا اور فقہ نہ سیکھی وہ زندیق ہوگیا اور جس نے دونوں کو جمع کیا وہ محقق کہلایا'' چنانچہ اخلاقیات کے نکات اور بے ثباتی عالم جیسے مضامین تصوف میں داخل ہوکر ہماری عملی زندگی کے تزکیہ کا سامان مہیا کرتے ہیں۔ مشائخ وصوفیاء حقیقت، شریعت، طریقت اور معرفت کے علمبردار ہیں جو جملہ میراث انبیاء ہیں۔ کسی شاعر نے کیا ہی خوب کہا ہے

ہے شریعت میں عبادت تن کے ساتھ
ہے طریقت میں عبادت من کے ساتھ
در حقیقت ہے عبادت جان سے
معرفت میں دید ہے سبحان سے

حضور اقدس ﷺ کی زندگی میں صحابہ کرام کے یہاں اس کا تصور موجود تھا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ وہ پہلے شخص تھے جنھوں نے اپنا سارا مال واسباب رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر کیا اور جب حضور نے فرمایا کہ اہل وعیال کے لئے کیا چھوڑا تو آپ نے برجستہ جواب دیا اللہ اور اس کے رسول کو۔ حضرت شیخ ابوالنصر طاؤس الفقراء کہتے ہیں کہ یہ فقرہ توحید کے رنگ میں ڈوبا ہوا پہلا صوفیانہ ارشاد تھا جو انسانی زبان سے ادا ہوا۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ کے نزدیک چودہ ہاتھ لمبی چادر تھی جس کو آپ نماز تہجد اور تلاوت کے وقت اوڑھ لیتے تھے۔ اس چادر کو اوڑھنے سے کفن کی جانب اشارہ ہے تا کہ نفس ہر وقت موت کو یاد کر سکے۔ اسی مناسبت سے صوفیائے کرام کے ہاں خرقہ پوشی کی سنت چلی آ رہی ہے۔ ڈاکٹر میر ولی الدین مولف 'قرآن وتصوف' فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے لفظ 'تصوف' کو امیر معاویہ نے اپنی تحریر میں استعمال کیا تھا اور سب سے پہلے صوفی ابو ہاشم کوفی المتوفی ۱۵۰ھ کہلائے جو حضرت صفیان نوریؒ کے ہمعصر تھے۔

تعلیمات تصوف کی پہلی منزل وسیلہ تلاش کرنا ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے کہ **یا ایھا الذین امنو اتقو اللہ وابتغو الیہ الوسیلۃ وجھدوا** (اے ایمان والو اللہ کی راہوں میں وسیلہ تلاش کرو اور جہاد کرو اپنے نفسوں سے) ایک اور جگہ اللہ کا فرمان ہے کہ **اطیعو اللہ و اطیعو الرسول و اولی الامر منکم** (اطاعت کرو اللہ اور رسول کی اور ان کی جو صاحب امر ہیں) حدیث پاک میں آیا ہے کہ **المومن مراۃ المومن** (ایک مومن دوسرے مومن کا آئینہ ہے) جس طرح اپنی صورت کا مشاہدہ کرنے کے لئے ایک آئینے کی ضرورت ہوتی ہے مرشد کامل بھی یہی کام انجام دیتا ہے اور مرید کو خدا شناسی کی طرف لے جاتا ہے۔ ہر چند کے جسمانی ولادت والدین سے ہے لیکن معنوی ولادت مرشد کے ساتھ

مخصوص ہے۔ جسمانی ولادت کی زندگی چندروزہ ہے ولادت معنوی کی زندگی دائمی وابدی ہے۔ جس طرح دنیا میں علوم ظواہر سکھانے کے لئے استاد کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح مرشد مرید کی باطنی تربیت کرتا ہے۔ اس کو بارگاہ الٰہی کے آداب اور عشق ومحبت سے آراستہ کر کے اس کے نفس کے عیوب کی اصلاح کرتا ہے۔ جس کے نتیجہ میں مرید بھی شیخ سے اس قدر ٹوٹ کر محبت کرتا ہے کہ وہ آخر کار فنافی الشیخ کا درجہ حاصل کر لیتا ہے۔ سرور دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ شیخ کا درجہ اپنے مریدوں میں ایسا ہی ہے جیسا نبی کا اپنی امت میں ہوتا ہے۔ حضرات صوفیا نے فرمایا ہے کہ **من لا شیخ له فالشیطان شیخه** جس کا کوئی ہادی ورہبر نہیں شیطان اس کا مرشد ہے۔ پس مرید کو چاہئے کہ امور بشری میں شیخ کو اپنے لئے رہنما تصور کرے اور امور خداوندی میں شیخ کو مثل پیغمبر تصور کرے۔ عوارف المعارف میں شیخ شہاب الدینؒ فرماتے ہیں کہ شیخ وہ ہستی ہے جس سے مطالب الٰہیہ حاصل کئے جائیں۔ اسی لئے عصر حاضر میں امت مسلمہ کو مرشدان کامل کی رہنمائی نہ ملنے کے سبب بے راہ روی کا شکار ہوگئی ہے۔ اکبرالہ آبادی نے کیا خوب کہا ہے؛

نہ کتابوں سے نہ وعظوں سے نہ زر سے پیدا
دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

صوفیائے کرام اور مشائخ طریقت تزکیہ نفس کو تصوف کی اولین شرط قرار دیتے ہیں۔ حضرت ذوالنون مصریؒ کے نزدیک نفس کی متابعت درحقیقت حق کی مخالفت ہے۔ نفس کی سب سے زیادہ ظاہر صفت شہوت ہے۔ نفس امارہ اور نفس لوامہ اسی شہوت پرستی سے عبارت ہیں جب کہ نفس مطمئنہ ذکر وعبادت اور خیر کی تحریکیں دلاتا ہے اور انسان کو جنت کا حق دار بنادیتا ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے **یا ایتھا النفس المطمئنة ارجعی الی ربک راضیة مرضیة فاد خلی فی عبدی وادخلی جنتی** (اے نفس مطمئنہ اپنے رب کی طرف لوٹ اور اس کے بندوں میں شامل ہو کر جنت میں داخل ہو جا۔) لہذا صوفیاء معرفت نفس کو افضل سمجھتے ہیں جب تک نفس کا مکمل تزکیہ نہیں ہوتا اس وقت تک قلب میں نورانی کیفیت پیدا نہیں ہوتی اسی لئے قرآن میں فرمایا گیا ہے **قد افلح من زکاها** (اس نے فلاح پائی جس نے نفس کا تزکیہ کیا۔) غرض کبر، بخل، حسد اور غصے کو ختم کر کے تمام خواہشوں اور لذتوں سے پاک ہوجانا ہی معرفت نفس ہے۔ حضرت ابوالحسن نوریؒ

فرماتے ہیں التصوف ترک کل حظ النفس (تصوف تمام لذات نفسانی کو ترک کردینے کا نام ہے۔) اگر انسان معرفت نفس کو پالیا تو سمجھئے کہ معاشرے کے اندر ایسی سماجی برائیاں جو بغض و کینہ، بدسلوکی و بداخلاقی، غیبت وخیانت، دہشت گردی و بددیانتی، سودخوری و بدکاری کے روپ میں راہ پاگئی ہیں کا سدباب کیا جاسکتا ہے۔ تزکیہ نفس سے متعلق اکابر اہل طریق نے بڑی ہی عمدہ باتیں بتائی ہیں جن پر عمل پیرا ہو کر ایک صالح معاشرہ کی تشکیل عمل میں لائی جاسکتی ہے۔

۱۔ اگر نیک اعمال کرے تو ریاء کاری کو دخل نہ ہو۔

۲۔ جب بھی گفتگو کرو تو طمع کی بو نہ آئے۔

۳۔ جب کسی کو کچھ دے تو ہرگز اس سے منت و معاوضہ نہ لے۔

۴۔ جب کوئی کام کرے تو یہ سمجھے کہ اللہ دیکھ رہا ہے۔

۵۔ جب کوئی بات کرے تو یہ سمجھے کہ اللہ تعالیٰ سن رہا ہے۔

۶۔ اسی طرح درویشی کو تونگری سمجھنا، بھوک میں سیری کا احساس ہونا، غم کو خوشی سمجھنا اور دشمن کو دوست سمجھنا گویا تزکیہ نفس کا بہترین آلہ کار ہے۔

اہل طریقت کے نزدیک تزکیہ نفس کے ساتھ تزکیہ قلب بھی لازمی جزو ہے۔ اس لئے راہ تصوف میں اصلاح قلب کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ آدمی کے جسم میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے اگر وہ درست ہو تو سارا جسم درست ہوگا۔ اور گر وہ خراب ہوگا تو سارا جسم خراب ہوجائے گا۔ اس لئے قلب کی صفائی بھی لازمی ہے۔ تزکیہ قلب کے لئے بنیادی شرط یہ ہے کہ انسان ہمیشہ نیک خیالات کو اپنے دل میں لائے اور اللہ کی نوازشوں، نعمتوں اور عجائبات پر غور وفکر کرے۔ ارشاد باری تعالی ہے وتفکرون فی خلق السموات والارض اور حضور اکرم ﷺ نے فرمایا قلوب المومنین عرش اللہ تعالی (مومنین کے قلوب عرش الٰہی کے مانند ہوتے ہیں۔) اسی لئے حضرت خواجہ بندہ نوازؒ نے ہر وقت باوضو رہنے، قبلہ رو بیٹھنے، مسواک کرنے اور تلاوت کلام کی تاکید کی ہے۔ غرض جب مومن تزکیہ قلب کی منزل کو پالیتا ہے تو اس کے اندر انکساری و عاجزی، سادگی و سپردگی کی صفات جنم لینے لگتی ہیں۔ وہ سراپا ادب بن جاتا

ہے۔تصوف کی زبان میں اسے اس طرح کہا جاتا ہے کہ جو ادب کو اختیار کرتا ہے وہ مرد کامل کے رتبہ تک پہنچ جاتا ہے اور جو ادب سے محروم رہ جاتا ہے وہ مقام قرب سے دور اور مقام قبول سے محروم ہو جاتا ہے۔ چنانچہ معلوم یہ ہوا کہ بندگی کے لئے ادب ضروری ہے اور اس ضمن میں کسی بھی طرح کی بے رخی یا سرکشی بے ادبی کے دائرہ میں آتی ہے۔حضرت شیخ ابن عطاءؒ کا ارشاد ہے کہ تم کو ظاہر و باطن دونوں حالتوں میں ادب اختیار کرنا ضروری ہے حتیٰ کہ صحابہ کرام کو ادب سکھانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا کہ تم رسول اکرم ﷺ کی آواز سے اپنی آواز کو بلند نہ کیا کریں۔

راہ تصوف میں تزکیہ نفس وقلب کی تعلیم کے بعد عشق و محبت کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ کیونکہ عشق مرید کے اندر دلیرانہ جذبات کو فروغ دیتا ہے اور اسے ایثار نفس پر مائل کرتے ہوئے جان و مال عزت و آبرو اور نام ونمود کچھ قربان کر دینا کا سلیقہ بھی سکھاتا ہے۔اس طرح عاشق میں ایسی استعداد پیدا ہو جاتی ہے کہ اس کے تمام اخلاق ذمیمہ اخلاق شریفہ میں بدل جاتے ہیں جیسے عداوت محبت کا رخ دھار لیتی ہے، بخل فیاضی میں بدل جاتا ہے، غرور نیاز کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ غرض یہ وہ اکسیر ہے جس سے خاک سونا ہو جاتی ہے۔اسی لئے حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء نے عشق کو تصوف کا مرکز و محور مانا ہے اور علامہ جلال الدین ذوانیؒ کا ارشاد ہے کہ عشق سے نفس میں لطافت اور روح میں نور پیدا ہوتا ہے اور طبیعت کی کثافتیں باطل ہو جاتی ہیں چنانچہ اصغر گونڈوی نے کیا ہی خوب کہا ہے

ذروں کا رقص مستی صہبائے عشق ہے
عالم رواں دواں بہ تقاضائے عشق ہے

اکابرین طریقت کا ماننا ہے کہ عشق و محبت سے میلان نفس اچھی چیزوں کی طرف زیادہ ہوتا ہے۔اسی لئے اہل ایمان سب سے پہلے اللہ اور اللہ کے رسول سے رشتہ استوار کرتے ہیں ارشاد باری ہے **والذین امنو اشد حبا لله** جو اہل ایمان ہیں وہ خدا سے شدید محبت رکھتے ہیں۔حضور اکرم کا ارشاد پاک ہے کہ تم میں سے کوئی مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے مال واولاد بلکہ اس کی جان سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔غرض محبت کا کمال یہ ہے کہ محبت کرنے والا بندہ خود خدا کا محبوب بن جاتا ہے اور اس طرح وہ ساری کائنات میں محترم ہو جاتا ہے۔کہا جاتا ہے کہ مرید

جب عشق کی منزل سے کامیاب گزر جاتا ہے تو اتحاد و محبت اور جذبہ خیر سگالی کے تحت دوریاں نزدیکیوں میں بدل جاتی ہیں، پیار و محبت کا ماحول پروان چڑھتا ہے اور امت مسلمہ کے اندر امن وسلامتی کے آثار نمودار ہونے لگتے ہیں۔

توبہ تعلیمات تصوف کا ایک اہم عنصر ہے۔ محبوب الٰہیؒ نے ارشاد فرمایا کہ جب کسی چیز سے توبہ کرو تو نیت بھی خالص رکھو۔ گناہ سے ایک بار توبہ کی جاتی ہے مگر اطاعت سے ہزار بار۔ جس اطاعت میں ریا کی آمیزش ہو وہ گناہ سے بھی بدتر ہے۔ توبہ کرنے والے کی تین قسمیں بتائی گئی ہیں

۱۔ عذاب کے ڈر سے جو توبہ کی جاتی ہے وہ بندوں کے لئے مخصوص ہے۔

۲۔ ثواب کی خواہش سے جو توبہ کی جاتی ہے وہ اولیاء اللہ کے لئے مخصوص ہے۔

۳۔ حصول عرفان کے لئے جو توبہ کی جاتی ہے وہ انبیاء و مرسلین کا حصہ ہے۔

توبہ کے شرائط جن کی طرف مرشدان کامل نے اشارہ کیا ہے وہ حسب ذیل ہیں

۱۔ ہر وقت شہوت سے بچے رہنا۔

۲۔ اپنی آنکھوں کو حرام چیزوں سے بچانا۔

۳۔ اپنے تن کو ظاہری وہ باطنی شہوتوں سے محفوظ رکھنا۔

۴۔ ہمیشہ حلال روزی و روٹی کا خیال رکھنا۔

۵۔ دنیا میں خیانت، غیبت، تہمت اور لذت نفسانی سے دور رہنا۔ جس نے نفس کی خواہش کو چھوڑ دیا وہ مراد کو پہنچ گیا اور تب چل کر اس کی توبہ قبول ہوتی ہے۔

صبر و رضا تصوف کی تعلیمات کا ایک امتیازی پہلو ہے۔ اللہ تعالی صبر کرنے والوں کو بہت عزیز رکھتے ہیں۔ ارشاد باری تعالی ہے ان اللہ مع الصابرین (اللہ بے شک صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔) ایک اور جگہ فرمان الٰہی ہے انما یوفی الصابرون بغیر حساب (صبر کرنے والوں کو اس کا بدلہ بے اندازہ دیا جائے گا۔) صبر کی حقیقت اتنی بڑی ہے کہ خدا نے اسے اپنی ذات سے منسوب کیا ہے اور اسی سے اس نعمت کی تکمیل ہوتی ہے۔ شیخ ابوالحسن بن سالمؒ کا قول ہے کہ

صبر کرنے والے تین قسم کے ہوتے ہیں۔ ا۔متصبر ۲۔صابر ۳۔صبار

اول الذکر وہ ہے جو کبھی صبر کرتا تو کبھی گھبرانے لگتا ہے۔ صابر وہ ہے جو فی اللہ اور للہ صبر کرے اور بے صبری نہ کرے مگر اسے نام و نمود کی توقع ہوتی ہے اور اس کے گھبرانے کا بھی امکان ہوتا ہے۔ صبار وہ ہے جو فی اللہ اور باللہ صبر کرے اور اگر اس پر تمام مصائب نازل ہو جائیں تو بھی وہ گھبراتا نہیں۔ ایک مرتبہ حضرت سری سقطیؒ لوگوں کو صبر کے بارے میں درس دے رہے تھے اتنے میں آپ کے پاؤں میں بچھو ڈنک مارنے لگا۔ لوگوں نے کہا آپ اسے ہٹاتے کیوں نہیں۔ آپ نے فرمایا مجھے اللہ سے شرم محسوس ہوتی ہے کہ میں صبر کی حالت کے بارے میں گفتگو کروں اور پھر فوراً اپنے اس کلام کی مخالفت بھی کروں۔

راضی برضا ہونا اہل طریق کی مخصوص پہچان ہے اور راہ سلوک کی آخری منزل بھی۔ اخلاص و یقین سے مقام رضا حاصل ہوتا ہے۔ ذوالنون مصریؒ کا ارشاد ہے کہ رضا قسمت کے فیصلے پر قلب کے خوش ہونے کا نام ہے۔ اسی لئے راضی برضا رہنے والا اپنی بساط سے زیادہ اور کسی چیز کی تمنا نہیں کرتا۔ حضرات صوفیا کو مقام رضا میں ایسی لذت محسوس ہوتی ہے کہ وہ اکثر رنج و مصیبت کی آرزو کرتے ہیں جس قدر مصائب جھیلتے ہیں اسی قدر قوت برداشت بڑھتی ہے اور اس میں ان کو مزا ملتا ہے۔ بقول غالبؔ؛

ان آبلوں سے پاؤں کے گھبرا گیا تھا میں
جی خوش ہوا ہے راہ کو پر خار دیکھ کر

حضرت علیؓ کا قول ہے کہ جو کوئی تسلیم و رضا کی مسند پر بیٹھے اسے اللہ کی طرف سے کوئی تکلیف نہیں پہنچتی اور شیخ یحیٰ بن معاذؒ فرماتے ہیں کہ مقام رضا پر فائز ہونے کے لئے چار اصولوں کی پابندی ضروری ہے۔

ا۔ وہ یہ کہ اے خدا جو کچھ تو مجھے دے میں قبول کرتا ہوں

۲۔ اور اگر تو نہ دے تو اس پر بھی راضی ہوں

۳۔ اور اگر تو مجھے چھوڑ دے تو میں اس وقت بھی تیری عبادت کرتا رہوں گا

۴۔ اگر تو مجھے بلائے تو ہر وقت تعمیل حکم کے لئے حاضر رہوں گا۔

تقویٰ اور مہمان نوازی تعلیمات تصوف کے اہم ستون ہیں۔ پاکی اور تقویٰ کو اسلام میں نصف ایمان کہا جاتا ہے۔ تقویٰ سے مراد ان تمام چیزوں سے پرہیز ہے جن سے دین کو نقصان پہنچنے کا خطرہ ہو۔ یہ نقصان دو طرح سے ہوسکتا ہے۔ حرام چیزوں سے اور معصیت کی طرف مائل ہونے یا حلال چیزوں کی زیادتی کے ساتھ رغبت رکھنے سے۔

مہمان نوازی صوفیا اور مشائخوں کا وطیرہ ہے۔ حضرت سید جلال الدین بخاریؒ فرماتے ہیں کہ ''جو شخص کسی زندہ آدمی کی ملاقات کو آئے اور اس کے یہاں کوئی چیز نہ چکھے تو گویا اس نے کسی مردے کی زیارت کی'' مہمان کو اپنے لئے باعث برکت سمجھا جائے اور اس سے غفلت نہ برتی جائے۔

ذکر و عبادت صوفیا و اولیاء کا اوڑھنا بچھونا ہے۔ ذکر سے مراد خدا کی یاد ہے۔ اہل طریق نے ذکر کے کچھ خاص آداب اور قسمیں بتائی ہیں۔

۱۔ زبان پر ذکر ہو لیکن دل میں نہ ہو

۲۔ زبان اور دل دونوں میں ہو مگر دل کسی وقت اس سے غافل بھی ہو جاتا ہے

۳۔ زبان اور دل میں ذکر برابر جاری ہو

۴۔ ذکر دل میں ہو اور زبان خاموش ہو

ارشاد باری تعالیٰ ہے **فاذ کرونی واذکرکم** (تم میرا ذکر کرو میں تمھارا ذکر کروں گا) ایک حدیث پاک کا مفہوم ہے کہ تم ذکر خدا یہاں تک کرو کہ لوگ تمھیں دیوانہ کہنے لگیں۔ ذکر یعنی عبادت الٰہی سے عشق کی تکمیل ہوتی ہے۔ مگر اس کے لئے ظاہر و باطن کا یکساں ہونا ضروری ہے۔ ذکر تلاوت کلام پاک کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ اس سے بہتر اور افضل کوئی عبادت نہیں۔ کلام پاک کی تلاوت سے بندہ اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوتا ہے جس سے بڑھ کر دنیا میں کوئی سعادت نہیں ہوسکتی۔

غرض تصوف کی معنویت اور ضرورت و اہمیت کو اکیسویں صدی میں جتنی شدت سے محسوس کیا گیا اس سے قبل اس کی ضرورت اتنی شدت سے محسوس نہیں کی گئی۔ اس وقت امریکہ و یوروپ پر ہی موقوف نہیں پوری دنیا نفسیاتی، تہذیبی اور

روحانی طور پر مضطرب و بے چین ہے۔انھیں کہیں جائے قرار وسکون نہیں مل رہی ہے۔ان پریشان حال لوگوں کی ذہن سازی کرنا اور انھیں تعلیمات تصوف کی دعوت دے کر اہل اسلام کے قافلے میں شامل کرنا وقت کا اہم تقاضا ہے۔ نیز اس عالمی صوفی کانفرنس کے ذریعے انھیں یہ پیغام دیا جاتا ہے کہ اسلام ایک ایسا عالمگیر امن پسند مذہب ہے جو رہتی دنیا تک دنیا کے سارے انسانوں کے لئے باعث رحمت، باعث امن وسکون اور آپسی محبت وسلامتی کا ضامن ہے۔اس میں کوئی دو رائے نہیں کہ تصوف کی تعلیمات کی بدولت سماجی برائیاں مثلاً حرص، لالچ، بغض، کینہ، غیبت، نفاق اور ریاکاری کا سدباب کرتے ہوئے معاشرہ میں صلہ رحمی خلوص، ہمدردی، میل جول اور رواداری کی فضا قائم کی جاسکتی ہے۔تشدد اور فرقہ واریت کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو روکا جاسکتا ہے۔عبادتوں میں خشوع وخضوع پیدا کیا جاسکتا ہے۔تقویٰ وپرہیز گاری کے ساتھ مذہبی رواداری کے جذبے کو امت مسلمہ کے دلوں میں ابھارا جاسکتا ہے۔ نیز تعلیمات تصوف کو عہد حاضر کے تقاضوں سے ہم آہنگ کر کے نئی نسل کے لئے مذہب اسلام کے سمجھنے کی راہ ہموار کی جاسکتی ہے اس طرح عالمی سطح پر ایک پرامن معاشرہ کی تشکیل عمل میں لاکر ساری دنیا کی مخلوق کو ایک پرچم تلے جمع کرنے کا ایک اہم فریضہ انجام دیا جاسکتا ہے۔اس عالمی صوفی کانفرنس کا مقصد ومنشا بھی یہی ہے اور ہمارے علمائے کرام اہل طریقت اور ماہرین تصوف کے خطابات اور مقالوں کا ماحصل بھی یہی ہے جو انھوں نے عالمی صوفی کانفرنس کے حوالے سے ساری دنیا کے سامنے پیش کیا ہے۔اب دیکھنا یہ ہے کہ اس کے کیا نتائج برآمد ہوتے ہیں۔بقول شخصے:

دیکھئے اس بحر کی تہہ سے اچھلتا ہے کیا
گنبد نیلو فری رنگ بدلتا ہے کیا

☆☆☆☆☆

طب یونانی۔ مسلمانوں کی قومی میراث

ڈاکٹر قاضی حبیب احمد
پروفیسر، شعبہ عربی، فارسی و اردو
مدراس یونیورسٹی، چنئی

طب یونانی دنیا کی سب سے قدیم ترین طب ہے جو اپنے اندر علم وحکمت کے بیش بہا خزانے رکھتی ہے۔ کروڑ ہا انسانوں نے اس سے فیض پایا اور آج بھی یہ سلسلہ جاری ہے۔ نامی گرامی حکماء اور فلسفیوں جیسے حکیم لقمان، افلاطون، جالینوس، ارسطو، سقراط و بقراط نے کسی نہ کسی درجے میں اس طب کی ساخت و پرداخت میں حصہ لیا۔ یونانی کی افزائش اور ترقی میں ایرانیوں نے بڑی کوشش کی۔ اسلام کے بعد عربوں نے یونانی کو اور علوم وفنون کی طرح ہاتھوں ہاتھ لیا اور اس نادر روزگار علم کی ترقی وترویج میں ہر ممکن کوشش کی اور اس طب کو بام عروج پر پہنچایا۔ ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد کے ساتھ ہی طب یونانی ہندوستان پہنچا۔ اس زمانہ میں ہندوستان کی زرخیزی ضرب المثل تھی۔ یہاں کے ہرے بھرے جنگلات اور ان جنگلات میں پائے جانے والے مختلف قسم کے پیڑ اور پودوں نے ماہرین طب کی طلب اور جستجو کے لئے بہترین سامان مہیا کیا۔ نہایت عرق ریزی اور جان فشانی سے ان ماہرین نے ان جڑی بوٹیوں کی تاثیرات اور طبی فائدے معلوم کئے۔

ہندوستان میں پہلے ہی سے ایک طب پرورش پا رہی تھی جو وید کی متفرق کتابوں میں بکھری ہوئی تھی۔ مگر اس کی بنیاد پر باقاعدہ مطب کا نظم نہیں تھا۔ ہندو رشی اور منی اور جوگی جنگلوں میں رہتے تھے اور ان کے پاس جڑی بوٹیوں کا علم تھا۔ لوگ ضرورت پڑنے پر انھیں کے پاس جاتے اور علاج کرواتے تھے۔ یہ مذہبی پیشوا جھاڑ پھونک کے ساتھ مادی وسائل کا بھی سہارا لیتے اور کچھ جڑی بوٹیاں جو جنگلات میں رہتے ہوئے انھیں کے تجربہ میں ہوتی تھیں بتادیا کرتے تھے۔ اس طرح ایک ناقص اور خام طب منتشر پڑی ہوئی تھی۔ طب یونانی کی آمد سے یہاں کے مقامی باشندوں کو بڑی سہولت حاصل ہوئی۔ وید کے علم کی بہ نسبت طب یونانی ایک ترقی یافتہ طب تھی۔ یونانی حکیموں کے پاس خام جڑی بوٹیاں ہی نہیں مرکب دوائیں بھی موجود تھیں۔ جو ہمہ وقت دستیاب رہتی تھیں۔ علاج معالجہ کے لئے لوگوں کو جنگلوں کی خاک چھاننی نہیں پڑتی تھی۔ حکیم اپنے دواخانوں کے ساتھ شہروں میں موجود مل جاتے تھے اور مہذب شہریوں کی طرح رہتے تھے۔ بعد میں حکیموں کی دیکھا دیکھی وید بھی پیشہ ورانہ انداز سے شہروں میں دواخانے سجانے لگے۔ وید کی کتابوں میں بکھرے ہوئے نسخوں اور چٹکلوں کو یکجا کیا جانے لگا آج ویدوں کی اسی طب ہی کا نام آیوروید ہے جو انتہائی ترقی یافتہ اور منظم طب ہے۔

تجارتی میدان میں سب سے آگے ہے۔

بہر حال یونانی آیورویدکواور آیوروید نے یونانی کو متاثر کیا۔ جس طرح اردواور ہندی زبانیں ایک دوسرے سے متاثر ہوئی ہیں۔ اسی طرح یونانی اور آیوروید بھی ایک دوسرے سے کافی مماثل اور کبھی مشترک اور متحد نظر آتے ہیں۔ آج بھی شمالی ہندوستان میں اکثر حکیموں کواور ویدوں کودونوں طبوں کی مشترک پریکٹس کرتے دیکھا جاسکتا ہے۔

یونانی کا ظرف اتنا وسیع ہےاوراس کا دامن اتنا کشادہ ہے کہ اس نے مقامی طبوں کواپنے اندر جذب کیا ہے۔ کسی فن کی ترقی کا مدار اس کی ترویج اور وسعت ہی میں مضمر ہے۔ لیکن یہ ہمیں نہایت افسوس کے ساتھ اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ طب یونانی کے ماہرین اطباوحکماء نے اپنے فن کوخول میں بند کرلیا ہے۔ اپنے ذاتی فائدے اور تجارتی مقصد کے لئے اس فن پر اپنی اجارہ داری قائم کئے ہوئے ہو۔ حالانکہ موجودہ دور میں طب یونانی لوگوں کی ایک ناگزیر ضرورت ثابت ہورہی ہے۔ انگریزی طبوں کے لئے محاذوں پر ناکام ہوجانے کے بعد لوگ پر امید نگاہوں سے یونانی کی طرف دیکھ رہے ہیں لیکن یونانی اطبا اپنی تنگ نظری اور قدامت پسندی کے باعث انھیں مایوس کررہے ہیں۔ اور بھی کئی عوامل ہیں جو اس طب کے تنزل کا سبب بن رہے ہیں۔

موجودہ دور میں لوگوں کے رہن سہن اور طور طریق میں زبردست تبدیلی آگئی ہے۔ دیگر تمام معاصر طبوں نے موجودہ طرز زندگی اور لوگوں کی عام نفسیات کے پیش نظر اپنی طبوں میں انقلابی تبدیلیاں لائی ہیں۔ شراب وہی ہے مگر جام بدل گیا ہے۔ زمانہ کے تقاضے کے ساتھ اس قسم کی مثبت اور منفعت بخش تبدیلیاں لازمی ہیں۔ سائنسی ترقی نے جہاں زندگی کے ہر شعبے میں اپنے گہرے اثرات چھوڑے ہیں وہیں اس نے طبی علوم کو بھی گہرے طور پر متاثر کیا ہے۔ الوپیتھی تو خیر قدم قدم پر سائنسی ترقیات کی مرہون احسان بنی ہوئی ہے۔ لیکن آیورویدا ہومیوپیتھی اور سدھا جیسی طبوں نے بھی سائنسی ترقیات سے بھر پور استفادہ کیا ہے۔ جدید تجارتی طریقوں کواپنا کر عوام میں مقبولیت اور شہرت پانے کی بھر پور کوششیں کی جارہی ہیں یہاں نہایت افسوس کے ساتھ یہ اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ طب یونانی کے چند بڑے اداروں کے ماسوا یونانی والے ابھی قدامت پسندی کی اپنی روش پر جمے ہوئے ہیں۔

مشہور مقولہ ہے کہ علم دوطرح کا ہوتا ہے العلم الادیان والعلم الابدان یعنی دین کا علم اور بدن کا علم، دونوں اپنی جگہ بے حد ضروری ہیں اور ہر انسان کے لئے کسی نہ کسی درجے میں لازمی حیثیت رکھتے ہیں۔ دین کا علم عقیدے سے تعلق رکھتا ہے اوراس اصول اور مبادی تبدیلی کے متقاضی نہیں ہوسکتے۔ لیکن بدن کا علم ایسے کسی اٹل موقف کا دعوے دار نہیں ہوسکتا۔ اس میں تبدیلی ہر آن ممکن ہے بلکہ تحقیق اور ریسرچ سے اس میں اور ترقی ہی ہوگی۔ افسوس کی بات ہے کہ طب یونانی کے کرم فرماؤں نے اپنے علوم کو یا تو سینوں اور سفینوں میں دفن کرلیا ہے یا پھر اپنے متقدمین کی تصنیفات اور تحقیقات کو حرف

آخر سمجھ لیا ہے۔ حالاں کہ تجربہ سے ثابت ہوا ہے کہ کھانے پینے کی چیزوں کی ماہیت اور خواص میں بڑی بڑی تبدیلیاں آ گئی ہیں۔ زراعت اور پیداوار کے طریقے بدل گئے ہیں۔ زمین کی کیمیاوی تاثیر بدل دی گئی ہے۔ اب پیدا ہونے والے اناج اور غلے کی تاثیر وہ نہیں رہی جو سو سال پہلے تھی۔ ساگ، ترکاریاں اور پھلوں کی خاصیت اور تاثیر بدل چکی ہے۔ لیکن ہمارے حکیم بغیر تحقیق کے انہی پرانی کتابوں پر اب بھی کاربند ہیں۔ ہم نے تحقیق کا دروازہ بند کر دیا ہے۔

رہی دوسری اہم بات جو طب یونانی کے مستقبل کے لئے خطرناک ثابت ہو رہی ہے وہ یہ ہے کہ اکثر یونانی حکما اور اطباء اپنے طریقہ علاج اور دوائی نسخوں کو صیغہ راز میں رکھتے ہیں۔ قابل وارث اگر انھیں مل گیا تو ان نسخوں کی حفاظت ہوتی ہے ورنہ ضروری معلومات اور جان کاری سے دنیا محروم رہ جاتی ہے۔ یہ دراصل اس فن کا بڑا نقصان ہے۔

جڑی بوٹیوں کی فراہمی بھی ایک بڑا مسئلہ بن گیا ہے۔ بہت ساری جڑی بوٹیاں اور مفردات اب ناپیدا ہو گئی ہیں۔ میں نہیں سمجھتا کہ ہندوستان بھر میں ان جڑی بوٹیوں کی تلاش یا انھیں دوبارہ اگانے کی حفاظت کے لئے کہیں مخلص کوشش کی جا رہی ہو۔

اب رہا طب کی تعلیم کا مسئلہ جو سب سے گمبھیر مسئلہ ہے، طب کی ترقی، نشو ونما اور بقا کا انحصار حکیموں کی نوجوان اور نئی پود پر ہے۔ مگر یہی نوجوان حکیم BUMS میں سات سال گزار کر آتے ہیں تو انھیں یونانی Practice کرنے میں عار محسوس ہوتی ہے اور ہمیں ان کی اور اس فن کی بدقسمتی پر رونا آتا ہے کہ یہ نوجوان حکیم سوفی صدی Allopathy پریکٹس کرتے ہیں ان نوجوانوں کی اس غیر ذمہ دارانہ روش سے خطرہ پیدا ہو گیا ہے کہ یونانی کا بالکلیہ خاتمہ ہو جائے گا۔

یونانی مسلمانوں کا طریقہ علاج رہا ہے۔ اور یونانی کا مسئلہ مسلمانوں کا بھی مسئلہ ہے۔ اور اس کی حفاظت ہم سب کی ذمہ داری ہے۔ لہذا ہمیں اپنے بچوں کو BUMS کورس میں داخلہ دلانا چاہئے۔ دوسری طرف BUMS کورس پورا کر کے فارغ ہونے والے نوجوان حکیموں کو چاہیے کہ وہ صدفی صد یونانی ہی پریکٹس کریں۔ ہمیں یونانی کو فخریہ گلے لگانے کی ضرورت ہے۔ اور اپنی دوائیوں کو جدید طریقوں پر دنیا کے سامنے پیش کرنا چاہیے۔ دواؤں کی مارکٹینگ ایک ایسا میدان ہے جہاں ابھی تک یونانی والوں نے اپنے جوہر نہیں دکھائے۔ اشتہار کے لیے الیکٹرانک میڈیا اور اخبار و رسائل کا سہارا لینا چاہیے۔ یونانی کی قدیم کتابوں کو دوبارہ مرتب کر کے شائع کیا جائے۔ یونانی کی ان جڑی بوٹیوں کو جو اب نایاب ہوتی جا رہی ہیں باقاعدہ FARMING کی جائے۔ اور حکیموں کو اپنے مضامین اور مقالوں کے ساتھ اردو، انگریزی اور دیگر مقامی زبانوں کی میگزینوں میں اور رسالوں میں حصہ لینا چاہیے۔ ان مضامین کے ذریعہ یونانی کے تمام افادی پہلوؤں کو پیش کرنا چاہیے۔ بعض ایسی بیماریاں ہیں جہاں ڈاکٹری طب اور دیگر معاصر طبیں عاجز ہیں ان خاص خاص بیماریوں پر مضامین دینا اور اشتہار دینا مفید ثابت ہو سکتا ہے۔

تمل ناڈو میں مذہبی صحافت

ڈاکٹر امان اللہ. ایم. بی.
اسسٹنٹ پروفیسر،
شعبہ عربی، فارسی واردو، مدراس یونی ورسٹی

برصغیر میں مذہب کی ترویج واشاعت اور تبلیغ کا کام سب سے پہلے عیسائی مبلغین نے شروع کیا تھا اور انیسویں صدی میں سیرام پور اور لدھیانہ وغیرہ سے اپنے پروپیگنڈہ لٹریچر کے لئے اخبارات کا اجراء کرکے باقاعدہ مذہبی صحافت کی داغ بیل ڈالی اس کی ردعمل میں راجارام موہن رائے نے ۱۸۲۱ء میں 'برہمونیکل میگزین' جاری کیا اس کے بعد بنارس سے ''خیر خواہ ہند'' کے نام سے ماہنامے جاری کئے گئے۔ اس طرح جب عیسائیوں نے صحافت کی آڑ میں اپنی مذہبی تبلیغ کی تو پھر مسلمانوں میں بھی یہ احساس پیدا ہوا اور مولوی محمد باقر نے شیعہ فرقے کی تائید اور اپنے عقیدہ کی ترویج واشاعت کے لئے 'مظہر الحق' کے نام سے ایک رسالہ شائع کیا۔ ۱۸۵۳ء میں پھر شیعہ مسلک کی تائید میں ایک اور اخبار 'نور مشرقی' دہلی سے جاری ہوا یہ دونوں اخبار اپنے مسلک کی تائید میں لکھنے کے ساتھ ساتھ سنی العقیدہ علمائے کرام کو اسلام کے تاریخی اور اختلافی پہلو پر مناظرے و مباحثے کی دعوت بھی دیتے تھے۔ اس طرح سے یہ اخبارات اپنے دور کی مذہبی عصبیت کی نشاندہی کرتے رہے۔

عقائد اور مسلکوں کے اس تصادم میں دینی افکار وخیالات کی تبلیغ واشاعت کے ساتھ ساتھ معاشرہ کی اصلاح اور قوم وملت کی صحیح رہنمائی کے لئے صحافت سے بہتر وسیلہ اور کوئی نہیں ہوسکتا، اسی خیال کے پیش نظر نیز طلباء واساتذہ کے اندر انشاء پردازی کی صلاحیتوں کو ابھارنے اور جلاء بخشنے کی غرض سے اور محبین و متعلقین مدرسہ تک احوال وکوائف پہنچانے کی غرض سے تمل ناڈو کے ہر بڑے عربی مدرسے کا ایک ترجمان رسالہ نکالنے کی روایت برصغیر ہند وپاک میں بہت قدیم سے چلی آتی ہے۔ اس دوڑ میں جنوبی ہند کے مدارس خصوصاً تمل ناڈو کے مدارس پیچھے نہیں ہیں، یہاں کے تین ممتاز مدارس سے ایک ایک ترجمان پابندی سے نکلتا رہا ہے۔

اللطیف:

دارالعلوم لطیفیہ ویلور میں جو جنوب بعید کا سب سے بڑا اور قدیم علمی، دینی اور اصلاحی مرکز اور بابرکت مخزن رہا ہے۔ تصنیف وتالیف کی روایت ابتداء سے قائم ہے۔ جذبۂ اصلاح وتربیت نے یہاں کے بزرگوں کو قلم اٹھانے پر آمادہ کیا۔ ان بزرگوں نے اسلامیات کے موضوع پر معرکۃ الآراء کتابیں تصنیف کیں۔ اصلاح وتربیت کے ساتھ ساتھ تبلیغ دین کے جدید ترین اور موثر کن شعبہ نشر واشاعت کا بھی اہتمام کیا گیا۔ دینی موضوعات پر دارالعلوم لطیفیہ سے بکثرت

تصانیف شائع ہوئی ہیں جن کا اسلوب عام فہم اور سلیس ہے۔فکر اصلاح اور جذبۂ خلوص کے سبب ان تحریروں میں ایک چاشنی اور کیفیت ضرور پائی جاتی ہے مگر ادب وانشاء کی گہرائیوں کی یہاں تلاش بے سود ہے۔

اردو بان کی تاریخ کے ابتدائی نقوش میں بھی ہمیں سوائے صوفیانہ کلام اور صوفیانہ نثر کے اور کچھ دستیاب نہیں ہے۔ان صوفیائے کرام نے اردو زبان اپنے مافی الضمیر کے اظہار کے لئے بطور وسیلہ استعمال کی ہے۔یہی حال دارالعلوم لطیفیہ کے بزرگوں کی مذہبی تصانیف کا بھی ہے۔لیکن ایک خوبی یہ رہی ہے کہ یہ سارے بزرگ شعر وآہنگ سے بھی متصف رہے ہیں۔ان کا عارفانہ، نعتیہ اور حمدیہ کلام الگ سے شائع بھی ہوا ہے۔ادب کے اس علاقے سے اقطاب ویلور کی تصانیف میں ادبی چاشنی بھی شامل ہوگئی ہے۔

اقطاب ویلورؒ کی یہ شروع سے خصوصیت رہی ہے کہ زہد وقناعت کے دائرہ میں رہتے ہوئے علوم ظاہری وباطنی کی نشر واشاعت، تربیت واصلاح اور علمی شغف وانہماک کے دائرہ کار میں یکسو ہونے کے باوجود عصری تقاضوں اور عصری رجحانات سے بے خبر نہیں رہے۔اسلام دشمن عناصر کی سازشوں اور ملت اسلامیہ پر ہونے والے ہر بیرونی حملے چاہے وہ تہذیب وتمدن کی راہ سے ہو یا عصری علوم اور نظریات کے راستے سے ہو ہر دور میں باخبر اور ہوشیار رہے ہیں اور قوم وملت کی حفاظت کے لئے اپنی بصیرت اور فہم وفراست کی روشنی میں ضروری اقدامات بھی فرماتے رہے ہیں۔سالنامہ ''اللطیف'' کی اشاعت اسی صحافتی ضرورت کا پیش خیمہ ہے۔

سالنامہ ''اللطیف'' جو دارالعلوم لطیفیہ کا ترجمان رسالہ ہے ۱۹۶۰ء میں جاری ہوا۔اس کے سرپرست حضرت مولانا سید شاہ محمد باقر صاحب قادری تھے۔ادارت کے عملے میں حضرت مولانا سید شاہ محمد طاہر قادری صاحب ناظم دارالعلوم لطیفیہ، مولانا محمد طیب الدین اشرفی مونگیری اور مولانا سید حمید اشرف صاحب کچھوچھوی شامل تھے۔ادارتی عملے میں وقتاً فوقتاً ردوبدل ہوتا رہا ہے۔مولانا طیب الدین اشرفی ۱۹۶۷ء میں الگ ہوئے تھے۔مولوی عبدالواحد جونپوری ان کی جگہ پر لائے گئے۔لیکن عملے میں طلباء کے نمائندوں کے لئے بھی جگہ مخصوص ہوتی تھی۔اور ان کے نام نمایاں طور پر سرورق ہی میں دئے جاتے تھے۔ابتداء کے شماروں میں سوائے دینی، اصلاحی، عرفانی اور تصوف وسلوک سے متعلقہ مضامین کے اس سالنامے میں کوئی ادبی مضمون شائع نہیں ہوتا تھا۔اس رسالے سے ادارہ کا مقصد طلباء میں مضمون نگاری اور انشا پردازی کی صلاحیتیں پیدا کرنا تھا اور دارالعلوم کے اساتذہ اور اقطاب ویلور کے علمی وعرفانی سرمایے کو عوام تک پہنچانا تھا۔اس مقصد میں اس سالنامے کو بھرپور کامیابی حاصل ہوئی۔کسی اور ذریعے سے یہ علمی سرمایہ عوام تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔لیکن بعد میں اللطیف کے دروازے ادبی اور تحقیقی مضامین کے لئے بھی کھول دئے گئے۔البتہ نعتیں اور حمد ومناجات شروع ہی سے اللطیف کا حصہ رہی ہیں۔ایک آدھ غزل بھی اگر وہ عشق حقیقی کے رنگ میں ہو تو شامل اشاعت ہو جاتی تھی۔

۱۹۶۷ء کے شمارہ میں مولانا محمد یوسف کوکن مرحوم کا ایک مضمون ''نجیب نامہ'' موجود ہے۔جس میں حضرت ذوقیؔ کی مثنوی ''نجیب نامہ'' پر علمی و تحقیقی تبصرہ کیا گیا ہے اور اس شمارہ سے اللطیف کا رنگ خالص علمی اور عرفانی کے ساتھ ساتھ ادبی اور معلوماتی بھی ہونے لگا۔اس میں طبی مضامین مولانا حکیم زکی الدین احمد اور مولانا حکیم قاری سید افسر باشاہ صاحب کے بھی شامل اشاعت ہیں۔بعض اساتذہ وطلباء کے تاریخ و سیرت سے متعلق مضامین مثلاً بغاوت کی ہلاکت خیزیاں، تاریخ اسلام کا ایک زرین باب، معارف جامی، حضرت بلال کی جاں نثاری، سیرت حضرت عثمان غنی پر ایک اجمالی نظر، تاریخی معلومات، حضرت سلمان فارسی پر ایک طائرانہ نظر اور سیرت امام شافعی شامل اشاعت ہیں۔یہ سارے مضامین انشاء پردازی کے اچھے نمونے بھی ہیں اور معلومات سے بھرپور بھی ہیں۔

اس طرح رفتہ رفتہ ''اللطیف'' کا متنوع مزاج سامنے آیا اور بجائے ایک ہی موضوع کے مختلف موضوعات پر مضامین شائع ہونے لگے جن میں ادب وانشا کی چاشنی بھی شامل ہونے لگی۔۱۹۶۷ء ہی کے شمارہ میں پروفیسر جلال کڑپوی مرحوم کی نظم ''نظمِ دلکشا'' کے نام سے شائع ہوئی ہے۔اس کا ایک بند ملاحظہ ہو:

اے مخزن علوم حقیقی لطیفیہ
اے درس گاہِ قربیؔ و ذوقیؔ لطیفیہ

دارالعلوم آگہہ نامی لطیفیہ	دانش گہہ مشائخ و صوفی لطیفیہ
قطبِ دکن کی کانِ تصوف لطیفیہ	حضرت مکاں کی بزم تلطف لطیفیہ
لہرا رہا ہے سارے دکن میں علم ترا	ہے اب وجود سب کے لئے مغتنم لطیفیہ
جاری کئے برس سے ہے بحر کرم ترا	ہر ایک جامِ غیرتِ صد جامِ جم لطیفیہ

''اللطیف'' کی کشادہ ظرفی سے ہر مسلک ونظریہ کے حامل افراد اس میں اپنے لئے عافیت اور سلامتی محسوس کرتے تھے۔صوفیانہ وسیع المشربی کی اعلیٰ مثال خانقاہ حضرت مکان اور اس کا یہ ترجمان رسالہ بھی ہے۔

۱۹۶۹ء کا شمارہ ''اللطیف'' کا خاص نمبر تھا۔مولانا محمد یوسف کوکن عمری نے حضرت قطبِ ویلورؒ کے علمی مرتبہ کو اجاگر کرتے ہوئے ایک بسیط مضمون شائع کیا ہے۔پروفیسر سید صفی اللہ نے ''جواہر السلوک'' کا تعارف ایک مضمون میں پیش کیا ہے۔چونکہ یہ شمارہ حضرت قطبِ ویلور کے انتقال پر سو سال بیت جانے پر بطور یادگار شائع کیا گیا تھا تو اس شمارہ کے اکثر مضامین حضرت قطبِ ویلور کے متعلق ہی درج ہیں۔اسی شمارہ میں امام اعظم کی شخصیت پر مولانا بشیر الحق قریشی کا مضمون شائع ہوا ہے غالباً یہ آپ کا پہلا مضمون تھا جو اس وقت طالب علمی کے دور سے گذر رہے تھے۔اس شمارہ کی ادارت مولوی سید مصطفےٰ حسین بخاری کشفی کے ہاتھوں رہی۔

۱۹۷۰ء کے سالنامے میں ''دارالعلوم لطیفیہ کی علمی وادبی خدمات'' کے عنوان سے مولانا محمد یوسف کوکن عمری کا مضمون شایع ہوا ہے۔ یہاں اس مضمون کا ایک اقتباس بے محل نہ ہوگا:

''۔۔۔۔حضرت قربؔی علیہ الرحمہ اسی طرز تعلیم کے فیض یافتہ تھے۔عربی اور فارسی کے بہت اچھے ادیب تھے۔فارسی شاعری اوراس کے محاوروں پران کی بڑی گہری نظرتھی۔مسلماتِ شاعری کو سمجھنے اور سمجھانے کا بڑا ملکہ حاصل تھا۔ان کے پاس بڑھنے والوں کو بڑی دلی مسرت ہوتی تھی اور ایک طرح کا غیر معمولی انبساط ہوجاتا تھا۔اور جب کسی کواس کا موقعہ نہیں ملتا تو طلبہ کو دلی رنج ہوتا تھا۔مولانا باقر آگاہ ویلوری ان سے پڑھنا چاہتے تھے۔اپنے چچا مولوی محمد حبیب اللہ سے اس کا ذکر کیا۔انھوں نے حضرت قربؔی سے گفتگو کی۔ حضرت قربی نے فرمایامدت سے میں نے اس کو دیکھا نہیں ہے میرے پاس کچھ دنوں ''شرف نامہ'' پڑھ لے تو شاید اچھی قابلیت پیدا ہوجائے۔ان کا طریقہ تدریس بہت دلنشین ہوتا تھا۔ایک دو سبق ہی پڑھے تھے کہ قربؔی کو آرکاٹ سے ویلور چلا جانا پڑا۔مولوی حبیب اللہ نے اپنے بھتیجے سے کہا مجھ سے سبق لے لیا کرو۔لیکن حضرت قربؔی کی وہ بات کہاں پیدا ہوسکتی تھی آگاہ اپنے چچا کے سامنے سبق لینے بیٹھے تو ان کی آنکھوں سے آنسو رواں ہوگئے اورزار و قطار رونا شروع کردیا۔پھر بعد میں ان کے ساتھ ایک سال رہنے کا موقع ملا تو ان سے بہت فائدہ اٹھایا۔جس کا انھوں نے اپنی ہر ایک کتاب میں اعتراف کیا ہے۔'' [۱]

اسی شمارہ میں سید محمد اللہ بختیاری کا داغؔ دہلوی پر ایک مضمون شامل ہے اوراس کی اگلی اشاعت یعنی ۱۹۷۱ء میں مولانا موصوف کا ایک مضمون بعنوان ''اقبالؔ وغالبؔ کا تقابلی مطالعہ'' بھی شائع ہوا ہے۔۱۹۷۲ء میں ان کا ایک مضمون ''اردو کے پہلے نثر نگار'' شائع ہوا ہے۔ اسی شمارہ میں مولوی مصطفےٰ کمال پاشاہ کا مضمون ''علامہ اقبال اور سفر میسور'' شائع ہوا ہے۔ ۱۹۷۳ء کی اشاعت میں مولانا بشیر الحق قریشی کا مضمون ''صوفیائے کرام اور اردو'' قابلِ ذکر ہے۔

مولانا سید شاہ محمد طاہر قادریؒ سابق ناظم، دارالعلوم لطیفیہ ایک عالم دین وشیخ طریقت ہی نہیں تحریر وانشا پردازی کا ستھرا ذوق بھی رکھتے تھے۔آپ کے مضامین بھی وقتاً فوقتاً اللطیف کی زینت بنتے رہے ہیں۔ چنانچہ ۱۹۷۵ء کے سالنامے میں ''عقل ودانش اور علم وحکمت کے شاہکار'' کے عنوان سے آپ کا مضمون شائع ہوا ہے۔

''امام ربیعۃ الرائے کے والد فروخ، بنی امیہ کے دورحکومت میں فوج میں ملازم تھے۔جس وقت امام ممدوح اپنی والدہ کے بطن میں تھے اس وقت خراسان کو خلیفہ دمشق کی جانب سے ایک لشکر روانہ کیا گیا۔فروخ کی خدمات اس لشکر کے سپرد کی گئیں۔ وہ دور اسلامی فتوحات کا دور تھا۔ اسلامی فرمانروائے وقت کی یہی خواہش تھی کہ بحروبر کا زیادہ تر حصہ اسلامی پرچم کے نیچے

لایا جائے۔ فروخ کو اس خراسانی مہم میں ستائیس برس گذر گئے جس بچہ کو وہ ان کی والدہ کے بطن میں چھوڑ گئے تھے وہ بچہ اب بڑا ہو کر ایک جید عالم اور وقت کا امام بن چکا تھا۔'' ۲

''اللطیف'' کے قلم کاروں میں ایک معتبر نام پروفیسر ڈاکٹر سید وحید اشرف کچھوچھوی کا بھی ہے۔ آپ ایک صاحب طرز ادیب اور صاحب طریقت قلم کار ہیں۔ ۱۹۷۹ء کے سالنامے میں آپ کا ایک مضمون ''حضرت منصور بن حلاج۔ ایک فرانسیسی مستشرق کی نظر میں'' شائع ہوا ہے اور اسی اشاعت میں ڈاکٹر افضل الدین اقبال مرحوم سابق پروفیسر عثمانیہ یونی ورسٹی، حیدر آباد کا ایک مضمون ''حضرت محوی قدس سرہٗ۔ حیات اور خدمات'' کے عنوان سے چھپا ہے۔ ڈاکٹر سید وحید اشرف نے حضرت ذوقی کے فارسی قصیدہ ''لولولالا'' کا اردو ترجمہ ۱۹۸۵ء کے ''اللطیف'' میں شائع کیا ہے۔ اس مضمون کے آخر میں حواشی و فرہنگ بھی دی گئی ہے جو آٹھ صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ ترجمہ بین السطور درج کیا گیا ہے۔ ۱۹۸۷ء کے سالنامے میں پروفیسر موصوف کا ایک مضمون ''تصوف اور سائنس'' شائع ہوا ہے اور اسی شمارے میں ''قصائد حضرت ذوقی'' جو فارسی میں ہیں ان کا اردو ترجمہ بھی مع حواشی کے شائع ہوا ہے جو پروفیسر سید وحید اشرف کی دماغ سوزی کا نتیجہ ہے۔ یہ ترجمہ لگاتار سات سال تک سات سالناموں میں شائع ہوا ہے۔

''اللطیف'' کے لئے لگاتار لکھنے والوں میں پروفیسر وحید اشرف کے علاوہ ڈاکٹر مولوی بشیر الحق قریشی اور مولانا حکیم سید افسر باشاہ، ڈاکٹر سید سجاد حسین، ڈاکٹر قاضی حبیب احمد اور ڈاکٹر امان اللہ کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ ان حضرات گرامی نے نہ صرف یہ کہ اپنے گراں قدر مضامین سے ''اللطیف'' کے صفحات کو زینت بخشی ہے بلکہ اقطاب ویلور کی کئی فارسی تصانیف کو بھی اردو کا جامہ پہنایا ہے اور یہ ترجمے گذشتہ بیس برس سے لگاتار ''اللطیف'' میں شائع ہوتے رہے ہیں۔ ''اللطیف'' کے لئے ان حضرات کی خدمات گرامی سے انکار نہیں ہوسکتا۔

''اللطیف'' میں مختلف شعرائے کرام کی نعتیں، حمد و مناجات، رباعیات، نظمیں اور غزلیں بھی شائع ہوتی رہتی ہیں۔ ۱۹۹۲ء کے سالنامے میں کاوش بدری کی ایک نعت چھپی ہے اس کے چار شعر ملاحظہ ہوں:

کعبے کا کعبہ صنم خانہ محمد کے بغیر
سب کتابیں ہیں اک فسانہ محمد کے بغیر

اک تصور ہے فقط عین عبادت ان کا
سجدے بن جاتے ہیں بچکانہ محمد کے بغیر

حق تعارف کا ادا آپ نے کیا خوب کیا
ورنہ مولا بھی تھا انجانا محمد کے بغیر

متصف نور سے خود ذات نہ ہونے پائی
رنگ سے نقش تھا بیگانہ محمد کے بغیر

اسی اشاعت میں علیم صبا نویدی کی ایک نظم ''دارالعلوم لطیفیہ'' بھی شائع ہوئی ہے جو عمدہ خیالی کا نمونہ ہے۔ غرض تمل ناڈو کے کسی مدرسے یا جامعہ یا کالج کے سالنامے میں ''اللطیف'' کا قد سب سے اونچا ہے نہ صرف قدامت کے لحاظ سے بلکہ معیار اور افادہ کے لحاظ سے بھی سالنامہ ''اللطیف'' بلند اور بہتر ہے۔

جامعہ دارالسلام عمرآباد روز اول ہی سے اپنے طلباء کی علمی، ادبی و قلمی صلاحیتوں کو ابھارنے بروئے کار لانے اور دینی افکار و خیالات سے دنیا کو روشناس کرانے کے لئے صحافت کا سہارا لیا ہے۔ اس سلسلے میں جامعہ نے بہت سے رسائل جاری کئے جیسے ماہنامہ مصحف، صحیفہ، ماہنامہ راہِ اعتدال، سالنامہ دارالسلام، قلمی ماہنامہ تنویر وغیرہ ان کی تفصیلات حسب ذیل ہیں۔

ماہنامہ ''مصحف''

جامعہ دارالسلام کی صحافتی خدمات میں ''مصحف'' کو کلیدی حیثیت حاصل ہے۔ جامعہ دارالسلام سے ۱۹۳۵ء میں مصحف کے نام سے ایک ماہنامہ نکالا گیا جس کے مدیر مسئول علامہ شاکر نائطیؒ اور معاونین مولانا سید صبغۃ اللہ بختیاریؒ اور قاسم شریفؒ ایم اے رہے۔ یہ رسالہ ۱۹۳۵ء سے ۱۹۴۰ء تک تقریباً پانچ سال تک مسلسل نکلتا رہا۔ اس نے جنوب کی ادبی و علمی پہچان شمال میں بنائی۔ جنوب کے ادیبوں کا ایک واضح نقش شمال کے ادیبوں کے دلوں پر چھوڑا۔

علامہ شاکر نائطیؒ ''گلبانگ پریشان'' کے عنوان سے اپنا اداریہ تحریر فرماتے تھے۔ پہلا شمارہ آگست ۱۹۳۵ء کو منظر عام پر آیا۔ جس کے قلم کار یہ تھے، حضرت امجد حیدرآبادیؒ، علامہ سید سلیمان ندویؒ، مولانا حبیب خان صاحبؒ، مولانا عبیدالرحمٰن عاقل رحمانیؒ، مولانا رومان بنگلوریؒ، مولانا سید صبغۃ اللہ صاحب بختیاریؒ، جگر صدیقی وارثیؒ، مولوی محمد یوسف کوکن عمریؒ، حضرت نوح نارویؒ، حضرت یگانہ چنگیزی لکھنویؒ، مولوی نصیرالدین ہاشمیؒ، ڈاکٹر ذوقی قریشیؒ، جناب صمیم آموریؒ وغیرہ۔ ''مصحف'' نے اپنے معیار سے کبھی سمجھوتہ نہیں کیا۔ علامہ شاکر نائطیؒ صرف انہیں چیزوں کو 'مصحف' میں شامل کرتے تھے جو ان کی نظر میں معیاری تھیں۔ غیر معیاری چیزوں کو وہ بالکل اپنے رسالے میں شامل نہیں کرتے تھے۔

''مصحف'' کا ادب سے کتنا گہرا تعلق رہا ہے اس کے جاننے کے لئے ''مصحف'' کے ادبی مضامین پر ایک نظر ڈالی جاسکتی ہے۔ 'مصحف' میں لسانیاتی موضوع پر معیاری مضامین مشہور و معروف علماء و ادباء کے شائع ہوتے تھے۔ ان معروف اہلِ قلم میں مولانا سید سلیمان ندوی کا نام نامی بہت نمایاں ہے۔ مولانا کو جامعہ دارالسلام سے خصوصی تعلق تھا۔ اسی نسبت سے انھیں 'مصحف' اور اس کے مدیر علامہ شاکر نائطی سے بھی تعلق خاطر تھا۔ آپ 'مصحف' کے لئے خصوصی مضامین لکھ کر روانہ فرماتے تھے۔ آگست ۱۹۳۵ء کی اشاعت میں ''ہندوستانی زبان کی حیثیت'' کے عنوان سے مولانا

سید سلیمان ندوی کے مضمون کا یہ اقتباس ملاحظہ ہو:

''ہندوستان کی تحریری وادبی حیثیت کا سب سے پہلا مرکز نہ لکھنو ہے نہ دہلی بلکہ مدراس اور دکن کے بیچ کا شہر بیجا پور ہے۔ یہیں سب سے پہلے اس نے اعتبار پایا اور شاعری کے مسند پر اس کو جگہ ملی۔ اس لئے زبان کو لکھنو اور دہلی سے مدراس سے آئی ہوئی کوئی نہ سمجھے۔ مدراس میں آج سے چند صدی پیشتر سے یہ زبان رائج ہے۔ یہاں اس کے اچھے اچھے شاعر ہوئے ہیں۔ ہمیشہ سے یہاں اس زبان کے اخبار اور رسالے نکلتے رہے ہیں اور یہی زبان ان کی مذہبی محفلوں اور مجلسوں میں بولی اور سمجھی جاتی ہے۔

ہماری نو جوانی میں مدراس سے ''شمس الاخبار'' نکلتا تھا۔ اتنے بڑے سائز کا اخبار آج بھی ہندوستان سے کوئی ہندوستانی اخبار نہیں نکل رہا ''مخبر دکن'' یہاں کا بہت پرانا اخبار ہے۔ ''قومی رپورٹ'' اور ''آزاد'' بھی یہاں کے مشہور سیاسی اخبار تھے اور ہیں۔ علمی وادبی و مذہبی رسالے بھی یہاں سے نکلتے رہے اور نکلتے ہیں۔ گو ان کو چند دن میں زندگی نہیں ملی۔'' [۳]

مذکورہ اقتباس سے ظاہر ہے کہ مولانا سید سلیمان ندوی کو تمل ناڈو کے احوال سے خوب آگہی تھی اور ماہنامہ 'مصحف' سے خصوصی لگاؤ تھا اور مولانا اس ماہنامے کو محض ایک دینی اور اصلاحی رسالہ نہیں سمجھتے تھے بلکہ ایک علمی اور تحقیقی رسالے کے برابر سمجھتے تھے اسی لئے ایک معیاری مضمون روانہ فرمایا ہے جو علم اللسانیات سے متعلق ہے۔ اسی موضوع پر اسی اشاعت میں مولانا حبیب خاں سروش عمری کا بھی ایک مضمون ''ہندوستان اور مسئلہ زبان'' کے عنوان سے شائع ہوا ہے۔ اس مضمون سے ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

''ہندوستان میں کثرت مذاہب اور اختلاف نسل کو چھوڑ کر بولیوں کا یہ عالم ہے کہ ہر صوبہ بجائے خود مختلف بولیوں کا ایک براعظم معلوم ہوتا ہے۔ جس سے اذہان میں طوائف الملو کی پیدا ہوگئی اس ذہنی افتراق کے انسداد کی ہی سبیل ہے کہ بولیوں کی کثرت وحدت میں منتقل کر دی جائے تا کہ مختلف قومیں ایک ہی قوم میں مدغم ہو جائیں۔ اگر چہ کہ موجودہ زمانہ کی تحقیقات اور تجربوں نے یہ بتایا ہے کہ عناصر تمدن، زبان، فن تعمیر، بت تراشی اور دوسرے فنون لطیفہ، قصر قومیت کے اہم اجزا نہیں ہیں بلکہ نظام عقل اور وہ خصائص جو کسی قوم میں وراثتاً چلے آتے ہوں۔'' [۴]

"مصحف" میں دینی وعلمی مضامین کے علاوہ ادبی اور تفریح و تفنّن کے لئے ظریفانہ مضامین بھی شائع ہوتے تھے اور افسانے اور انشائیے بھی قسط وار چھپتے تھے۔ گو ان افسانوں اور مضامین میں بھی اصلاحی رنگ نمایاں ہوتا تھا لیکن پھر بھی

۱۹۳۵ء کی صورتِ حال میں کسی رسالے کا افسانے شائع کرانا اس کی روشن خیالی اور ترقی پسندی پر دلالت کرتا ہے۔ علامہ شاکر نائطی ہی کا افسانہ ''لذیذ انتقام'' کے نام سے مصحف میں شائع ہوا تھا جس کا ایک اقتباس ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

''میں ظالموں کے پنجہ استبداد سے آزاد ہو کر جنوبی امریکہ کے ایک گنجان اور مہیب جنگل میں بیٹھا ہوا ہوں۔ ہر طرف سکون کا عالم ہے۔ یہ محیط خاموشی منتشر خیالات کو میرے دماغ میں ایک مرکز پر جمع کر رہی ہے اور گذشتہ واقعات کو قلم بند کرنے میں میری ممد و معاون ہو رہی ہے میں چاہتا ہوں کہ اپنا سارا واقعہ متمدن دنیا میں پھیلا دوں۔'' ۵

مصحف میں چھپنے والے اہلِ قلم میں مذکورہ شخصیتوں کے علاوہ نصیر الدین ہاشمی، مولانا سید صبغۃ اللہ بختیاری، مولانا محمد یوسف کوکن عمری، مولانا محمود اسرائیلی، مولانا عبد الباری حاویؔ، مولانا سید عظمت اللہ سرمدیؔ، مولانا عبد السبحان اعظمی، مولانا عبد الواجد عمری، مولانا عبد الرحمٰن تشنہؔ، مولانا مجتبیٰ خاں شاہ جہاں آبادی، ڈاکٹر محی الدین قادری زور، مولانا عبد السلام ندوی وغیرہ۔ ''مصحف'' میں جن شعرائے کرام نے اپنا کلام شائع کرایا ان میں سے نمایاں نام حسبِ ذیل ہیں:

۱۔ یاسؔ یگانہ چنگیزی، ۲۔ نوحؔ ناروی، ۳۔ احسنؔ مارہروی، ۴۔ جگرؔ صدیقی، ۵۔ امجدؔ حیدر آبادی، ۶۔ محویؔ صدیقی، ۷۔ ڈاکٹر عبد اللہ ذوقیؔ، ۸۔ رومانؔ بنگلوری، ۹۔ الطاف مشہدی، ۱۰۔ سرشارؔ کسمنڈوی، ۱۱۔ قیسیؔ حیدر آبادی، ۱۲۔ اخترؔ شیرانی، ۱۳۔ تاجورؔ لاہوری، ۱۴۔ ماہرؔ القادری۔ ۱۵۔ کمالیؔ ویلوری، ۱۶۔ فہیمؔ آمبوری، ۱۷۔ حضرت سیمابؔ اکبر آبادی، ۱۸۔ ساغرؔ نظامی، ۱۹۔ نفیسؔ بنگلوری وغیرہ کے نام قابلِ ذکر ہیں۔

یہ فہرست کافی طویل ہے یہاں صرف نمایاں اور نمائندہ اہلِ قلم کے نام پیش کئے گئے ہیں۔ ان شخصیات سے ادارہ لکھنے کی درخواست بھی کرتا تھا یا وہ خود اپنی نگارشات رسالے کے نام روانہ کرتے تھے۔ اس کی صراحت نہ ہو سکی۔ ہاں البتہ کوئی مضمون یا کلام کا حصہ کہیں سے اخذ کرنا ہوتا تو مدیر کی جانب سے شروع میں اس کی توضیح بیان کر دی جاتی تھی۔

''مصحف'' کا ادازیہ ''گلبانگ پریشاں'' کے نام سے مولانا شاکر نائطی لکھا کرتے تھے۔ یہ اداریہ بھی ادب وانشا کا شہ پارہ ہوتا تھا۔ اس میں مولانا کی قلمی جولانیاں اور علمی موشگافیاں خاصے کی چیز ہوتی تھی۔ پہلے شمارے میں اس رسالے کے اجراء کا جواز اور ضرورت پیش کرتے ہوئے یوں رقم طراز ہیں:

''موجودہ دور میں گو یہاں کی فضا کسی حد تک مکدر ہو چکی ہے اور جمود کا سا عالم ہے۔ ذرے ذرے پر مردنی سی چھائی ہوئی ہے ''حرکت زندگی'' اور ''ارتعاش حیات'' کا فقدان ہو چلا ہے۔ تاہم ایسی برگزیدہ ہستیاں اب بھی موجود ہیں جن کی جادو نگاریاں اور طلسمانہ اثر زائیاں ایک ہنگامہ برپا کر چکی ہیں۔ جس سے ہر شعبہ زندگی میں ''احساسات تازہ'' کی سرگرمیاں وجود میں آسکتی ہیں۔ لیکن مقامی اخبارات ورسائل

کی قلت کالعدم نے ان کے اشہب قلم کی جولانیوں کے لئے میدان بالکل تنگ کردیا۔ بحمد للہ آج ان کی اس شکایت کو دور کرنے کا کافی سامان مہیا ہو چکا ہے۔'' ۶

اس رسالے میں مستقل چھپنے والوں میں مولانا سید صبغۃ اللہ بختیاری جن کا مضمون ''قصص قرآن ومقاصد'' کئی قسطوں میں چھپا تھا اور اگر الگ سے شائع کیا جائے تو ایک مستقل رسالہ ہوسکتا ہے۔ مولانا عبدالسبحان اعظمی، مولانا حبیب خاں سروش کے علاوہ مولانا عبدالحلیم قدسی کا کلام ''حدیث قدسی'' کے عنوان سے مستقل چھپتا تھا۔ مولانا رومان بنگلوری، فہیم آمبوری وغیرہ کا کلام بھی مستقل شائع ہوتا تھا۔ غرض اس میں خشک فلسفیانہ مضامین کے علاوہ تفریح وتفنن کے لئے ظریفانہ نظمیں اور انشائیے بھی جگہ پاتے تھے۔

الغرض ''مصحف'' تمل ناڈو سے جاری ہونے والے رسالوں میں بلاشبہ سب سے معیاری رسالہ ہے۔ یہ اس قابل ہے کہ اسے شمال کے معاصر جریدوں ''صدق'' و ''معارف'' کے ساتھ موازنہ کیا جاسکے۔ شمالی ہندوستان کے جید علماء اور مستند شعراء اپنے مضامین اور کلام ''مصحف'' میں شائع کراتے تھے۔ مولانا سید سلیمان ندوی جیسا متبحر عالم دین اور بلند پایہ محقق وانشاء پرداز ''مصحف'' کے لئے خصوصی مضامین تحریر کرتا ہو تو اس مجلّہ کے معیار اور مرتبہ کا کیا ٹھکانہ ہوسکتا ہے۔ بقول مولانا محمد ثناء اللہ صاحب عمری بیسویں صدی عیسوی کے ربع ثانی میں ''مصحف'' نے غیر منقسم ہندوستان کے ادبی حلقوں میں جو مقام پیدا کرلیا تھا اس کا یقین رسالے کے فائل سے آج بھی مل سکتا ہے۔

مولانا شاکر نائطیؒ کی قابل ادارت میں یہ صحافت کی افق پر جگمگا تا رہا۔ شاکر نائطی کا معاصر ادباء وشعراء سے گہرا تعلق تھا اور اکثر کے ساتھ خط وکتابت بھی رہتی تھی۔ لہٰذا ان تمام حضرات کا ادارہ کو برابر قلمی تعاون حاصل ہوتا رہتا تھا۔ ''مصحف'' اور شاکر نائطی ایک دوسرے کے لئے لازم وملزوم ہوگئے تھے۔ آپ کی ذاتی دلچسپی، خلوص اور قربانی سے مصحف کو سربلندی حاصل ہوئی جو تمل ناڈو کے غیر حوصلہ بخش ادبی ماحول میں بھی جہاں کے مسلمانوں کی اکثریتی زبان تمل ہے ایک اعجاز معلوم ہوتا ہے۔

''مصحف'' میں مختلف النوع مضامین شائع ہوتے تھے۔ ان میں علمی، تاریخی، سماجی، سیاسی، ادبی موضوعات پر فکری، تحقیقی اور کبھی ظریفانہ مباحث بھی شامل ہوتے تھے۔ ادبی معرکے بھی قائم ہوئے۔ یہ مقالے عالمانہ بصیرتوں سے لبریز ہوتے تھے۔ غرض اس حقیقت سے انکار نہیں کہ اس رسالے کو عالمانہ وقار اور اسلوب وبیان کی سربلندی حاصل تھی۔

''صحیفہ''

جامعہ دارالسلام عمرآباد کے جشن طلائی کے موقع پر ایک یادگار مجلّے کی اشاعت عمل میں آئی جو صحیفہ کے نام سے جانا جاتا ہے۔ یہ رسالہ اپنے یادگار مضامین، مفید موضوعات، اچھوتے خیالات، صاحب طرز قلم کاروں کی شمولیت اور

زبان وانشا کے معیار ومرتبے کے لحاظ سے بے حد اہم اور دستاویزی حیثیت کا حامل ہے۔جس کو ترتیب دینے کا فریضہ مولانا ابوالبیان حمّاد صاحب عمری نے انجام دیا ہے۔بنیادی لحاظ سے اس خصوصی شمارے کو نو بنیادی سرخیوں میں تقسیم کیا گیا ہے جو اس طرح ہیں:

(۱) آئینۂ قرآن۔،(۲) آئینۂ حدیث۔،(۳) فقہ واجتہاد۔،(۴) تعلیم وتحقیق۔(۵) سیرت وسوانح۔،(۶) گہوارۂ علم و ادب۔،(۷) شخصیات۔،(۸) آپ بیتی۔،(۹) ادبیات۔

قرآن کریم کے انسانی معاشرے پر کیا کیا احسانات ہیں اسے مولانا سید امین احمد صاحب عمری مرحوم نے نہایت تفصیل ووضاحت سے بیان کیا ہے۔

مولانا محمد زکریا صاحب ایمن عمری نے تحفظ قرآن کے فطری طریقے جیسے انوکھے اور دلکش موضوع پر روشنی ڈالی ہے۔اس کے علاوہ اہم موضوعات اور ان کے مضمون نگاروں کے نام یہ ہیں:

(۱) حضرت ابو ہریرہؓ کی کثرت روایت (مولانا ضیاء الرحمٰن اعظمی عمری)

(۲) اخلاقیات اسلامی (مولانا اسماعیل رفیعی انصاری عمری)

(۳) میری تعلیمی سرگزشت اور جامعہ سے میرا تعلق (شیخ الحدیث مولانا عبدالواجد صاحب عمری رحمانیؒ)

(۴) عربی زبان کا دائرہ وسعت (مولوی حافظ ظفر الحق شاکر عمری)

(۵) کتب خانے اور ان کی تشکیل کا جدید تصور (مولانا حفیظ الرحمٰن اسعد عمری)

(۶) کیرلا میں اردو زبان کی ترویج واشاعت (مولانا محمد حسین شاکر ایم اے عمری)

ماہنامہ راہ اعتدال

راہ اعتدال جامعہ دارالسلام عمر آباد سے شائع ہونے والا علمی ادبی و دینی ماہنامہ ہے،اس کا اجراء ۱۹۹۱ء میں ہوا۔اس کا پہلا شمارہ نومبر ۱۹۹۱ء کو شائع ہوا،اس کے مدیر اول اور سرپرست مولانا ابوالبیان حمّاد عمری تھے جن کی سرپرستی ادارہ کو آج تک حاصل ہے گو ان دنوں وہ طبعی وجوہات اور دیگر مصروفیات کے سبب مدیر نہیں ہیں۔راہ اعتدال دینی ودعوتی مضامین کو اولیت دیتا ہے۔جیسا کہ اس کے پہلے شمارہ کے پہلے اداریہ میں کہا گیا ہے۔

''اس وقت اردو دنیا میں علمی وادبی اور تحقیقی مجلوں کی کوئی کمی نہیں ہے لیکن ہماری یہ کوشش ہوگی کہ ہمارا مجلّہ زیادہ تر دینی اور دعوتی قسم کے مضامین پر مشتمل ہو''۔ ۷

راہ اعتدال کے مدیران ابوالبیان حمّاد عمری اور حبیب الرحمٰن زاہد اعظمی عمری ادب سے گہری دلچسپی رکھتے ہیں اس لئے وقتاً فوقتاً ادبی مضامین ،خاکے، غزلیں، نظمیں شائع کرتے ہیں۔راہ اعتدال میں تبصروں کے ساتھ ساتھ

سفرنامے، یادداشتیں، بطور خاص ادب کے قیمتی جواہر سے بھرے ہوتے ہیں، جن کتابوں پر راہ اعتدال میں تبصرے ہوئے ان میں چند کتابوں کے نام درج ذیل ہیں۔

۱۔شکوہ جواب شکوہ (انگریزی)، ۲۔افکار جلال مدنی، ۳۔تازیانے، ۴۔نغماتِ حمد ونعت، ۵۔شیرازۂ افکار، ۶۔امام الہند ۷۔مقالاتِ ماجد، ۸۔محمد بدیع الزماں اقبالیات کے آئینہ میں۔

''راہ اعتدال'' وقتاً فوقتاً خاص خاص موقعوں پر اور حالات کے تقاضوں کے پیش نظر خصوصی شمارے بھی شائع کرتا رہا ہے۔ان میں سے اکثر تو دینی اور مذہبی ہیں لیکن بعض سماجی اصلاح اور فکری بھی ہیں۔ آج تک راہ اعتدال کے جتنے خصوصی شمارے شائع ہوئے ان کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

۱۔کاکا محمد عمرؒ نمبر (۱۹۹۲ء)

۲۔حج نمبر (۱۹۹۳ء)

۳۔تذکیر نمبر (۱۹۹۶ء)

۴۔قرآن نمبر (۱۹۹۸ء)

۵۔رمضان نمبر (۲۰۰۰ء)

۶۔اتحادامت نمبر (۲۰۰۱ء)

۷۔زکوۃ نمبر (۲۰۰۳ء)

۸۔تعلقات نمبر (۲۰۰۴ء)

۹۔اعتدال نمبر (۲۰۰۵ء)

۱۰۔اسلام اور دہشت گردی نمبر (۲۰۰۶ء)

۱۱۔ہندوستانی مسلمانوں کے مسائل نمبر (۲۰۰۷ء)

۱۲۔موانع ترقی امت نمبر (۲۰۰۸ء)

۱۳۔رحمت عالمؐ نمبر (۲۰۰۹ء)

محمد بدیع الزماں پھلواری شریف راہ اعتدال کے مستقل قلمکاروں میں سے ایک ہیں۔تقریباً ہر شمارہ میں آپ کا مضمون ہوتا تھا۔آپ مہر تھا، تھانہ کانٹی ضلع مظفر پور بہار میں ۲۲ اگست ۱۹۲۲ء کو پیدا ہوئے۔پٹنہ یونیورسٹی میں تاریخ سے ایم۔اے پاس کیا۔بہار سرکار میں ایڈیشنل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے عہدہ سے ۳۱/اگست ۱۹۸۰ء کو ریٹائر ہوئے۔جس کے بعد سے انہوں نے لکھنا شروع کیا۔اقبالیات پر دینی موضوعات پر بچوں کے لئے، خواتین کے لئے بہت سے مضامین لکھے

اورار دو کے ادیبوں پر بھی خامہ فرسائی کی۔

صحافتی نقطۂ نظر سے اگر راہِ اعتدال کا جائزہ لیا جائے تو ہم پر راہِ اعتدال کی اہمیت واضح ہو جاتی ہے۔ ملک وملت کے مسائل ہوں، عالمی مسائل ہوں، خبریں ہوں یا ان کا تجزیہ راہِ اعتدال کے قلمکاروں نے اس جانب بھر پور توجہ دی ہے۔ چونکہ یہ ایک دینی رسالہ ہے اس لئے ایسی چیزیں اس میں ذرا کم ہیں۔ عام طور پر کسی جلسے کی روداد، جامعہ میں منعقدہ جلسوں کی خبریں یا ملی مسائل پر مضامین شائع ہوتے ہیں۔

ماہنامہ 'راہ اعتدال' کی ادبی وصحافتی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ ایل. آر محمد عارف نے ''ماہنامہ 'راہ اعتدال' کی ادبی، صحافتی اور علمی خدمات'' کے عنوان سے ڈاکٹر قاضی حبیب احمد کی نگرانی میں ایم فل کے لئے مدراس یونی ورسٹی سے اور حافظ ابرار الحق نے ''ماہ نامہ راہ اعتدال کا اشاریہ ابتداء تا حال'' کے عنوان سے ڈاکٹر قاضی حبیب احمد کی نگرانی میں ایس. وی. یونی ورسٹی، تروپتی سے ایم فل کے لئے مقالے پیش کر کے ڈگریاں حاصل کی ہیں۔

راہِ اعتدال کے اداریئے عموماً ادارے کے اغراض ومقاصد اور پالیسی کے غماز ہوتے ہیں۔ نومبر ۱۹۹۱ء میں اس کے اجراء سے لے کر آج تک نہایت پابندی، سلیقہ مندی اور اصولی انداز میں یہ اداریئے صفحہ قرطاس کی زینت بنتے آرہے ہیں۔ اعتدال اور میانہ روی ان اداریوں کا خاصہ رہا ہے۔ جیسا کہ رسالے کے نام کی نوعیت اور کیفیت میں تقریباً یکسانیت پائی جاتی ہے۔ جو اس بات کی دلیل ہے کہ رسالے کے ارباب حل وعقد ذہنی ونظریاتی طور پر ہمیشہ متفق اور یکسور ہے ہیں۔ یہ کسی بھی ادارے کی صحت مندی، توانائی اور آئندہ ترقی کی علامت ہے۔

صحافتی نقطۂ نظر سے اداریئے کسی بھی رسالے کے لئے اہم ہوتے ہیں اور یہ احساس راہ اعتدال کے ساتھ اور بھی شدید اس لئے ہے کہ یہ بنیادی طور پر ایک دینی رسالہ ہے جس میں عموماً دینی، علمی اور اصلاحی مضامین جگہ پاتے ہیں۔ اور اس کا ''حرف اعتدال'' جو اس کا اداریہ ہوتا ہے۔ ایک ایسا گوشہ ہے جس میں مدیر آزادی کے ساتھ حالات حاضرہ پر اپنے تاثرات پیش کرسکتا ہے اور یہ ذمہ داری راہ اعتدال کے موجودہ مدیر مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی اور سابق مدیر مولانا ابو البیان حماد عمری نے نہایت احسن طریقے سے نبھائی ہے۔ اس گوشے میں دینیات کا تذکرہ کرتے ہوئے عالم اسلام کو در پیش گمبھیر مسائل وآلام وحوادث پر پر مغز تبصرہ اور بصیرت افروز مباحث کو بھی شامل کیا جاتا ہے۔ نہایت اختصار اور اجمال کے ساتھ یہ تجزیے پیش کئے جاتے ہیں۔ اس لئے کہ شروع سے راہ اعتدال کا یہ اصول رہا ہے کہ حرف تقدیم ڈیڑھ یا دو صفحہ سے زیادہ نہیں ہونے پائے۔

اکثر یہ دیکھا گیا ہے کہ بہت سارے اہم نکات کو ''حرف اعتدال'' میں دریا بکوزہ کی طرح نہایت چابکدستی سے سمیٹ لیا جاتا ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ باوجود خیالات کی آمد ومواد کی فراہمی کے قلمکاروں کو اوراق کی کمی کے

باعث بادل ناخواستہ قلم کو روک لینا پڑتا ہے۔ جبکہ قارئین پوری دلچسپی سے مطالعے میں منہمک رہتے ہیں اور انہیں بار ہا تشنہ ہی اٹھ جانا پڑتا ہے۔ یوم آزادی کے موقعے پر ستمبر ۲۰۰۳ء کے راہ اعتدال کا یہ اداریہ ملاحظہ ہو:

”اگست کی پندرہویں تاریخ جب آتی ہے تو تلخ اور شیریں یادوں کے کتنے ہی دفتر کھل جاتے ہیں۔ ورق ورق اپنے اندر خوش گوار اور ناخوش داستانیں سمیٹے ہوتا ہے کتنی ہی اولوالعزم کوہ پیکر اور ہمالہ شخصیتوں کے حیرت انگیز اور وسبق آموز کارناموں کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ وطن کے ان جیالوں نے حصول آزادی کی خاطر کیسی کیسی قربانیاں دی تھیں۔ جان و مال کو داؤ پر لگایا، زندگی کے عیش و آرام کو تج دیا۔ قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ حالات کی سنگینیوں اور وقت کی بے مہریوں کا مردانہ وار مقابلہ کیا۔ بندوق کی گولیوں، پھانسی کے پھندوں اور توپوں کے دہانوں کا جراءت مندانہ استقبال کیا۔ قدم قدم پر صبر آزما مراحل کے باوجود آزادی کی راہ ان کے قدم ڈگمگائے بغیر مسلسل آگے بڑھتے رہے۔ راستے کا کوئی کانٹا ان کے لئے کوئی رکاوٹ نہیں بن سکا۔ بلکہ ہر مصیبت نے ان کو ایک نیا حوصلہ اور نیا عزم بخشا۔ جانیں دے کر، گھر بار کو لٹا کر اور خاک وطن کو اپنے خون کا نذرانہ دے کر ملک میں آزادی کا پرچم لہرا کے چھوڑا۔“ ۸

مذکورہ اقتباس سے ظاہر ہے کہ ملکی مسائل اور سیاست سے قلمکار پوری طرح اور اس کا دل حب الوطنی کے جذبے سے شرابور ہے۔ ملکی ترقی کے لئے وہ پوری طرح فکر مند اور ساتھ ہی ساتھ ملکی مسلمانوں کی پسماندگی اور بدحالی کے لئے نوحہ خواں ہے۔ راہ اعتدال کی یہی خصوصیت ہے کہ وہ اپنے نظریات اور نگارشات میں ہمیشہ قومی دھارے کے ساتھ بہنا اور ملک و قوم کے ساتھ اپنی ہمدردیاں وابستہ رکھنا ضروری سمجھتا ہے۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ اسلامی شناخت اور پہچان قائم رکھنا اس کے لئے نہایت ضروری اور اہم ہے۔ اسلامی شعار اور بنیادی عقیدے کی پاس داری رسالہ کی اولین غرض و غایت ہے۔ ستمبر ۲۰۰۲ء کے راہِ اعتدال کے اداریہ کا یہ اقتباس ملاحظہ ہو:

”اس وقت مسلمان بڑے سنگین حالات کے انتہائی نازک موڑ سے گزر رہے ہیں۔ اس کے باوجود آپس کے افتراق و انتشار میں کوئی کمی نہیں آئی ہے۔ کہیں فکر و عقیدہ کے اختلاف ہیں تو کہیں مسلکی نزاعات ہیں۔ سیاسی خود غرضیاں ہیں تو کہیں ذات پات کے جھگڑے ہیں۔ کہیں مسلم تنظیموں اور جماعتوں کے درمیان بازار گرم ہیں تو کہیں اقتدار و تولیت کی خاطر رسہ کشیاں ہو رہی ہیں۔ اس سلسلہ میں ٹھنڈے دل سے غور کیا جائے تو ہمیں تسلیم کرنا پڑے گا کہ یہ ساری مصیبت اسلامی تعلیمات سے کنارہ کش ہو جانے اور نفسانیت کا قلاوہ اپنے گردنوں میں ڈال لینے کا نتیجہ ہیں۔ مسلمانوں کا ایک بڑا طبقہ اسلامی اخلاق اور ایثار و قربانی کے جذبے کو بھلا کر، خود غرضی، مفاد پرستی، جاہ طلبی اور مادی منفعت کے ہاتھوں بک چکا ہے۔ اسلام نے اسے

جس مودت ورحمت، اخوت والفت اور ایثار و بے غرضی کا سبق دیا تھا اس کو یکسر فراموش کر چکا ہے۔" 9

ایک مسلمان کے لئے ملکی محبت اور وفاداری کے ساتھ ساتھ عالم اسلام سے بھی جذباتی لگاؤ اور وابستگی ہوتی ہے اور یہ فطری امر ہے۔ تمام عالم میں کہیں بھی مسلمانوں پر کوئی مصیبت ٹوٹتی ہے تو ظاہر ہے کہ مسلمانوں کو چاہے کسی بھی ملک سے تعلق رکھتے ہوں اضطراب و بے چینی ہوتی ہے۔ اس سلسلے میں اکثر لوگوں کو ملکی مذہبی وفاداریوں میں توازن برقرار رکھنے میں پریشانی ہوتی ہے لیکن راہ اعتدال کی پالیسی کا جہاں تک تعلق ہے یہ تناسب صحیح اور انصاف پر مبنی نظر آتا ہے۔ راہ اعتدال کے اکثر اداریوں میں عالم اسلام کی سیاست پر تبصرے اور مسلمانوں پر ہونے والے ظلم وستم کے خلاف صدائے احتجاج ملتا ہے۔ خلیجی جنگ سے لے کر تا حال عراق اور خلیجی ممالک پر امریکی حملے اور صیہونی سازشوں کی پردہ زنی کرتے ہوئے خصوصی مضامین حسب ضرورت راہ اعتدال کے اداریوں کا حصہ بنتے رہے ہیں۔ اس پس منظر میں مئی ۲۰۰۴ء کے راہ اعتدال کے اداریئے کا اقتباس ملاحظہ ہو:

"امریکہ اور اس کے اتحادیوں کے عراق پر قبضے کو ایک سال مکمل ہو چکا ہے لیکن آج بھی وہاں قتل وغارت گری کا بازار گرم ہے۔ بلکہ روز بروز اس میں شدت پیدا ہوتی جارہی ہے امریکی حکام کا یہ خواب شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکا کہ عراقی عوام کو ملت کی بنیاد پر آپس میں لڑا کر عراق پر وہ پوری طرح قابض ہو جائیں گے۔ لگ رہا ہے کہ اپنے جنگ باز حلیفوں کے ساتھ یہ خطرناک دلدل میں پھنس چکا ہے۔ اور بہت جلد وہ اپنے عبرتناک انجام سے دوچار ہونے والا ہے۔ عراق پر حملے سے قبل بھی دنیا کی اکثریت (جن میں بڑی تعداد غیر مسلمانوں کی تھی) اس حملے کے خلاف تھی۔ اور آج بھی دنیا کا ہر انصاف پسند اس کا مخالف ہے۔ خود امریکی عوام کی بھاری اکثریت اس کے خلاف مسلسل احتجاج کر رہی ہے اور آج بھی سراپا احتجاج بنی ہوئی ہے۔ اقوام متحدہ نے بھی امریکہ کو اس جنگ سے باز رکھنا چاہا تھا۔ بزرگ پوپ پال نے بھی اسے روکنے کی ہر ممکن کوشش کی تھی لیکن وقت کے نمرود شداد نے اپنی ضد نہیں چھوڑی۔ عراق کے خلاف کچھ فرضی داستانیں گھڑ کر اس پر حملہ کر ہی دیا۔" 10

اسی طرح عالمی مسائل پر بھی مسلمانوں کی ترجمانی اور دفاع کرتے ہوئے راہ اعتدال کے ایک اور اداریئے کا یہ اقتباس بھی ملاحظہ کیجئے جس میں اسرائیلی جارحیت اور تشدد کی قلعی کھول کر رکھ دی گئی ہے۔ یہ اداریہ جولائی ۲۰۰۴ء کے شمارے میں شامل ہے ملاحظہ ہو:

"آج عراقیوں پر خصوصاً ابو غریب جیل کے قیدیوں پر جو انسانیت سوز مظالم توڑے جارہے ہیں وہ ساری دنیا کے لئے باعث تشویش بنے ہوئے ہیں۔ یہ صرف مسلم ممالک ہی کے لئے المیہ نہیں بلکہ بہت سے غیر مسلم ممالک کے عوام بھی سرتاپا احتجاج بنے ہوئے ہیں۔ دوسری طرف اسرائیل کے وزیر اعظم

اریل شارون ہے جو مظلوم اور نہتے فلسفیوں کو اپنی ننگی جارحیت اور بربریت کا نشانہ بنائے ہوئے ہے۔
ابھی ۲۲/مارچ کو اس کے اشارے پر حماس کے بانی رہنماء اور روحانی پیشوا شیخ احمد یٰسین کو شہید کر دیا گیا۔
وہ بزرگ مرد مجاہد اگر چہ چلنے پھرنے سے معذور تھے مگر اپنے سینے میں شیر کا دل اور جوان جذبہ رکھتے تھے۔
حرکت و عمل اور جد و جہد کی راہ عزیمت میں چٹانوں کی صلابت اور پہاڑوں کی استقامت رکھتے تھے۔
آپ کے باہمت ساتھیوں کے غلیلوں اور سنگباریوں نے اسرائیل کے فولادی دبابوں کے راستے روک دئے اور خوفناک توپوں کے دہانے موڑ دئے اور دنیا کو بتا دیا کہ

ع مومن ہو تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

۲۲/مارچ کو نماز فجر سے فارغ ہو کر وہیل چیر کے ذریعے لوٹ رہے تھے کہ اسرائیلی درندوں نے بڑی بے دردی کیساتھ بمباری کر کے آپ کو شہید کر ڈالا اس جاں کاہ حادثے نے سارے عربوں کو بلکہ دنیا بھر کے کلمہ گو انسانوں کو خون کے آنسو رلا دئے۔ اس سلسلے میں عرب ممالک نے اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل میں قرارداد پیش کی تو امریکہ نے اسے ایک طرفہ قرارداد کہہ کر ویٹو (مسترد) کر دیا'' [11]

''راہ اعتدال'' کے اداریوں میں اسلامی سماج کو بیرونی حملوں اور سازشوں بچانے، احتیاطی تدابیر اختیار کرنے اور صیہونی سازشوں سے بروقت آگاہ کرنے کا کام ہی نہیں ہوتا بلکہ اندرونی منافرتوں اور چپلقشوں سے آزاد کرانے عصبیت اور تنگ نظری سے مسلمانوں کو باز رکھنے، اخلاقی برائیوں اور فواحش سے کنارہ کشی اختیار کرنے وقتاً فوقتاً فکر انگیز پیرائے میں عصری حوالوں کے ساتھ اور عبرت ناک مثالوں کیساتھ مضامین شامل رہتے ہیں۔ اسلامی معاشرت کی تنقیح، تزکیہ اور تصفیہ موجودہ حالات میں بے حد ضروری ہو جاتا ہے۔ ویسے یہ کام ہندوستان کے دیگر اردو رسائل بھی انجام دے رہے ہیں لیکن راہ اعتدال کے اداریوں میں باحسن طریقے سے اسے انجام دیا جا رہا ہے۔

مختلف مذاہب اور مختلف نظریات کے حامل گروہوں کے پاس اخلاق کے معیار الگ الگ ہیں۔ بعض جدید ازموں اور یورپی تہذیب کے بعض علم برداروں کے اخلاقی اصول اس قدر مضحکہ خیز اور بے تکے ہیں کہ ان اصولوں کی حقیقت واضح کرنا اسلامی اداروں اور رہنماؤں کے لئے بے حد ضروری ہے۔ ''راہ اعتدال'' کے اکثر مضامین اور اداریئے اس اہم ضرورت کو پورا کرتے ہیں۔ ہندوستانی سیاست کے بعض نام نہاد اصولوں اور اداروں کی حقیقت واضح کرتے ہوئے مئی ۲۰۰۵ء کے اداریہ کا یہ اقتباس ملاحظہ ہو:

''خود غرضی، موقع پرستی، مصلحت پسندی فتنہ پروری اور شر انگیزی وغیرہ جیسی لعنتیں دنیا میں ہمیشہ ہی عام رہی ہیں۔ مگر موجودہ دور میں ان کی ہر طرف نہایت ضرورت ہے خواہ وہ مذہبی جماعتیں ہوں یا سیاسی

پارٹیاں، عوامی حلقے ہوں یا خواص کے طبقے، منبر ومحراب سے تعلق رکھنے والے ہوں یا درگاہوں وخانقاہوں کے متولیان، مندر وکلیسا سے انتساب رکھنے والے ہوں یا گردواروں اور شوالوں کے اجارہ دار، ہر کوئی عرصۂ حیات میں ایک طرح کا بازیگر ہے۔ اس بازیگر کو مہذب الفاظ میں "سیاست" کہا جاتا ہے۔ بازیگری کے اس اکھاڑے میں جہاں بساط سیاست کے شاطر مہرے ملیں گے وہیں جبہ ودستار کے بل پر سادہ لوح مذہبی عوام پر حکومت کرنے والے خودغرض پیشواؤں کی بھی کمی نہیں ہے۔" [۱۲]

صحافت کا سب سے بنیادی اصول اور تقاضا دیانت داری ہے۔ انصاف اور دیانت داری کے بغیر ایک صحت مند صحافت کا تصور ممکن نہیں ہوسکتا۔ حالات کو من وعن پیش کرنا، ان کے صحیح تناظر اور سیاق وسباق کو بیان کرنا اور تبصروں میں احتیاط اور میانہ روی اختیار کرنا دیانت داری کے تقاضے ہیں۔ اور صحت مند صحافت انہیں اصولوں کی بنیاد پر کھڑی ہوتی ہے۔ خاص طور پر اداریوں میں ان اصولوں کی تلاش اور بھی شدت سے کی جاتی ہے۔ اس لئے کہ اداریہ رسالے کا ترجمان اور نمائندہ ہوتا ہے۔ راہ اعتدال کے اداریوں میں اس اصول کی پاسداری کا مکمل احساس ہوتا ہے۔ باوجود یہ کہ مسلکی اعتبار سے ادارہ اہلِ حدیث طرز کا حامل ہے مگر دیگر حق پرست اسلامی نظریات کے ساتھ اس کا رویہ رواداری کا ہے۔ مسلکی شدت پسندی اور عصبیت جو عموماً معاشرے کو مسموم بنارہی ہے اور امت مسلمہ کی جڑوں کو اندر سے کھوکلا بنارہی ہے اس لعنت سے یہ رسالہ بڑی حد تک کنارہ کش ہے اس کے برعکس "راہ اعتدال" کی ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے کہ اہل حق کو جزوی اختلافات سے قطع نظر کرکے قریب لائے۔ ایک طرح سے یہ رسالہ کا نصب العین بھی ہے کہ امت کو افراط وتفریط سے نکال کر سیدھے رستے پر لگایا جائے۔ ایسی کئی مثالیں موجود ہیں جن سے ادارے کی ان کوششوں کا اندازہ ہوتا ہے کہ "راہ اعتدال" دیگر مسالک کے مثبت پہلوؤں کو اجاگر کرنے اور ان کی ستائش کرنے میں ہمیشہ پیش پیش رہا ہے۔ راہ اعتدال جولائی ۱۹۹۷ء کے اداریہ کا یہ اقتباس ملاحظہ ہو:

"۱۶ تا ۱۷ محرم الحرام ۱۴۱۸ھ م ۲۴ تا ۲۶ مئی ۱۹۹۷ء ہفتہ، اتوار اور پیر کے تین دن جنوبی ہند کے لئے بڑے یادگار دن تھے۔ ان دنوں میں وشارم، ضلع ویلور میں تبلیغی جماعت کا سہ روزہ عظیم الشان اجتماع منعقد ہوا تھا۔ اس اجتماع کے اعلان کے لئے نہ کسی اخبار وریڈیو کی خدمات حاصل کی گئی تھیں نہ کہیں پوسٹر وغیرہ ہی لگا اور نہ مسجدوں وبازاروں میں نوٹس تقسیم ہوئے اس کے باوجود لاکھوں کی تعداد میں بندگان خدا سفر کی صعوبت اور موسم کی شدت سے بے نیاز ہوکر ایک وسیع میدان میں جمع ہوگئے تھے۔ لوگ مختلف راستوں اور سواریوں سے بلا امتیاز مسلک وجماعت جوق درجوق اور کارواں درکارواں جمع ہوتے رہے تھے۔" [۱۳]

''راہ اعتدال'' گذشتہ پچیس سالوں سے بلا ناغہ نہایت آب وتاب سے جاری ہے اور اس کے اداریے یہاں ہم نے قدرے طویل اسی لئے نقل کردئے کہ ان کی ادبی اہمیت مسلم ہے۔ ان اداریوں کو اگر الگ سے جمع کر کے موضوعاتی ترتیب سے شائع کر دیا جائے تو کوئی اہم رسالے وجود میں آسکتے ہیں۔

جناب حبیب الرحمٰن اعظمی صاحب کی علالت کے باعث ادارت کی بیش تر ذمہ داریاں ان دنوں 'راہ اعتدال' کے نائب مدیر جناب مولانا رفیع کلوری صاحب نہایت خوش اسلوبی اور تن دہی سے انجام دے رہے ہیں۔

سالنامہ ''دارالسلام''

''دارالسلام'' شعبۂ اردو کی جانب سے نکلنے والے ماہنامہ تنویر کا سالنامہ ہے۔ اس کا آغاز غالباً ۱۹۶۶ء میں ہوا۔ یہ طلبہ جامعہ عربیہ دارالسلام عمر آباد کا اصلاحی، علمی وادبی مجلّہ ہے، طلبہ جامعہ ہی اس کے ناشرین رہے ہیں۔ راقم کو سن ۱۹۶۹ء کا سالنامہ دارالسلام ملا۔ اس کے اداریہ سے پتہ چلا کہ یہ مجلّہ ۱۹۶۶ء سے شروع ہوا ہے۔ جیسے اس میں تحریر ہے۔

''مجلّہ دارالسلام سالنامہ کا یہ چوتھا نمبر ہے۔ جو ایک روایتی نمبر کی حیثیت سے منظر عام پر آرہا ہے''۔

سالنامہ دارالسلام کی اشاعت کے مقصد کو اداریہ میں اس طرح پیش کیا گیا ہے کہ؛

> ''ہم یہ فیصلہ قارئین پر چھوڑ رہے ہیں کہ وہ تنقید کی کسوٹی پر جانچ کر بتائیں کہ ہمارے طلبہ کے قدم میدان صحافت میں ترقی کی جانب بڑھ رہے ہیں یا کچھ اور۔ زیر نظر شمارہ کو ہم نے روایتی کہا تو یہ اتفاقی کلمہ نہیں جو نوک قلم پر آگیا ہے بلکہ کچھ سوچ کر اس لفظ کا انتخاب عمل میں آیا ہے۔ کیوں کہ جس وقت پہلا سالنامہ زیور طبع سے آراستہ ہو کر آپ حضرات کی خدمت میں پیش کیا گیا تو اس کا مقصد ہر گز یہ نہیں تھا کہ ہم ہمارے ہر تعلیمی سال کے اختتام پر ایک اکلوتا پرچہ دریتیم کی شکل میں پیش کرتے رہیں گے۔ بلکہ ہماری دلی خواہش اور دیرینہ تمنا یہ تھی کہ اس جامعہ سے ایک جامع ماہنامہ جاری کیا جائے جو مسلمانوں کے معاشرتی مسائل کے حل کرنے میں حکیمانہ رائے رکھتا ہو اور اخلاقی سدھار کا مدبرانہ حل رکھتا ہو۔'' [۱۴]

اس سالنامے میں تین زبانوں میں مضامین پیش کئے گئے ہیں۔ اردو میں ۳۱، انگریزی میں تین اور عربی میں گیارہ مضامین ہیں۔ اس کے سرپرست اردو اور عربی کے لئے مولانا عبدالواجد عمری رحمانی، سابق ناظم جامعہ تھے۔ انگریزی کے لئے ٹی محمد غوث صاحب تھے۔ اس کے قلم کاروں میں ۱۔ مولانا ثناء اللہ صاحب عمری ۲۔ حافظ سید ندیم الحق عمری، ۳۔ حافظ سید علیم الحق عمری، ۴۔ سید ابراہیم افسر عمری، ۵۔ حافظ سید عمیر عمری۔ ۶۔ کے فضل الدین عمری وغیرہ ہیں۔ اس سالنامے کے اہم عناوین یہ ہیں۔ ۱۔ جذبہ فدا کاری۔ ۲۔ تاریخ خود کو دہراتی ہے، ۳۔ احسان فراموش (افسانہ)، ۴۔ ہماری زبان۔، ۵۔ اس انجمن گل میں شعلہ بھی ہے شبنم بھی، ۶۔ انسان کا مقصد حیات۔

جناب مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی عمری مدیر راہ اعتدال نے، ''دارالسلام'' سالنامے کے لئے ''پیغام خلوص'' کے نام سے پیغام لکھا ہے۔اس پیغام میں سالنامے کے تعلق سے، بہت سی باتوں کا علم ہوتا ہے اور غرض وغایت معلوم ہوتی ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

''یہ بڑی خوشی کی بات ہے کہ ہمارے عزیز طلبہ سال بھر تقریری مشقوں کے علاوہ قلم وقرطاس سے بھی پوری دلچسپی لیتے رہے ہیں اور بڑی محنت و جانفشانی سے مختلف زبانوں (اردو، عربی، ٹمل، تلگو اور ملیالم وغیرہ) میں اپنے اساتذہ کی نگرانی اور رہنمائی میں قلمی ماہنامے پیش کرتے رہے۔اب سال کے آخر میں ان مختلف ماہناموں کا مشترکہ سالنامہ ''دارالسلام'' کے نام سے پیش کررہے ہیں۔'' ۱۵

اس عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ جامعہ کس طرح اپنے طلبا کو میدان صحافت کی راہ دکھاتا ہے اس کے لئے ان کی کس طرح پس پردہ تربیت وحوصلہ افزائی کرتا ہے۔

سالنامہ ''دارالسلام'' میں ۱۹۹۸ء کے بعد سے خاص نمبروں کی روایت نہیں رہی۔ مگر جب ۲۰۰۵ء کا سن شروع ہوا تو ''تنویر'' کے مدیر کی حیثیت سے ابومظہر صدیقی کا تقرر عمل میں آیا۔انہوں نے ''تنویر'' کے لیے اپنا خون پسینہ ایک کرتے ہوئے اسے نئے نئے رنگوں میں پیش کیا۔اور بڑے پیمانے پر طلبہ سے مضامین لکھواتے رہے۔ یہ واقعی سالنامہ ''دارالسلام'' کے لیے انقلابی دور تھا کہ اس نے خاص نمبرات کی جانب اپنا قدم بڑھایا اس کے محرک جناب ڈاکٹر سعید احمد عمری صاحب اور ابومظہر خالد صدیقی ہیں۔ یہ خاص نمبرات کا سلسلہ اب تک جاری ہے۔ ۲۰۰۵ء سے ۲۰۰۸ء تک چار خاص شمارے منظر عام پر آئے ہیں۔ پہلا خاص نمبر ''تعلیم'' پر دوسرا خاص نمبر ''قرآن'' پر، تیسرا خاص نمبر ''حدیث'' پر اور چوتھا خاص نمبر ''عورت'' پر منظر عام پر آئے ہیں۔میں دارالسلام کے عام شماروں سے صرف نظر کرتے ہوئے اس کے خاص شماروں پر گفتگو کرنا مناسب سمجھتا ہوں جو حسب ذیل ہیں۔

''تعلیم نمبر'' (۲۰۰۵ء):

۲۰۰۵ء کا سالنامہ تعلیم نمبر کے عنوان سے شائع ہوا تھا۔جس کے مدیر ابومظہر خالد صدیقی، نائبین، محمد لیاقت، محمد ظہیر الدین دانش تھے۔اس کے نگران اور صلاح کار مولانا ڈاکٹر سعید احمد صاحب عمری تھے۔اسی سال سے سالناموں کے لئے خاص شمارے شائع کرنے کی روایت کی پھر سے ابتداء ہوئی اس مجلّے کو تین بنیادی سرخیوں کے تحت تقسیم کیا گیا ہے جو یہ ہیں۔ ا۔علم منزل بہ منزل، ۲۔مختلف علوم اسلام کے تناظر میں، ۳۔علم مسائل ومشکلات۔اس سالنامے کے چند اہم عناوین اس طرح سے ہیں:

ا۔طبع انسانی اور آغاز تعلیم، ۲۔تعلیم اور اس کی تاریخ، ۳۔قرآن کریم اور علوم جدیدہ، ۴۔ چند قدیم کتب خانے، ۵۔علم تفسیر ایک جائزہ، ۶۔علم حدیث-ایک تعارف، ۷۔علم ادب، ایک نظر میں، ۸۔علم اور معلم، ۹۔علم اور ادب، ۱۰۔علم اور عقل، ۱۱۔علم اور قلم وغیرہ۔

"قرآن نمبر" (۲۰۰۶ء):

قرآن کے جیسے اہم موضوع پر دار اسلام کا خصوصی شمارہ ۲۰۰۶ء میں شائع ہوا۔ جس کے مدیر حافظ عبید اللہ کرنولی اور نائبین عبدالودود اکرمی اور ظہیر الدین دانش تھے۔ اس مجلّہ کو بھی چار بنیادی سرخیوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ۱۔ قرآن مجید: علوم و معارف۔، ۲۔ قرآن مجید: آفاق و انفس کی شہادتیں، ۳۔ قرآن مجید: تصورات تعلیمات اور پیغامات۔، ۴۔ قرآن مجید: اپنوں اور پرایوں میں۔ قرآن مجید نمبر کے چند اہم عناوین اس طرح ہیں: ۱۔ مصحف عثمانی۔ ایک تعارف، ۲۔ کاتبین وحی۔ ایک جائزہ۔، ۳۔ اسلوب قرآن۔ ایک جائزہ۔، ۴۔ خصائص القرآن۔، ۵۔ نظم قرآن۔، ۶۔ اعتدال کا قرآنی تصور۔، ۷۔ حاملین قرآن کی ذمہ داریاں، ۸۔ قرآن کریم سراپا اعجاز ہے۔

"حدیث نمبر" (۲۰۰۷ء)

"قرآن اور حدیث کا بے حد گہرا تعلق ہے۔ دونوں وحی ہیں مگر دونوں میں فرق یہ ہے کہ قرآن وحی متلو ہے، حدیث وحی غیر متلو ہے۔ حدیث کے معانی اللہ کی طرف سے نازل کردہ ہیں، الفاظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہیں اور قرآن کے معانی و الفاظ دونوں و منزل من اللہ ہیں"۔ [۱۶]

ان خیالات کا اظہار محمد ظہیر الدین دانش (مدیر۔ دار السلام سالنامہ حدیث نمبر ۲۰۰۷ء) نے اپنے اداریے میں کیا۔ اس مجلّے کے نائبین میں مقصود حسین ساحل اور محمد افضل خان کے نام شامل ہیں۔ اس مجلّے کے عناوین دو بنیادی سرخیوں میں تقسیم کیے گئے ہیں۔ وہ ہیں۔ ۱۔ علم حدیث ایک تعارف، ۲۔ چند اہم محدثین اور شارحین۔ اس شمارے کے خاص مضامین ہیں۔ "اعجاز حدیث" (مضمون نگار: عبید اللہ اطہر)

اس نمبر کی دوسری خاص چیز یہ ہے کہ تدوین حدیث کو عہد بہ عہد تقسیم کر کے ان پر مضامین لکھوائے گئے ہیں۔ یقیناً یہ مضامین انوکھی نوعیت کے حامل ہیں۔ دوسرا سوانحی حصہ ہے جس میں محدث صحابہ، محدث صحابیات، محدث تابعین سے گفتگو کا آغاز کر کے عبد الرحمٰن مبارکپوری پر مضامین کا سلسلہ ختم کیا گیا ہے۔ طلبہ نے سوانحی مضامین لکھتے ہوئے بنیادی مراجع سے استفادہ کیا ہے۔ کہیں بھی ثانوی مراجع کا تذکرہ نہیں ملتا۔ یہ چیز اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ اس رسالے کے طالب علم قلم کاروں کی ترتیب میں نگران، مدیر اور نائبین نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہے اور حدیث نمبر کو معیاری سے معیاری تر بنانے کی کوشش کی ہے۔

"عورت نمبر" (۲۰۰۸ء):۔

اسلام سے پہلے عورت انسانی حقوق سے محروم اور سماج کی نگاہ میں منحوس اور بے وقعت سمجھی جاتی تھی۔ یہودیوں اور عیسائیوں کے یہاں عورت شیطان کا دوسرا روپ سمجھی جاتی تھی۔ اسلام ہی ایک واحد مذہب ہے جس نے عورت کے

ساتھ انصاف کیا اور ہر ایک کے مراتب مقرر کیے۔ یہ نمبر ضرورت زمانہ کے لحاظ سے خاص نمبر ہے۔ اس نمبر کو اپنے عنوان کے لحاظ سے معیاری بنا کر پیش کیا گیا ہے۔

قلمی ماہنامہ ''تنویر''

جامعہ دار السلام میں طبع ہونے والے رسائل کے ساتھ ساتھ قلمی رسائل کا بھی اہتمام کیا گیا ہے۔ جامعہ دار السلام کا سب سے پہلا قلمی رسالہ ''الاخلاق'' ہے جس کے مدیر مولانا ابو البیان حمادؔ عمری رہے۔ قلمی رسالہ ''تنویر'' کی ابتداء مولانا عبد الواجد صاحب عمری کی ادارت میں ۱۹۶۶ء میں ہوی۔ جامعہ میں با قاعدہ اس قلمی ماہنامہ کی روایت کو پروان چڑھانے میں مولانا حافظ ظفر الحق صاحب طالبؔ نائطی اور مولانا عمران اعظمی کے مثبت رویے اور حوصلہ افزائی کو خاص دخل ہے۔ ان دونوں صاحبان نے کافی جد و جہد اور محنت کے بعد ''تنویر'' کو قانونی حیثیت دینے میں کامیابی حاصل کی۔ جامعہ کے صحافتی پس منظر میں ان کے اس عظیم احسان کو کبھی فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ اس لئے کہ اسی قلمی ماہنامے کے ذریعے طلباء جامعہ میں تحریری قابلیت پیدا ہوئی اور جو آگے چل کر ملک کے نامور صحافی بنے۔

سیرت النبی نمبر:

قلمی ماہنامہ ''تنویر'' کا یہ خصوصی شمارہ ۱۹۷۹ء میں منظر عام پر آیا۔ مرتبین نے اس بات کی پوری کوشش کی ہے کہ یہ خصوصی شمارہ کسی طرح بھی تشنہ نہ رہے۔ سیرت النبیؐ کے تمام گوشے منظر عام پر آجائیں۔ رسولؐ کو ایک طرف بحیثیت شوہر دکھایا گیا ہے تو دوسری طرف بحیثیت مصلح اعظم۔ رسولؐ کے اسوے کی طرف نظر دوڑائی گئی ہے تو دوسری طرف رسولؐ کے ماہر نفسیات ہونے کو اجاگر کیا گیا ہے۔ اور اس طرح مختلف حیثیتوں سے سیرت نبوی کی ہمہ جہتی کو منظر عام پر لایا گیا ہے۔ اس شمارے میں مولانا ابو البیان حمادؔ صاحب عمری، ماسٹر غوث صاحب، حفیظ میرٹھی (ماخوذ) کی نعتیں شامل اشاعت ہیں۔ سیرت النبی نمبر کے چند اہم مضامین اس طرح ہیں۔

۱۔ رسول اللہؐ کا منافقین کے ساتھ حسن سلوک (مولانا ابو البیان حمادؔ عمری)، ۲۔ آنحضورؐ کے سیاسی خطوط (اشتیاق احمد اعظمی)، ۳۔ تحفظ سیرت کے فطری طریقے (حافظ محمد اسماعیل، کرنول)، ۴۔ آنحضورؐ ایک ماہر نفسیات (محمد عارف الدین کلیم)، ۵۔ آنحضورؐ بحیثیت مصلح اعظم (عبد الرحمٰن وردھا)۔

علامہ اقبال نمبر:

علامہ اقبال بیسویں صدی کی عبقری شخصیات میں شمار ہوتے ہیں، آپ نے اسلامی وفلسفیانہ شاعری کے ذریعہ امت مسلمہ کو بیدار کرنے کا فریضہ انجام دیا۔ اسلام اور شاعری کو انہوں نے ایک جان دو قالب بنا کر امت مسلمہ کے سامنے پیش کیا تھا یہ حقیقت سب پر روشن ہے۔ علامہ اقبال کی عظمت کو سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش ایک طویل عرصے سے

ہو رہی ہے۔ جس کی مثالیں وہ رسائل وجرائد ہیں جو ان پر خصوصی شمارے شائع کرتے ہیں۔ وہ کتابیں ہیں جو اقبالیات کے تحت شائع ہوتی ہیں۔

''تنویر'' کا علامہ اقبال نمبر کئی حیثیتوں سے منفرد ہے، ایک یہ کہ یہ قلمی ماہنامہ ہے۔ دوسرا یہ کہ اس میں بہت سے ایسے زاویوں سے اقبالیات پر لکھا گیا ہے کہ اس سے قبل کبھی اور کسی زمانے میں ان زاویوں کی طرف کسی کی توجہ منعطف نہیں ہوئی۔ مدیر ارشاد سہیل نائب مدیر سید وصی اللہ بختیاری نے بڑی محنت وکاوش سے اس نمبر کو چار چاند لگائے۔ اس نمبر کے نمایاں شعبے حسب ذیل ہیں۔

۱۔ اقبال اور حدیث، ۲۔ اقبال اور ملائیت، ۳۔ اقبال اور مسئلہ تقدیر، ۴۔ اقبال کی چند پیشن گوئیاں وغیرہ۔

اقبال نمبر کے چند عناوین یہ ہیں:

۱۔ اقبال کے کارنامے (عبدالصبور حماد)، ۲۔ اقبال کا فلسفۂ عشق وعقل (سید ارشاد سہیل)، ۳۔ اقبال بحیثیت اسلامی مفکر (کے. خالد سیف اللہ)، ۴۔ علامہ اقبال اور اشتراکیت (عبدالسلام بن محمد عثمان سیڈم)، ۵۔ اقبال کا نظریۂ تعلیم (محمد یعقوب ہنچال)، ۶۔ علامہ اقبال کی ایک تصویر (سید مصطفیٰ قادری)، ۷۔ علامہ اقبال کی اسلامی شاعری (عبدالکبیر سرسی)، ۸۔ اقبال اور مرد مومن (شیخ عبدالعزیز، ۹۔ تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ (سید فتح اللہ بختیاری)، ۱۰۔ اقبال آغوش تصور میں (سید عطاء الرحمٰن)، ۱۱۔ اقبال حیدرآباد میں (خلیل اللہ خان حیدرآباد)۔

''تنویر'' کا یہ علامہ اقبال نمبر ۱۹۹۸ء میں منظر عام پر آیا۔ اور اس قابل ہے کہ اسے شائع کیا جائے۔

''تنویر'' اور اردو ادب:

ابتداء ہی سے ماہنامہ ''تنویر'' ادب کی طرف مائل رہا۔ اس میں طلبہ دینی مضامین کے ساتھ ساتھ ادبی مضامین، غزلیات، لطیفے، نظمیں، خاکے لکھتے رہے۔ ان میں استاد شاعر مولانا ابوالبیان حماد صاحب کا کلام، مولانا حبیب الرحمٰن زاہد اعظمی عمری، عبدالحلیم قدسی، اللہ بخش نوری وغیرہ کا کلام شامل کیا جاتا رہا ہے۔ اور آگے بڑھتے بڑھتے تنویر کے مضامین تین حصوں میں تقسیم ہوئے۔ ۱۔ اسلامیات، ۲۔ باب ادب، ۳۔ باب ترجمہ۔ اسلامیات اور باب ادب میں توازن کا انہوں نے خاص لحاظ رکھا۔ طلباء سے دونوں قسم کے مضامین لکھوائے گئے اگر ادب کا باب کبھی لڑکھڑایا تو مدیران نے خاص طور سے ظہیر دانش نے اس کمی کو پورا کرتے ہوئے ادبی مضامین خود لکھے اور ادب کا باب کمزور پڑنے نہ دیا۔ ''تنویر'' میں جو ادبی مضامین شائع ہوتے رہے ان کی تفصیل یوں ہے۔ ۱۔ طرز غالب۔ ۲۔ مولانا آزاد کو خراج عقیدت۔ ۳۔ مولانا آزاد ایک نظر میں۔ ۴۔ اقبال کے تخلیقی عناصر۔ ۵۔ جس نے اقبال کو اقبال بنادیا۔ ۶۔ مولانا آزاد جمال اور شاعری۔ ۷۔ ادب اور اسلام۔ ۸۔ سنہ ۲۰۰۵ء کا مزاحیہ ادب۔ ۹۔ عورت اقبال کی نظر میں وغیرہ۔

۲۰۰۷ء سے ''تنویر'' میں ادب پر زیادہ زور دیا گیا۔ نثری مضامین، غزلیں، نظمیں، ماہیے، خاکے، مزاحیہ نظمیں جیسی اصناف سخن بھی شامل اشاعت کی گئیں۔ اس وقت کے مدیر ظہیر دانش نے اس سلسلے میں کافی دلچسپی دکھائی۔ اس کے بعد ''تنویر'' میں مختلف اصناف نظم بھی شامل کی گئیں۔ ''تنویر'' کے تازہ ادبی مضامین اس طرح ہیں۔ ۱۔ مولانا ابوالکلام آزاد۔ ۲۔ مولانا الطاف حسین حالی۔ ۳۔ برصغیر کے دوسو مسلم اشخاص کا اشاریہ۔ ۴۔ پنچ سالہ ادب کا جائزہ۔ ۵۔ اے دل تو مجھے لے چل (نظم)۔ ۶۔ دوہے۔ ۷۔ الشاعرالاسلامی سر محمد اقبال۔ ۸۔ رجل اُمیر (عربی کہانی)۔ ۹۔ ماہرالقادری۔ ۱۰۔ مولانا حسرت موہانی۔ ۱۱۔ شیدا رومانی کی شاعری۔ ۱۲۔ میٹھی بھر شاعری۔ ۱۳۔ خواجہ میر درد۔ ۱۴۔ عامر عثمانی۔ ۱۵۔ عارف (کہانی)۔ ۱۶۔ شہناز (کہانی)۔ ۱۷۔ مولانا علیم اختر مظفرنگری۔ ۱۸۔ پروین شاکر کی شاعری۔ ۱۹۔ چاند سے سرگوشی وغیرہ۔

''تنویر'' میں بہت سوں نے لکھا ہے جن میں اکثر کا ذکر پہلے آچکا اور چند کا بعد میں بھی آئے گا۔ یہ سب قلمی ماہنامہ ''تنویر'' کی دین ہے۔ جہاں سے انہوں نے قلم پکڑنا سیکھا اور میدان صحافت میں ترقی کرتے چلے گئے اب حال یہ ہے کہ یہ حضرات کئی کتابوں کے مصنف ہیں کئی رسالوں کی ادارت ان کے ذمہ ہے، کئی تحقیقی کام کررہے ہیں ان قلمکاروں میں جاوید اختر اعظمی عمری، محمد شکیب عالم عمری، افضل احمد اعظمی عمری وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

سالنامہ ''صفیر'' ویلور

سالنامہ ''صفیر'' ۱۹۷۰ء میں جاری ہو۔ یہ دراصل مدرسہ باقیات الصالحات ویلور جسے ام المدارس بھی کہا جاتا ہے کا ترجمان رسالہ ہے جسکی ادارت مولانا ڈاکٹر راہی فدائی کے قابل ہاتھوں میں رہی۔ لیکن یہ باقیات کا سنہری دور تھا اور اہلِ علم واہلِ قلم کی بھرمار تھی۔ اس سبب سے راہی فدائی کو ایک پوری جماعت کا تعاون حاصل تھا۔ اس تنوع اور نیرنگی سے رسالے کو بڑا فائدہ ہوا اور یہ ''ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است'' کا مصداق بن گیا۔

'صفیر' کا اس تنوع کے باوجود ایک خاص رنگ ہوتا تھا پورے اٹھارہ برس یہ سالنامہ نہایت پابندی سے پوری آب وتاب کے ساتھ جاری رہا۔ اس کے قارئین کا ایک خاص محدود حلقہ تھا جیسا کہ ترجمان رسالوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ چونکہ یہ خالص علمی وادبی اور اصلاحی رسالہ تھا کسی قسم کا تجارتی مفاد اس کے ساتھ وابستہ نہیں تھا تو ادارہ کا بھی مقصد یہی ہوتا تھا کہ یہ تمام علماء، ادباء اور خواص کے طبقے میں پہنچے اور ''صفیر'' کو اس مقصد میں بڑی حد تک کامیابی حاصل ہوئی تھی اور معیار کے لحاظ سے خواص کے طبقے میں پذیرائی حاصل ہوئی۔

'صفیر' کا ادارتی عملہ اور بڑی حد تک اس کے قلم کار بھی مدرسہ باقیات صالحات کے اساتذہ اور فضلا ہوتے تھے۔ اس کے سرورق پر مدرسہ باقیات صالحات کے علاوہ انجمن ترقی اردو ہند، ویلور شاخ بھی لکھا رہتا تھا۔ مدرسہ وانجمن کا

مشترکہ ترجمان ہونا ایک نادر بات معلوم ہوتی ہے۔ ممکن ہے انجمن ترقی اردو ہند، ویلور شاخ کے تمام ارکان حسن اتفاق سے مدرسے کے اساتذہ اور متوسلین ہی رہے ہوں۔ بہر حال انجمن ترقی اردو کی نسبت سے یہ فائدہ ضرور ہوا کہ رسالے کا مزاج ادبیت سے بھرپور ہوتا تھا۔ بدقسمتی سے مدرسہ باقیات صالحات میں ۱۹۸۸ء میں نامساعد حالات پیش آگئے تو بہت سارے اکابر اساتذہ نے مدرسہ سے علاحدگی اختیار کرلی ان میں مولانا راہی فدائی اور ان کے علاوہ بہت سارے ادبا بھی شامل تھے جن کی وابستگی 'صفیر' کے لئے جز لاینفک کا حکم رکھتی تھی۔ لہٰذا اس رسالے کے زندہ رہنے کا جواز بھی ختم ہوگیا۔ اس طرح ایک مقبول و معروف رسالے نے عین شباب کے عالم میں دم توڑ دیا۔

''صفیر'' کے کل اٹھارہ شماروں میں سے سب شمارے یکجا نہیں ہوسکے تو جس قدر دستیاب تھے انھیں کو بنیاد بنا کر میں نے اس رسالے پر تبصرہ کیا ہے۔ یہ رسالہ عموماً ڈیڑھ سو سے دو سو صفحات پر مشتمل ہوتا تھا۔ سرورق رنگین اور چکنے کاغذ پر خوبصورت ٹائیٹل کے ساتھ ہوتا تھا۔ کتابت اور طباعت دونوں عمدہ اور زبان و بیان اور املا کی غلطیوں سے پاک ہوتے تھے۔ کاغذ بھی عمدہ استعمال کیا جاتا تھا۔ کتاب ڈبل ڈیمی سائز پر ہوتی تھی۔ یہی سائز اس زمانے میں عموماً رسالوں کا ہوا کرتا تھا۔ رسالے کے آخر میں بڑی تعداد میں اشتہارات بھی شامل ہوتے تھے۔ ممکن ہے کہ ان اشتہارات سے حاصل ہونے والی آمدنی رسالے کی طباعت کے مصارف میں خرچ ہوتی تھی چونکہ یہ رسالہ بلا قیمت روانہ کیا جاتا تھا تو اس کے مصارف کا مرحلہ یقیناً ایک بڑا مسئلہ ہے۔

بہر حال سالنامہ ''صفیر'' ان ظاہری خوبیوں کے ساتھ ساتھ باطنی خوبیوں سے بھی آراستہ تھا۔ اس رسالے نے ریاست میں بالعموم اور شہر ویلور کے اطراف و اکناف میں بالخصوص اردو صحافت میں ایک اہم کردار ادا کیا اور عوام و خواص میں ادب و انشا اور مضامین و انشا پردازی کا ذوق پیدا کرانے میں اہم رول ادا کیا۔ مولانا راہی فدائی نے خاص طور سے اپنے خون جگر سے اس رسالے کو سینچا تھا۔ انھوں نے اپنی خداداد ادبی صلاحیتوں اور نکھرے ہوئے صحافتی ذوق سے اپنے محدود وسائل کے باوجود اس رسالے کو اونچا اٹھانے کی حتی المقدور کوشش کی۔ مولانا کو صحافت کا اچھا سلیقہ حاصل ہے مولانا جعفر حسین فیضی صدیقی کی سرپرستی اور مولانا فدوی باقوی کی اعانت و نگرانی میں مولانا راہی فدائی نے نہایت کامیابی سے اس رسالے کو اٹھارہ سال تک چلایا۔ اس ادارتی عملے نے اس علاقے کے مشہور و معروف ادباء و شعراء کو اپنے ساتھ رکھنے اور ان کا قلمی تعاون حاصل کرنے میں بھی کامیابی حاصل کی۔

''صفیر'' کے مشمولات میں اداریہ کے بعد درس قرآن اور درس حدیث سے آغاز ہوتا تھا۔ حصہ نثر میں علمی، تحقیقی، معلوماتی، تاریخی مضامین کے علاوہ ادبی خانے میں سفرنامے، روداد یں، انشائیے اور افسانے بھی شامل ہوتے تھے۔ ادب کا خانہ کبھی فحش و برہنگی کی بے ادبی سے آلودہ نہیں ہوتا تھا۔ حتی الامکان ادب کا حصہ اسلام پسندی کا غماز ہوتا تھا۔

جہاں تک 'صفیر' کی منظومات کا تعلق ہے اس میں تقریباً سبھی اصناف سخن کی نمائندگی رہتی تھی۔ حمد، نعت، رباعیات، غزلیں اور نظمیں ضرور شامل اشاعت رہتی تھیں۔ ۱۹۸۶ء کے سالنامہ 'صفیر' سے ساغر جیدی کی یہ غزل ملاحظہ ہو:

تنہا روی سے حاضر ہوں ۔۔۔ خانہ بدوش تاجر ہوں
میں مومنوں کی محفل میں ۔۔۔ عزت مآب کافر ہوں
میرے وجود کے منکر ۔۔۔ غائب میں دیکھ حاضر ہوں
کردے جو فخر کو زائل ۔۔۔ اس راہ کا مسافر ہوں
مجھ کو عقیدۂ مانو ۔۔۔ میں بھی خرد سے باہر ہوں
قول و عمل سے کیا نسبت ۔۔۔ دو اینٹ کا مجاور ہوں
اک بام اڑ نہیں سکتا ۔۔۔ پتھر پہ کندہ طائر ہوں
ساغر کی بد مزاجی سے ۔۔۔ بالکل کبیدہ خاطر ہوں

اسی اشاعت میں مولانا اشرف علی کا تحقیقی مضمون ''تاریخی قطعات'' بھی شامل ہے۔ یہ ایک نہایت پر مغز اور علمی مضمون ہے اور ایک نادر اور نہایت اہم موضوع پر قلم بند ہوا ہے۔ اس میں مولانا موصوف نے نہایت عرق ریزی سے ریاست کے مختلف تاریخی مقامات اور قدیم مساجد، مقابر اور مدارس وغیرہ میں کندہ کتبوں میں درج مادہ ہائے تاریخ کا جائزہ لیا ہے۔ اس مضمون سے ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

''شہر کشنگری کے محلہ قلعہ کی شاہی مسجد پہاڑ کے دامن میں واقع ہے اور ڈھائی سو سال کی مدت گزر گئی کہ اس کی فلک بوس چٹانیں مسجد سے بلند ہونے والے نعرہ ہائے تکبیر سے گونجتی رہتی ہیں۔ قطعہ تاریخ کے چوتھے مصرع سے سن تعمیر گیارہ سو انچاس آشکارا ہے۔

کرد ہ بنائے مسجد عالی دریں مکاں
بابو حوالہ دار ز عبدالرزاق خاں
تاریخ سعد ایں چوں خرد گفت آشکار
سن یکہزار و یکصد و چہل و نہم بداں

۱۱ ۔۔۔ ھ ۔۔۔ ۴۹

جیسا کہ پہلے بھی عرض کیا گیا ہے یہ تاریخ صوری ہے۔ اس میں اعداد حروف سے استخراج سن کی زحمت نہیں ہوتی بلکہ خود ظاہر عبارت سے سال معلوم ہو جاتا ہے۔ لیکن در حقیقت فن جمل سے اس قسم کا تعلق نہیں۔''[17]

جہاں ''صفیر' میں مولانا اشرف علی صاحب کے خشک تحقیقی مضامین ہوتے تھے تو توازن بنانے کے لئے ''شگوفے'' اور ہمصفیر کا لکھا ہوا ''سنسنی خیز منظر'' ظرافت کی پھلجھڑی ہوتے تھے اور مولانا جعفر حسین فیضی صدیقی کی ظرافت آمیز نگارشات اور انشائیے تفنن طبع کا سامان بہم پہنچاتے تھے۔ یہ بات نہیں ہے کہ مولانا اشرف علی خشک تحریر لکھنے کے عادی ہیں یا ظریف پیرایہ نگارش پر قدرت نہیں رکھتے بلکہ موضوع کی خشکی کا لازماً اثر تحریر پر پڑتا ہے اور ''تاریخی قطعے'' ایک ذوقی چیز ہے اس سے ہر کس و ناکس کو دلچسپی نہیں ہوسکتی۔ لیکن موضوع نہایت اہم اور ضروری ہے۔ مولانا محترم نے ایک دم توڑ رہے شعبہ ادب میں جان ڈالنے کی سعی کی ہے۔

مولانا جعفر حسین فیضی صدیقی نے ''حرف و حکایات'' کے عنوان سے ایک کالم شروع کر رکھا تھا جو نہایت دلچسپ اور معلومات سے بھرپور ہوتا تھا جس کے مطالعے سے معاصرین کے عجیب و غریب واقعات اور آثار سے آگہی ہوتی تھی اور یہ کالم رسالے کا سب سے دلچسپ کالم ہوتا تھا۔ مولانا فیضی صدیقی کی تحریر کا خاصا یہ تھا کہ وہ بعض شخصیتوں کے مضحک پہلوؤں کو نہایت خوبی سے اجاگر کرتے تھے جس سے کسی کی دل شکنی بھی نہیں ہوتی تھی۔ یہ اقتباس ملاحظہ ہو:

> ''کھانے سے فارغ ہونے کے بعد مولانا نیّر ربانی صاحب سے ملاقات ہوئی۔ انھوں نے بڑی گرم جوشی سے ہماری خبر لی۔ یعنی مصافحہ و معانقہ کیا اور کلمات رنگیں نوا سے ہمارا استقبال کیا۔ خیر عزیزی اشرف علی سلمہٗ کی عدم موجودگی سے ہمیں جو صدمہ اور دل شکستگی ہوئی تھی، اسے مولانا نیّر صاحب کی ملاقات، ان کی چرب زبانی، چہلیں، شگوفے اور مخصوص مزاج آگہی انداز بیاں نے بہت کچھ ہلکا کردیا تاہم مجوائے ''تجھے اٹھکھیلیاں سوجھی ہیں، ہم بیزار بیٹھے ہیں'' ہمیں کسی پہلو قرار نہیں تھا۔'' [18]

آج کل ادب میں تنقید کے نام پر تنقیص کا رواج عام ہے نقاد حضرات نے دوکانیں لگا رکھی ہیں اور خلوص نام کی چیز عنقا ہوگئی ہے۔ ''صفیر'' میں ادبی موضوعات پر تنقیدی مضامین اور تبصرے بھی ہوتے تھے لیکن ان کا ایک معیار اور حدود متعین تھیں اور کوئی تنقید ان جائز حدوں کو پار نہیں کرسکتی تھی۔ تنقیص یا دل شکنی سے اس رسالے میں پوری طرح احتراز کیا جاتا تھا۔ سالنامہ ''صفیر'' ایک نہایت معیاری ادبی و دینی رسالہ تھا جو تمل ناڈو کی اردو صحافت کا ایک درخشندہ باب ہے۔ اٹھارہ برس تک افق پر جگمگاتے رہنے کے بعد ۱۹۸۸ء میں اچانک معدوم ہوگیا تھا۔

سالنامہ ''نفیر'' ویلور

سالنامہ ''صفیر'' ۱۹۸۸ء میں بند ہوگیا تو اس کا متبادل سالنامہ ''نفیر'' ۱۹۸۹ء سے جاری ہوا۔ یہ سالنامہ بجائے مدرسہ باقیات صالحات اور انجمن ترقی اردو ویلور کے انجمن ابنائے قدیم، مدرسہ باقیات صالحات نے اپنی سرپرستی میں جاری کیا۔ مدرسہ کی انتظامیہ سے اس کا کوئی تعلق نہیں تھا اور ''صفیر'' کا سابق عملہ بھی اس کے ساتھ جڑا ہوا تھا۔

صرف نام بدل گیا تھا کچھ تلخیاں اور بد مزگیاں بھی شامل ہوگئی تھیں جو رفتہ رفتہ دور ہوگئیں۔ شروع میں اس کی ادارت مولانا جعفر حسین فیضی صدیقی کے ہاتھوں میں رہی پھر مولانا ڈاکٹر راہی فدائی نے یہ ذمہ داری قبول کر لی۔ مولانا فیضی اس کے سرپرست مقرر ہوئے۔

سالنامہ ''نفیر'' نے ''صفیر'' کی پالیسی، ترتیب اور انداز برقرار رکھا۔ البتہ اس کی ضخامت اور مضامین کی مقدار اور معیار پر فرق پڑا۔ مولانا راہی فدائی نے جب زُمام ادارت اپنے ہاتھوں میں لیا تو کچھ تو مدرسہ سے بُعد کی وجہ سے اور کچھ مولانا راہی فدائی کی خالص ادبی شخصیت کے اثر سے ''نفیر'' کا مزاج خالص علمی، ادبی اور تحقیقی ہوگیا۔ ١٩٩٩ء میں جب ''نفیر'' کا خصوصی نمبر شائع ہوا تو اس کے بیشتر مضامین ادبی تحقیق پر مشتمل تھے۔ یہ رسالہ بلند پایہ تحقیق اور عمدہ زبان و بیان اور ترتیب و پیش کش کے لحاظ سے قومی سطح کے کسی بھی صف اول کے تحقیقی رسالے کے دوش بدوش رکھنے کے قابل ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ اس شمارہ میں شامل تمام مضامین خود مولانا راہی فدائی کے لکھے ہوئے ہیں۔ اس پیش رفت کے پس پردہ کیا حکمت عملی کارفرما تھی ان اسباب پر رسالے کی تقدیم سے کوئی روشنی نہیں پڑتی۔ اس حیثیت سے یہ ایک صحت منداقدام تھا کہ اچھے اچھے مضامین قارئین کو پڑھنے کے لئے ملے۔

اس شمارہ میں شامل مضامین میں ''جنوبی ہند کے فروغ اردو میں مدرسہ باقیات صالحات کا حصہ''، ''دینی مدارس ملک کے موجودہ تناظر میں''، ''سلطنت خداداد کا غدار میر صادق اور اس کا قاتل''، ''مسجد والا جاہی مدراس اور راجہ مکھن لال خرّؔ''، ''دیوان مظہر جان جاناں کا ایک نایاب مطبوعہ نسخہ''، ''ملک الشعراء نصرتیؔ کا نودریافت فارسی کلام''، ''قصیدہ بردہ کا اولین مترجم۔ محمد ابن رضا''، ''قصہ چندر بدن مہیار مثنوی ''گلزار شاکر'' کے حوالے سے''، ''اضافۂ مثنوی 'پھول بن' کا شاعر ابن جعفر''، ''کچھ استفادہ سے استفادہ''، ''پروفیسر سلیمان اطہر جاوید کی مرقع نگاری''، ''ڈاکٹر محمد علی اثرؔ''، ''دکنی اور دکنیات کی شناخت''، ''نوادارت تحقیق' پر ایک نظر''، ''علیم صبا نویدی۔ عکس اور شخص''، ''جدید افسانہ اور محمود شاہد کا مجموعہ 'ڈھانچہ'''۔

مذکورہ عناوین سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ یہ رسالہ کس قدر معیاری اور گراں قدر ادب پاروں پر مشتمل ہے۔ یہ دراصل ڈاکٹر راہی فدائی کے وہ ادبی مضامین ہیں جو ان کی برسہا برس کی دماغ سوزی کا نتیجہ ہیں جنہیں بے حد محنت و کاوش سے تلاش و جستجو سے اور نقد و تحقیق سے جمع کیا گیا ہے۔ مولانا راہی فدائی کی رائے نپی تلی اور بعد از تحقیق ان کے برآمد کردہ نتیجے معتبر اور قابل اعتماد ہوتے ہیں کیونکہ وہ بات کی تہہ تک پہنچنے کی مخلصانہ کوشش کرتے ہیں۔ لہٰذا ''نفیر'' کے اس شمارے میں موجود تمام مضامین قابل قدر اور علاقائی ادب کے لئے بیش بہا سرمایہ ہیں۔ راہی فدائی کے مضمون ''قصہ چندر بدن مہیار۔ مثنوی 'گلزار شاکر' کے حوالے سے'' کا یہ اقتباس ملاحظہ ہو:

''اس زمانہ میں ''قصہ چندر بدن مہیار'' کی اس قدر شہرت ہوئی کہ بیجاپور کے ایک معروف بزرگ سید میراں شاہ ابو الحسن قادری مصنف ''سکھ انجن'' (متوفی ۱۰۴۵ھ) نے اپنی ایک نظم ''توصیف'' میں محبوب کا سراپا بڑے دلکش انداز میں پیش کرتے ہوئے خود کو مہیار اور اپنے محبوب کو چندر بدن سے تشبیہ دی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں

دل مرا بیتاب جیوں مہیار ہے
اے سجیلی چال کے چندر بدن

پھر ایک مدت بعد آتشی کی اسی فارسی مثنوی کو بلبل نامی کسی غیر معروف شاعر نے دوبارہ دکنی کے قالب میں ڈھال دیا جو بقول ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور مرحوم شاعرانہ تخیل اور لطافتِ زبان کے لحاظ سے مقیمی کی مثنوی سے بہتر ہے۔ پھر ایک عرصے بعد حضرت علامہ باقر آگاہ ویلوری (متوفی ۱۲۲۰ھ) اور حضرت سید شاہ عبداللطیف ذوقی ویلوریؒ (متوفی ۱۱۹۴ھ) نے بالترتیب مثنوی ''ندرت عشق'' مثنوی ''عشق نامہ'' کے عنوانات کے تحت اردو اور فارسی میں اس غیر معمولی قصہ کو متصوفانہ رنگ میں قلمبند کیا۔'' [۱۹]

''نفیر'' ۱۹۹۹ء کے سالنامے میں مدرسہ باقیات صالحات پر راہی فدائی کا مضمون ان کی پچھلی نگارشات کی تلخیص ہے۔ البتہ ''دینی مدارس ملک کے موجودہ تناظر میں'' ایک فکری مضمون ہے۔ ''مسجد والا جاہی اور راجہ مکھن لال خردؔ'' میں نہایت تحقیق کے ساتھ مسجد کی محراب پر کندہ فارسی اشعار اور اس کی تصنیف کے دوران پیش آنے والے واقعات اور کتبے کے شاعر کے علمی مقام اور وجاہت کا جائزہ لیا گیا ہے۔ اور نواب والا جاہ کے سیکولر خیالات اور سیاسی بصیرتوں پر بھی تبصرہ کیا گیا ہے۔ کتبے کے اشعار اور شاعر کے حالات کے تعلق سے تضاد بیانیوں کا بھی اچھا محاکمہ پیش کیا ہے۔ ایک مضمون ''دیوان مظہر'' کے طبع شدہ ایک نایاب نسخے کے تعلق سے ہے جو کافی معلوماتی ہے۔ اور اسی طرح نصرتیؔ کے فارسی کلام کی دریافت پر بھی ایک مضمون میں اچھی معلومات بہم پہنچائی گئی ہیں۔ اردو کی مشہور و معروف مثنوی 'پھول بن' پر ابن جعفر نے جو اضافی اشعار لکھے تھے وہ بھی خاصے کی چیز ہیں اور نایاب رسالہ 'اردو' کراچی کی اپریل و جولائی ۱۹۶۸ء کی اشاعتوں میں قسط وار چھپ چکے ہیں۔ ''نفیر'' میں بھی شائع کیا گیا ہے اور ان پر تبصرہ کرتے ہوئے ایک مختصر مقدمہ مولانا راہی فدائی نے تحریر کیا ہے۔

پروفیسر سلیمان اطہر جاوید کی مرقع نگاری پر بھی ایک بسیط مضمون موجود ہے جن کی نگرانی میں راہیؔ فدائی نے اپنا پی ایچ ڈی کا مقالہ پیش کیا تھا۔ اس ضمن میں انھوں نے مرقع نگاری کی ماہیت، حدود اور اصول وضوابط اور تاریخ کا بھی اجمالی جائزہ پیش کیا ہے۔ ڈاکٹر محمد علی اثرؔ کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے دو مضامین رقم کیے گئے ہیں جن میں انھیں

دکنیات کا ماہر قرار دیتے ہوئے ان کی خدمات کا جائزہ لیا گیا ہے اور ان کی تصنیف ''نوادرات تحقیق'' کا تفصیلی ذکر کیا گیا ہے۔ڈاکٹر محمد علی اثر کا ایک مضمون ''حافظ سید محمد فراقی ویلوری'' 'نفیر' میں شائع ہوا تھا جس کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

''فراقی دکن کے ان خوش نصیب شاعروں میں سے ہیں جن کی شہرت شمالی ہند تک پہنچ چکی تھی۔ چنانچہ شمالی ہند کے تذکروں ''مخزن نکات''، ''تذکرہ شعرائے اردو''، ''عمدۂ منتخبہ''، ''مجموعہ نغز'' اور ''گل رعنا'' میں ان کا ذکر ملتا ہے۔قائم نے اپنے تذکرہ ''مخزن نکات'' میں یہ بھی اطلاع دی ہے کہ فراقی نے محمد یار خان صوبہ دار دہلی کے زمانہ (۱۱۰۸ھ تا ۱۱۱۴ھ) میں دہلی کا سفر کیا تھا۔نصیر الدین ہاشمی لکھتے ہیں کہ اورنگ زیب عالمگیر کی فتح دکن کے بعد فراقی نے کچھ عرصہ تک اورنگ آباد میں قیام کیا پھر جنوبی ہند پہنچ کر ویلور میں مستقل سکونت اختیار کر لی۔'' [۲۰]

حوالہ جات:

۱۔ سالنامہ ''اللطیف'' ۱۹۷۰ء ص۔نمبر۔۱۲۹۔

۲۔ ''عقل ودانش اور علم وحکمت کے شاہکار'' از مولانا سید شاہ محمد طاہر قادریؒ۔
سالنامہ 'اللطیف' ۱۹۷۵ء۔

۳۔ ماہنامہ ''مصحف'' اگست ۱۹۳۵ء مضمون بعنوان ''ہندوستانی زبان کی حیثیت''
از: مولانا سید سلیمان ندوی۔

۴۔ ماہنامہ 'مصحف' اگست ۱۹۳۵ء۔ص:۹۔

۵۔ ماہنامہ 'مصحف' اگست ۱۹۳۵ء:ص۔۳۹۔

۶۔ ماہنامہ 'مصحف' اگست ۱۹۳۵ء ص:۲۰۔

۷۔ ماہنامہ ''راہ اعتدال'' عمرآباد۔نومبر ۱۹۹۱ء۔

۸۔ اداریہ، ماہنامہ ''راہ اعتدال'' عمرآباد۔یوم آزادی نمبر۔ستمبر ۲۰۰۳ء۔

۹۔ اداریہ، ماہنامہ ''راہ اعتدال'' ستمبر ۲۰۰۲ء۔

۱۰۔ اداریہ، ماہنامہ ''راہ اعتدال'' مئی ۲۰۰۴ء۔

۱۱۔ اداریہ، ماہنامہ ''راہ اعتدال'' جولائی ۲۰۰۴ء۔

۱۲۔ اداریہ، ماہنامہ ''راہ اعتدال'' مئی ۲۰۰۵ء۔

۱۳۔ اداریہ، ماہنامہ ''راہ اعتدال'' جولائی ۱۹۹۷ء۔

۱۴۔ اداریہ، سالنامہ ''دارالسلام'' اکتوبر ۱۹۶۹ء ص:۵،۷۔

۱۵۔ دارالسلام سالنامہ ۲۰۰۵ء ص:۱۲۔

۱۶۔ اداریہ، سالنامہ ''دارالسلام'' حدیث نمبر ۲۰۰۷ء۔

۱۷۔ سالنامہ ''صفیر'' مضمون بعنوان 'تاریخی قطعے' از: مولانا اشرف علی سعودی: ص نمبر ۸۲۔

۱۸۔ سالنامہ ''صفیر' مضمون ''حرف وحکایت' از۔ مولانا فیضی صدیقی باقوی۔ ص: نمبر ۴۸۔

۱۹۔ سالنامہ ''نفیر'' ویلور ۱۹۹۹ء ''قصہ چندر بدن ومہیار مثنوی ' گلزار شاکر' کے حوالے سے'' از۔ ڈاکٹر راہی فدائی، ص۔۵۳۔

۲۰۔ سالنامہ ''نفیر'' ۱۹۹۲ء' حافظ سید محمد فراقی ویلوری' ،از۔ ڈاکٹر محمد علی اثر، ص۔۳۱۔

☆☆☆☆

Dr.Amanulla M.B
Assistant Professor,
Dept. of Arabic, Persian and Urdu,
University of Madras,
Chennai - 600005
email:amaanmb@gmail.com

میدانِ کربلا میں

حضرت امام حسینؓ اور حضرت عباس علمدارؓ

محمد شفاعت احمد سلیم

ایم اے، بی ایڈ (نیلور) آندھرا پردیش

سیل نمبر 09885395740

خدائے عزوجل شہدائے کرام کی فضیلت بیان کرتے ہوئے قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے۔ ولا تقولو لمن یقتلُ فی سبیل الله اموات بل احیاءُ ولکن لا تشعرون۔ ترجمہ جو اللہ کی راہ میں قتل کئے جائیں انھیں مردہ مت کہنا بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تمہیں خبر نہیں۔ (پ۲ع۳)

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن امام انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں کھڑے ہوئے اور فرمایا ''اے مسلمانوں میں تمہارے اندر دو بڑی ہی عمدہ چیزیں چھوڑ رہا ہوں ایک اللہ تعالیٰ کی کتاب کہ اس میں ہدایت بھی ہے اور نور بھی اور دوسری چیز میری اہل بیت ہے''۔ اس حدیث پاک میں نسلِ انسانی کی ہدایت و رہنمائی کے لئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جن دو چیزوں کا ذکر فرمایا ہے ان میں ایک قرآن پاک ہے اور دوسری اہل بیت اطہار، تو جو مسلمان ان دونوں چیزوں کو مضبوطی سے پکڑے گا وہ کبھی بھی گمراہ نہیں ہوگا۔

ایک اور حدیث پاک حضرت ابی ذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''میری اہل بیت کی مثال اے مسلمانوں تمہارے لئے حضرتِ نوح علیہ السلام کی کشتی سی ہے جو شخص اس میں سوار ہوگیا وہ بچ گیا اور جو سوار نہ ہوا وہ ہلاک ہوگیا''۔ اُم المومنین حضرت اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہ فرماتی ہیں کہ سورۃ الاحزاب کی ایک آیت پاک میرے گھر میں نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہ کو بلایا اور ان سب کو اپنی کملی مبارکہ میں لے کر خدا تعالیٰ کے حضور میں دعا فرمائی ''یا اللہ! یہ میرے اہل بیت ہیں تو ان سے ہر آلودگی کو دور کر کے انہیں خوب پاکیزہ فرمادے''۔

سرکارِ دو عالم حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم جہاں اپنی اُمت پر انتہائی شفقت محبت اور رحمت فرماتے تھے اور اپنی گنہگار امت کی شفاعت فرمانے کا ذمہ لے رکھا ہے وہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اہل بیت سے دشمنی رکھنے

والوں کو اپنی شفاعت سے بخشش سے مغفرت سے محروم کر دیا ہے اور ساتھ ہی ساتھ گستاخِ اہل بیت کو دائرۂ اسلام سے قطعی طور سے خارج کر دیا ہے۔

''فرمایا رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے جو میرے اہل بیت کو ایذا دیتا ہے اس پر جنت حرام ہے''۔ایک اور جگہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''میرے اہل بیت سے بغض رکھنے والا جنت کی خوشبو بھی نہیں سونگھ سکے گا''۔مزید فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ''آلِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بغض رکھنے والا کافر ہو کر مرے گا''۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ و فاطمہؓ اور حسنؓ و حسینؓ رضی اللہ عنھما کی طرف دیکھ کر فرمایا یہ میرے اہل بیت ہیں جو ان سے محبت رکھے گا ہم اُس سے محبت رکھیں گے جو ان سے بغض رکھے گا ہم اُس سے عداوت رکھیں گے، ہماری اُس سے لڑائی ہے جو ان سے لڑے گا۔اور اس سے صلح ہے جو اِن سے صلح رکھے گا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''میری آل کی ایک دن کی محبت کا ثواب ایک سال کی عبادت سے بہتر ہے اور اس پر جان دینے والا جنت میں جائے گا اور فرمایا آل کی محبت سات اہم مواقع میں جو غم و مصیبت کے ہیں نفع دیتی ہے۔(۱) موت (۲) قبر (۳) حشر (۴) حساب (۵) کتاب (۶) میزان (۷) صراط پر اور فرمایا بلا شبہ اللہ تعالیٰ نے اس پر جنت حرام کر دی جو میری اہل بیت پر ظلم کرے یا انکو قتل کرے یا قاتلوں سے تعاون کرے''۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم میں سے پل صراط پر وہی ثابت قدم رہ سکے گا جس کو ہماری آل و اہلبیت سے شدید محبت ہو۔

حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ و رضی اللہ عنہ:

حضرت علی مرتضیٰ حیدر کرارؓ کی جو عظمت، جو رفعت، جو شان امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ فیض ترجمان سے بیان ہوئی وہ کسی اور صحابی کو میسر نہیں ہوئی۔حضرت علی کرم اللہ وجہہ وہ ہیں جن کی ولادت پاک اللہ تعالیٰ کے گھر یعنی کعبۃ اللہ میں ہوئی اور شہادت بھی اللہ کے گھر یعنی مسجد میں ہوئی۔

تائیدِ حق میں پہلی شہادت علیؓ کی ہے — پیغمبری نبیؐ کی ولایت علیؓ کی ہے

کعبہ سے ابتدا ہے تو مسجد پہ انتہا — مرقوم دو حرم میں حکایت علیؓ کی ہے

سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''علیؓ مجھ سے ہے اور میں علیؓ سے ہوں'' ''جسکا میں مولا ہوں علیؓ بھی اس کے مولا ہیں'' اور مزید فرمایا ''علیؓ کی طرف دیکھنا بھی ایک قسم کی عبادت ہے''۔اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''علیؓ سے منافق محبت نہیں کرتا اور مومن علیؓ سے بغض و عداوت نہیں رکھتا'' (ترمذی، نسائی، ابن ماجہ اور احمد)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''اے علیؓ اگر میری اُمت کے لوگ اس قدر روزے رکھیں کہ کمان کی طرح ٹیڑے ہو جائیں یہاں تک نمازیں پڑھیں کہ تار کی طرح باریک ہو جائیں پھر اگر تجھ سے بغض رکھیں تو اللہ تعالیٰ انہیں منہ کے بل دوزخ میں گرائے گا''۔ (طبرانی، ابن عساکر)

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ:۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو اپنے کندھے پر بٹھائے ہوئے تھے، کسی صحابی نے کہا اے شہزادے آپ کی سواری بہت اچھی ہے تو امام النبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا سوار بھی تو بہت عمدہ واعلیٰ ہے۔ (مشکوۃ شریف) حاکم کی روایت ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ بغیر سواری کے پیدل پچیس حج ادا فرمائے حالانکہ اعلیٰ قسم کے اونٹ آپ کے ہمراہ ہوتے تھے۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ:۔

حضرت حسین گلشن اسلام کی بہار ہیں، مملکت حق وصداقت کے تاجدار ہیں، صبر ورضا کی سلطنت کے شہریار ہیں ، حسین مہرِ نبوت کے سوار ہیں، حسین خالق کائنات کے عظیم شہکار ہیں، محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کا قرار ہیں، حجرۂ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہ کی بہار ہیں، اور نوجوانانِ جنت کے سردار ہیں۔ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی پشتِ مبارک پر مسجدِ نبوی میں بحالت نماز سوار ہونے والے حسینؓ جس کی تعریف وتوصیف خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کی ہو، ایسے مقدس شہزادے کی فضیلت کون بیان کرسکتا ہے۔

خاصۂ ربِ داور پہ لاکھوں سلام — نورِ عینِ پیمبر پہ لاکھوں سلام
تشنۂ آبِ خنجر پہ لاکھوں سلام — مالکِ نہر کوثر پہ لاکھوں سلام
اُس حسین ابنِ حیدر پہ لاکھوں سلام — اُس شہیدِ دِلاور پہ لاکھوں سلام

سید الشہداء حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی پیدائش کے ساتھ ہی حضرت علی کرم اللہ وجہہ، بی بی فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کو آپؓ کی شہادت کی بات معلوم ہو گئی تھی (حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے نواسوں کو اکثر بیٹوں کے نام سے بلاتے تھے) حضرت انس بن حارث رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''بے شک میرا بیٹا حسین قتل کردیا جائے گا اس زمین پر جس کا نام کربلا ہے''۔

ابن سعد حضرت شعبی سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ جنگِ صفین کے موقع پر کربلا سے گزر رہے تھے، یکا یک ٹھہر گئے اور اس زمین کا نام دریافت فرمایا، لوگوں نے کہا اس زمین کا نام کربلا ہے۔ کربلا کا نام سنتے ہی حضرت

علیؓ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے، فرمایا کہ ایک روز میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رو رہے ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کیوں رو رہے ہیں، فرمایا ابھی میرے پاس جبرئیل علیہ السلام آئے انہوں نے مجھے خبر دی کہ میرا حسین دریائے فرات کے کنارے اس جگہ شہید کیا جائے گا جس کو کربلا کہتے ہیں۔

دخترِ رسول سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ اپنے باپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے بیٹے شہزادہ حسین رضی اللہ عنہ کا گلا چومتے ہوئے دیکھا تو عرض کی ابا جان لوگ تو اپنے بیٹوں کے منہ چومتے ہیں! سید المرسلین علیہ السلام کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور فرمایا بیٹی مجھ سے جبرئیل علیہ السلام نے کہا، آپ کے اس بیٹے کے گلے پر کربلا کے میدان میں تین دن کی پیاس کی حالت میں خنجر چلے گا اور یہ پیارا شہزادہ اللہ کی راہ میں میری امت کی خاطر شہید ہوگا۔ خاتون جنت بی بی فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہ کے دریافت کرنے پر سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اس وقت ہم میں سے کوئی بھی ظاہری حیات میں نہ ہوگا۔ یعنی نہ میں نہ علیؓ، نہ آپؓ اور نہ حسنؓ۔

فرزندِ رسول الثقلین حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ پر واقع ہونے والے حادثۂ کربلا سے مولائے کائنات حضرت علی کرم اللہ وجہہ بخوبی واقف تھے اور یہ بھی جانتے تھے کہ اس نازک دور میں آپؓ کا ظاہری وجود نہ رہے گا۔ ان حالات میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے دل مبارک میں ایک تمنا پیدا ہوئی کہ میری کوئی ایسی اولاد ہو جو حسین کے آڑے وقت میں کام آ جائے۔ جس طرح سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ام المومنین حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہ کی حیات طیبہ میں دوسرا عقد نہیں فرمایا اُسی طرح مولائے کائنات حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے بھی حیاتِ دختر رسولؐ بی بی فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہ دوسرا عقد نہیں فرمایا۔ خاتون جنت رضی اللہ عنہ کی ظاہری حیات سے پردہ فرمانے کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنے بھائی حضرت عقیل رضی اللہ عنہ سے کہا، اے میرے بھائی مجھے واقعاتِ کربلا کی تفصیلات معلوم ہیں۔ آپ چونکہ عرب کے قبیلوں کے نام ونسب سے آگاہ ہیں لہذا ایک شجاع وشیر دل گھرانے کی خاتون کو تلاش کیجئے کہ جو بہادروں کی نسل سے ہو تاکہ میں اس سے عقد کروں اور اس کے بطن سے ایسا بہادر فرزند تولد ہو جو رزمگاہِ کربلا میں میرے شہزادے حسین رضی اللہ عنہ سے توجہ اور جانفشانی سے مدد کرے اور میدان کربلا میں حسینؓ کے کام آ جائے۔

حضرت عقیل رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ اُم البین بنت حزام بن خالد رضی اللہ عنہ کو پسند فرمایا، اُدھر ام البین کے خاندان والوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے اپنی دختر نیک اختر کا رشتہ قائم کرنے کو عین سعادت سمجھا اور اس طرح شیرِ خدا رضی اللہ عنہ کا عقد سعید حضرت اُم البینؓ سے ہوا۔

(مولائے کائنات حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے جنابِ عقیل رضی اللہ عنہ سے بہادر خاندان اس لئے کہا کہ جری خانوادہ کے بچے بھی جری ہوتے ہیں، اجداد کے فضائل وخصوصیات بچوں میں منتقل ہوتے ہیں۔ دادیہال کی طرف سے شجاعت ہاشمی وعلوی کا مرکز جس کے درخشاں ستارے جس کی مثال ناممکن ہے اور نایہال کی طرف سے شجاعت عامری کا مظہر)

حضرت ام البنینؓ کا خانہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ میں ایسا طرزِ عمل تھا جس سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ ساتھ روحِ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہ بھی مسرور ہوگئیں۔ اسلئے کہ خاتونِ جنتؓ کی دلی تمنا یہی تھی کہ میری ظاہری حیات کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ جسے بھی اپنی زوجیت میں لائیں وہ میرے بچوں کی صحیح نگراں ہو۔ حضرت ام البنینؓ کا اپنے آقا حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور آقازادوں کے ساتھ برتاؤ ایک باوفا جانثار کنیز کی طرح تھا۔ مولائے کائنات حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو حضرت ام البنینؓ کے بطنِ پاک سے جو سب سے پہلے فرزند تولد ہوئے وہ حضرت عباس علمدار رضی اللہ عنہ تھے۔ جو آقا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی تمناؤں کا مجموعہ تھے۔

حضرت عباس علمدار رضی اللہ عنہ کے والد ماجد مولائے کائنات حضرت علی کرم اللہ وجہہ، دادا جان شیخ البطحا حضرت ابو طالب رضی اللہ عنہ، دادی جان حضرت فاطمہ بنتِ اسد رضی اللہ عنہ پر دادا سید القریش حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ، نانا جانِ حزم بن خالد رضی اللہ عنہ اور نانی جان لیلےٰ بنت شہید ہیں۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ تولد ہوئے تھے تو آپ نے اپنی آنکھوں کو اُس وقت تک بند رکھا جب تک کہ پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف نہ لائے تھے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور اپنی آغوشِ رحمت میں تاجدار اسلام نے علی کرم اللہ وجہہ کو لیا تو آپؓ نے اپنی آنکھیں کھول دی تھیں اور چہرۂ رسالت مآب پر اپنی پہلی نظر ڈالی تھی۔ ٹھیک اسی طرح جب حضرت عباس علمدار رضی اللہ عنہ کی پیدائش کی خبر سید الشہداء حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو ملی اور آپ جب تشریف فرما ہوئے اور اپنے بھائی حضرت عباسؓ کو اپنی آغوشِ امامت میں لیا، کان میں اذان واقامت کہی فوراً حضرت عباسؓ نے آنکھیں کھول دیں اور سب سے پہلے شہزادۂ کونین شہنشاہِ کربلا حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے چہرۂ پر انوار پر نظر ڈالی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جو برتاؤ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ تھا اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ جو سلوک محمد مصطفیٰ کے ساتھ تھا، وہی برتاؤ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ساتھ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا وہی سلوک حضرت امام پاک رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا۔ حضرت عباس علمدار نے بھی تولد فرمانے کے بعد نہ ماں کا

دودھ پیا اور نہ ہی دائی کا۔ جب امامِ عالی مقام حسین رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور اپنی آغوش مبارک میں لے کر دہن اقدس زبانِ اطہر میں دی تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اُسے چوسنا شروع کر دیا۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اپنے بھائی کو لعابِ دہن سے سیراب کروانے کے بعد حضرت عباسؓ کو لے کر سایہ کئے ہوئے مسجد میں داخل ہوئے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے عرض کی، ابا جان یہ بچہ مجھے بہت پیارا ہے۔ اس کی پرورش اور پرداخت میں کرونگا۔ مولائے کائنات نے رضامندی ظاہر فرمائی۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی پرورش حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے بڑے پیار سے شروع کر دی۔ حضرت عباس علمدار رضی اللہ عنہ کا بچپن اور جوانی کا ابتدائی حصہ سید الشہداء امام عالیمقام رضی اللہ عنہ کے ساتھ گزرا۔ یہ علمدار رضی اللہ عنہ کے حق میں ایک بڑی سعادت اور نعمتِ عظیم تھی۔

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے فضائل و مناقب اگر کوئی بیان کرنا چاہیں تو زبان عاجز اور قلم ناتواں ہے، ان دونوں امام معصوم کو خداوندِ عالم کی بارگاہ میں جو مقام و منزلت حاصل ہے اس کے ادراک سے عقل بشر قاصر ہے۔

حضرت عباسؓ بن علی کرم اللہ وجہہ کے اور حقیقی بھائی جو اُم البنینؓ کے بطنِ پاک سے تولد ہوئے وہ یہ ہیں (حضرت عباس علمدارؓ) کے علاوہ جنابِ حضرت عبداللہؓ، جناب حضرت عثمانؓ، اور جناب حضرت جعفر رضی اللہ عنہ اور یہ سب اپنے برادر بزرگوار حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے ہمراہ میدانِ کربلا میں تین دن پیاس کی حالت میں مرتبہ شہادت پر فائز ہوئے۔

جس وقت مولائے کائنات حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے کوفہ کی مسجد میں ابن ملجم لعین کے وار سے (جو اُس نے دھوکہ سے کیا تھا) سخت زخمی ہوئے اور آپؓ کی شہادت کا وقت قریب ہونے لگا تو آپؓ نے اپنی ظاہری حیات کے آخری لمحات میں حضرت عباسؓ کے ساتھ اپنی دیگر اولادِ پاک جو بطنِ فاطمہ زہراؓ سے نہ تھی سب کو طلب کر کے تمام اولاد کے ہاتھوں کو حضرت امام حسنؓ اور حضرت امام حسینؓ کے ہاتھوں میں دے کر ارشاد فرمایا تم لوگ فرزندِ رسول الثقلین حضرت امام حسنؓ و حضرت امام حسینؓ کی نصرت و اطاعت سے کبھی منہ نہ موڑنا۔ اور پھر حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے تاجدارِ کربلا حضرت امام حسینؓ کو قریب بلایا اور عباس علمدار کو طلب فرمایا اور حضرت امام حسینؓ کا ہاتھ دے کر ارشاد فرمایا بیٹا! یہ تمہارا سپر ہے ،ڈھال ہے، میں اسے تمہاری غلامی میں دیتا ہوں، پھر عباسؓ سے فرمایا بیٹا! یہ تمہارے آقا و مولا ہیں ان کی رفاقت تمہارا عین فریضہ ہے، ان کی مدد کرتے ہوئے شہید ہو کر کل روزِ قیامت میں مجھے منہ دکھانا۔

سید الشہداء امام عالیمقام حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو اپنے نانا جان پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنے والد

بزرگوار مولائے کائنات حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے دبے لفظوں میں ہی کیوں نہ ہو یہ بات صاف طور سے معلوم تھی کہ واقعہ کربلا ہوگا اور یہ بھی اچھی طرح جانتے تھے کہ یہی برادرِ عزیز عباس میرا قوتِ بازو ہوگا۔ اسی بناء پر حضرت امام پاک رضی اللہ عنہ حضرت عباسؓ سے بہت پیار و محبت فرماتے اور بڑی شفقت سے پیش آتے تھے۔ حضرت علمدارؓ کی زندگی کا بہت سا حصہ خدمتِ امام عالیمقام سید الشہداء حضرت حسین رضی اللہ عنہ میں گزرا۔ ایسی مبارک و مقدس خدمت کسی اور کو نہ ملی۔

حضرت عباس علمدارؓ کا حضرت امام حسین کے ہمراہ ہونا اور اپنے آپ کو اُن کا غلام کہنا بالکل ویسا ہی ہے جیسا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ بچپن سے رہے اور ہمیشہ فرماتے ''انا من عبید محمد'' میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک غلام ہوں۔

جنگِ کربلا:

جنگِ کربلا بظاہر چند مقدس ہستیوں پر مشتمل ایک چھوٹی سی حق پرست اللہ والی جماعت کی شہادت کا رنگین واقعہ ہے۔ مگر اپنی انفرادیت کے اعتبار سے تاریخ عالم کا وہ روشن ترین باب ہے جس کی تابانیاں تا ابد آلاد قائم رہ گئی ہیں۔ اس واقعہ کی ہمہ گیر وسعتوں کا اندازہ اس طرح لگایا جاسکتا ہے کہ چودہ صدیوں کا طویل عرصہ گذر جانے کے بعد بھی اس کی اثر آفرینیوں میں ذرہ برابر بھی کمی نہیں آئی بلکہ دن بہ دن اس کی چمک میں اضافہ ہوتا ہی چلا جا رہا ہے۔

ہر مجاہد، مجاہد ہے، ہر جانباز، جانباز ہے اور ہر شہید، شہید ہے لیکن ان کے بھی مدارج ہیں۔ جنگِ بدر اور جنگِ احد میں شہید ہونے والے، خیبر و خندق میں جام شہادت پینے والے اور دیگر اسلامی جنگوں اور جہادوں میں شہید ہونے والے یقیناً شہید ہیں اور حیاتِ ابدی حاصل کر کے خدا سے رزق پاتے اور آرام سے دن گزارتے ہیں۔ ان شہداء کرام میں سید الشہداء حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اور آپ کے مٹھی بھر جانثار تمام عالم کے شہداء میں بلند مقام رکھتے ہیں۔ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں ''اے شہیدانِ کربلا آپ لوگ دنیا و آخرت میں تمام شہدائے عالم کے سردار ہو''۔ پھر فرماتے ہیں کہ ''اتنے بلند درجہ کے شہداء نہ پہلے گزرے ہیں اور نہ آئندہ گزریں گے''۔

جوں جوں زمانہ گزرتا گیا حسینی جانثاروں کا نقش وفا ابھرتا اور ان کے خوش کرداری کے چہرہ کا رنگ نکھرتا گیا، گنتی میں شہیدانِ کربلا ۳۲ سوار اور ۴۰ پیادے نظر آتے ہیں۔ حسینی فوج کے سواروں میں ایسے کم عمر بچوں کا بھی شمار ہے جو خود گھوڑوں پر سوار نہ ہو سکتے تھے بلکہ کسی دوسرے نے اُنہیں گھوڑوں پر سوار کرایا تھا۔ اور پیادوں میں ایسے نونہال بچے بھی ہیں ان میں ایک مجاہد ایسا بھی ہے اس کو کس صف میں رکھا جائے! پیادہ کہیں کہ سوار جو ماں کی مقدس گود سے باپ کے

پیارے ہاتھوں پر آجاتا ہے اور دودھ کے بدلے تیر کی باڑھ سے اپنی پیاس بجھاتا ہے۔

شکستہ ہتھیار کچھ پڑے ہیں،لوگ شاید یہاں لڑے ہیں
لڑے تو وہ ہوں گے جو بڑے ہیں،نظر تو بچے بھی آ رہے ہیں

سبحان اللہ حسین رضی اللہ عنہ کا صبر کہ چھوٹے چھوٹے بچوں تک کو حق کی خاطر اپنے نانا جان صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو بخشوانے کی خاطر دادِ شجاد سے شہید کروادیتے ہیں۔

ایک طرف کم وبیش تیس ہزار کی یزیدی فوج،سیر و سیراب،عیش وطرب کے نشے میں چور اطمینان کے ساتھ رنگ رلیوں میں مصروف۔دوسری طرف صرف ۷۲ مددگار تین دن کے پیاسے جس میں بڑے بچے اور چند نوجوان اور کچھ کم سن ، بلکہ ایک تو صرف چھ ماہ کا شہر بانو کا لاڈلا مجاہد بھی ہے جن کے سردار شہزادۂ کونین امام الثقلین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے فرزند حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ ہیں۔

اکثر دنیاوی لڑائی لڑنے والے اپنے طرفداروں کی تعداد بڑھانے کی کوشش کرتے ہیں۔برخلاف اس کے حضرت حسینؓ نے اپنے ساتھیوں کو اپنی جانیں بچا کر چلے جانے کا موقع دیا،اور کہا کہ جو چاہے چلا جائے اور پھر فرمانے لگے یہ یزیدی تو صرف مجھے قتل کرنا چاہتے ہیں،دیکھو جو وعدے تم نے مجھ سے کئے میں اُن وعدوں سے تمہیں آزاد کرتا ہوں،تمہیں معاف کرتا ہوں،تمہیں کوئی گناہ بھی نہ ہوگا چلے جاؤ۔لیکن امام عالیمقام رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں نے بیک زبان ساتھ چھوڑ دینے سے انکار کر دیا اور ساتھ رہ کر جان دینے اور شہید ہونے کا اقرار واصرار کیا۔شہید اعظم حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے یہ خبر سنائی کہ کل ہم سب قتل کر دئے جائیں گے،شہید ہو جائیں گے تو سب نے پوچھا میرا نام بھی فہرست شہادت میں ہے نا!۔

غرضکہ کربلا کے مجاہدوں،شہیدوں کی نظیر ناممکن ہے۔اسی لئے تاجدارِ کربلا سید الشہداء حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اپنے مٹھی بھر جانبازوں کو کربلا تمام دنیا کے شہداء سے بلند کر دیا اور آپؓ بار بار ارشاد فرمایا کرتے۔’’خدا کی قسم جیسے اصحاب مجھے ملے ہیں کسی کو نہ ملے‘‘

حقا کہ عجب فوج تھی فوجِ شہہ ابرار — جن لوگوں کا عباس دلاور سا علم دار
ہم شکل پیمبر سا جواں فوج کا سالار — مختار وہ مختار تھا جو خلق کا مختار
ایسا کسی سردار نے لشکر نہیں پایا
لشکر نے بھی اس طرح کا افسر نہیں پایا

اس طرح نہم محرم کا سورج ڈوب گیا، شب عاشورہ آئی، حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے اصحاب کو جمع کر کے پھر ایک بار مخاطب کیا۔حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اُس وقت اگر چہ سخت بیمار تھا ۔بحالت مرض یہ سننے کی خاطر کہ بابا جان کیا فرماتے ہیں میں بھی وہاں جا پہنچا، حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا ''تاریکی شب پھیلتی جارہی ہے، تمہیں ہر طرف سے اجازت ہے، جدھر چاہو نکل جاؤ، چونکہ یہ صرف ہمارے خون کے پیاسے ہیں، ہمارے علاوہ کسی اور سے ان کو کوئی سروکار نہیں، تم شب کے پردے جدھر چاہو نکل جاؤ''

حاضرین کے سکوت کو حضرت علمدار کربلا کے اس بیان نے توڑ دیا۔''ہم ہرگز آپ سے جدا نہیں ہو سکتے، خدا ہمیں آپ کے بعد زندہ نہ رکھے، ہمیں یہ دن نہ دکھائے'' سب نے حضرت علمدار کی تائید کی۔

آخر اُن لوگوں نے شبیر پہ کی جانیں فدا — شہہ کی الفت میں تنوں سے ہوئے سر اُن کے جدا
خون سے اپنی جواں مردی کے نقشوں کو لکھا — اپنے مذہب کی حمایت میں یہ ایثار کیا

ان میں ہر اک نے شجاعت و جواں مردی وہ کی
آج تک اس کی مثال ایک بھی دیکھی نہ سنی

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ دشمنوں کی فوج میں جاؤ، ایک شب کے لئے لڑائی روک دو کیونکہ آج کی شب، شبِ عاشورہ ہے عبادات و ریاضات کی شب، اسد اللہ کے شیر حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ایک رات مہلت لے کر واپس امام عالی مقام کی خدمت میں پہنچے آپؓ کے ساتھ عمر بن سعد کا ایک پیامبر بھی آیا تھا جو تھوڑی دیر بعد واپس چلا گیا۔

اس کے بعد حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ حضرت عباس بن علی رضی اللہ عنہ اور اصحابِ باوفا کو حکم دیا کہ خیموں کے گرداگرد خندق کھود کر اس میں لکڑیاں بھر دو تا کہ ضرورت کے وقت اس میں آگ دے کر دشمن سے خیمہ گاہ کی حفاظت کی جا سکے۔پھر سب نے سرتاجِ کربلا امام حسین رضی اللہ عنہ کے ہمراہ ساری رات عبادات میں گزاری۔

یہ بات یاد رہے کہ چھٹی تاریخ محرم ساتویں شب سے خاص خاص محافظ دستے لشکر ابن زیادِ لعین کی طرف سے نہرِ فرات پر ممانعت آب (پانی کی بندش) کے لئے مقرر ہو گئے تھے۔بحکم ابن زیاد لعین ابن سعد عمر بن حجاج نے نہر فرات پر ایسا مستحکم پہرہ ڈال دیا کہ ساقیِ کوثر صلی اللہ علیہ وسلم کے پیاروں پر آبِ فرات کی بندش ہو گئی۔

حاکم کا حکم ایسا ہے پانی بشر پئیں — گھوڑے پئیں سوار پئیں اور شتر پئیں
جو تشنہ لب جہاں میں ہو سب آن کر پئیں — حیواں پئیں پرند پئیں جانور پئیں

کافر تلک پئیں تو نہ تم منا کیجیو
ایک فاطمہ کے لال کو پانی نہ دیجیو

اولادِ ساقیٔ کوثر صلی اللہ علیہ وسلم نے بھوک اور شدت کی پیاس کی حالت میں یادِ خدائے واحد و عبادتِ الٰہی میں شبِ عاشورہ گزاری۔

یومِ عاشورہ۔دس محرم (مورخین جسے قیامتِ صغریٰ بھی کہتے ہیں)

یومِ عاشورہ یہ دن بڑی اہمیت والا دن ہے۔یہ دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑی بزرگی اور عظمت والا دن ہے۔اس دن کو دنیائے اسلام کی تاریخ میں بے انتہا عظمت حاصل ہے، یومِ عاشورہ کائناتِ ارض و سماوی کے ظہور میں آنے کا دن ،ملائکہ مقربین کی تخلیق کا دن، لوح و قلم کے نقوش ترتیب دینے کا دن، قیامِ عرش اور قیامت برپا ہونے کا دن، حضرت آدم اور حضرت داؤد علیہ السلام کی توبہ قبول ہونے کا دن، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نار گلزار کرنے کا دن، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی فتح اور نمرود کی شکست کا دن، فرعون کے عرقِ نیل ہونے کا دن، حضرت ادریس علیہ السلام کو بلندی و درجات ملنے کا دن، حضرت یونس علیہ السلام کو مچھلی کے شکم سے نکالے جانے کا دن، حضرت نوح علیہ السلام کا سفینہ کنارے لگنے کا دن، حضرت یعقوب علیہ السلام کو بینائی حاصل ہونے اور حضرت یوسف علیہ السلام کی ملاقات کی بشارت کا دن، اور بھی وہ مقدس اور عظمت والا دن ہے، جس دن کو شہادتِ حضرت امام عالی مقام شہزادۂ کون و مکاں، شہیدِ اعظم حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کی تابانیوں نے چار چاند لگا دئے، اور اس دن کو اور بھی مقدس و پاک اور بزرگی و عظمت والا دن بنا دیا۔

سرزمینِ کربلا: یہی وہ مقام ہے جس کے متعلق امام انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی بار بتا چکے تھے۔"اسی جگہ میرے بیٹے حسین کی شہادت ہوگی"۔اور اس مقام کے بارے میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ فرماتے تھے۔

دشمن یہاں پہ خون ہمارا بہائیں گے — زندہ یہاں سے ہم نہ کبھی پھر کے جائیں گے
آلِ نبی کا ہوگا اسی جا پہ امتحاں — سب تشنہ لب یہاں پہ سر اپنا کٹائیں گے
کرب و بلا ہے نام اسی سر زمین کا — بچے یہاں پہ پانی کا قطرہ نہ پائیں گے
ہوگا ہر ایک شہید یہاں مصطفیٰ کا لعل
اور لاش قتل گاہ سے ہم سب کی لائیں گے

شبِ عاشورہ ختم ہوئی صبح عاشورہ قیامت صغریٰ مصائب و آلام کی خبر لے کر آئی، امام عالی مقام کے خیموں میں صبح

کی اذان کے لئے شہزادۂ علی اکبر رضی اللہ عنہ کی صدائے توحید و رسالت بلند ہوئی، نواسۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے تمام رفقائے اہل بیت کے ساتھ نمازِ فجر ادا کی، یہ شہدائے کربلا کی آخری نماز تھی، اللہ جانتا ہے کہ ان کی نماز کا عالم کیا تھا، وہ سر جن کو تھوڑی دیر میں اپنے امام پاک رضی اللہ عنہ کے ساتھ راہِ خدا میں کٹ جانا تھا، خشو و خضوع کے ساتھ سجدہ ریز ہوئے۔

سجدوں سے نمازوں سے یہ رفعت کی سحر ہے
رونے کی تذلل کی عبادت کی سحر ہے
ہائے یہ سحر رنج و مصیبت کی سحر ہے
عاشورہ محرم ہے شہادت کی سحر ہے
لٹنے کا تباہی کا پریشانی کا دن ہے
اولادِ پیمبر کی یہ قربانی کا دن ہے

نماز کے بعد حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے پھر ایک بار اپنے ساتھیوں سے فرمایا "میں پھر آپ کو اجازت دیتا ہوں، مجھے اللہ کے آسرے پر چھوڑ کر چلے جاؤ"، تین دن کے بھوکے پیاسوں نے متفقہ طور پر جواب دیا کہ امام اقدسؑ ہم بھی مسلمان ہیں اور ہم بھی آپ کے نانا جان صلی اللہ علیہ وسلم کی امت سے ہیں اور امیدوارِ شفاعت ہیں ہم بھی ایک فاسق و فاجر کی بیعت نہیں کریں گے۔ آپ کے بعد ہمارا کوئی امام نہیں، ایسی حالت میں آپ کو تنہا چھوڑ کر ہم جہنم کے حقدار نہیں بن سکتے۔ اس کے بعد شیرِ خدا کے شیر نے میدانِ کربلا میں آ کر یوں کہا۔

القصہ قتل گاہ میں آئے وہ شہہ سوار — فرمایا یوں لعینوں سے اے قومِ نا بکار
تم مجھ کو جانتے ہو نواسہ نبی کا ہوں — زہرا کا نورِ عین ہوں بیٹا علی کا ہوں
سید کا قتل ظالموں جائز ہوا نہیں — اچھا نہیں تمہارے لئے یہ بھلا نہیں
عقبیٰ خراب ہووے گی دنیا نہ پاؤ گے
مجھ سے اگر لڑو گے جہنم میں جاؤ گے

لیکن ظالموں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسہ نور عین علی، سیدہ کے لعل کا کہنا نہ مانا۔

آغازِ جنگ: امیر لشکر یزید لعین ابن سعد نے لشکر کی طرف تیر پھینک کر آغازِ جنگ کیا اور کہا کہ لوگوں گواہ رہنا سب سے پہلے میں نے ہی حسینی لشکر پر تیر چلایا ہے۔

خدا کی شانِ بے نیازی پہ قربان کہ یہ عمرو سعد ابن حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا بیٹا ہے، جنہوں نے جنگ احد میں سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت ونصرت دین وحق کی حفاظت ورکھوالی کے لئے پہلا تیر کفار کے لشکر کی طرف پھینکا تھا۔ آج ان ہی کا بیٹا عمرو سعد نواسۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے اور دینِ حق کی تباہی کے لئے پہلا تیر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی طرف چلاتا ہے۔ اس لئے دانہ کہتے ہیں۔ ''جنتی باپ کا جہنمی بیٹا''۔

میدانِ کربلا میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے تین شہزادے، (۱) سید سجاد جو امام زین العابدین کے نام سے مشہور ہیں، (آپ اُس وقت سخت بیمار تھے، اسلئے میدانِ جنگ میں نہ آسکے) (۲) صاحبزادے علی اکبر، آپ میدانِ کربلا میں جامِ شہادت نوش فرمائی (۳) صاحبزادہ علی اصغر ہیں آپ شیر خوار شہزادہ تھے جنہوں نے شیر خواری ہی میں درجۂ شہادت پر فائز ہوگئے۔ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے دو شہزادے (۱) حضرت امام حسن مجتبٰی رضی اللہ عنہ (۲) امام قاسم رضی اللہ عنہ نے میدانِ کربلا میں اپنے چچا جان پر قربان ہوتے ہوئے جامِ شہادت نوش فرمایا۔ حضرت علی بن ابی طالبؓ کے فرزندوں میں تاجدارِ کربلا حضرت امام حسینؓ کے علاوہ حضرت عباس علمدارؓ حضرت عبداللہؓ حضرت عثمانؓ اور حضرت جعفرؓ (جو بطنِ پاک ام البنینؓ سے تھے) ان کے ساتھ اور چار فرزندانِ علی کرم اللہ وجہہ نے بھی اپنے بھائی حضرت امام حسینؓ پر فدا ہوگئے اور مرتبۂ شہادت پر فائز ہوگئے۔

جنگ کا آغاز تو ہو چکا، ابنِ زیاد کا غلام سالم نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو جنگ کے لئے للکارا، حضرت حُر رضی اللہ عنہ امام عالی مقام رضی اللہ عنہ سے اجازت لی اور عمرو سعد کو مخاطب کر کے کہا اے دنیا کے سب سے ذلیل انسان ،اب میں وہ حُر نہیں ہوں جو اہل بیت کو گھیر کر یہاں لایا تھا بلکہ اب میں راہِ حق کو ہدایت پر قربان ہونے والا حُر ہوں، آلِ رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور دین وایمان پر جان دینے والا حُر ہوں، اے بد فطرت کوفیوں تم نے نواسۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا مذہبی پیشوا اور اپنے دین کا امام بنانے کے لئے انہیں یہاں بلایا جب وہ تمہارے وعدوں پر خطوط پر اعتبار کر کے تمہاری قسموں پر یقین کر کے آئے ہیں تو اب اُن کو مجبور کرتے ہو کہ ایک فاسق وفاجر بے دین عیاش وبدقماش یزید لعین کو اپنا مذہبی پیشوا تسلیم کرلے اور اُس کے ناپاک ہاتھوں پر بیعت کرے۔ تم لوگوں نے حوضِ کوثر کے وارثوں پر تین دن سے نہر فرات کا پانی بند کر دیا اب بھی وقت ہے ہوش میں آؤ اپنی آنکھیں کھولو اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے چہرۂ پاک پر مقدس حسنِ مصطفٰی کے جلوؤں کو دیکھو، حق کا ساتھ دے کر جنت کا سودا کر لو، آگے بڑھو امام پاک کے قدموں کو پکڑ لو، خدا تمہیں معاف کر دے گا، مگر ظالم کوفیوں نے ایک نہ سنی اور حُر پر تیر برسانا شروع کر دئے، حُرؓ خوب لڑائی کی اور کوفیوں کو جہنم رسید کیا اور دادِ شجاعت دیتے ہوئے شہید ہوگئے۔

حُر کو جنت بھی ملی حوضِ شہادت بھی ملا

اک نظر میں شاہؓ قطرہ کو دریا کر دیا

حضرت حُر کی شہادت کے بعد وہب بن عبداللہ کلبیؓ نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے میدان میں جانے کی اجازت طلب کی، یہ اپنے قبیلے کے سب سے خوبصورت جوان تھے ان کی شادی کو ابھی پندرہ دن ہوئے تھے، حضرت امام پاکؓ نے اجازت نہیں دی، وہب کی ماں نے عرض کی یا ابنِ رسول اللہ وہب میرا ایک ہی بیٹا ہے میری زندگی کا آسرا میرا بڑھاپے کا سہارا یا سید الشہداء میں یہ برداشت نہیں کر سکتی کہ عترتِ پیغمبر مصیبت میں مبتلا ہو اور میرا جوان بیٹا دیکھتا رہے، آپؓ نے اجازت دے دی، وہب نے چالیس یزیدوں کو قتل کر دیا اور آخر کار خود بھی جامِ شہادت نوش فرمائی۔ حضرت وہب کی شہادت کے بعد امام عالی مقام کے حقیقی بھانجوں حضرت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے فرزندان عبداللہ بن جعفر طیار اور عون و محمد رضی اللہ عنہا کی باری امام پاک نے انہیں اجازت نہ دی تو اپنی ماں کے پاس آئے۔

ماں سے رضا جو مانگی تو مادر نے یوں کہا — جلدی سے اپنے ماموں پہ تم جا کے ہو فاد
منہ پھیر کے لعینوں سے آؤ گے جیتے جی — محشر میں منہ نہ دیکھوں گی نہ بخشوں گی دودھ بھی
ماں کے قدم کو چوم کے دونوں نے یوں کہا — ماموں کے ہم غلام ہیں اے جانِ مرتضیٰ
منہ پھیر ظالموں سے پیاسے نہ آئیں گے — اب جیتے جی علی کے نواسے نہ آئیں گے
پھر آئے پاس شاہ کے دونوں ناز نیں — رکصت لی رن کی عرض کیا یا امامِ دیں

تم فاطمہ کے لعل ہو سبطِ رسول ہو
ماموں دعا کرو شہادت قبول ہو

چمنِ زہرا کے جنتی پھول حضرت جعفرِ طیار کے پوتے مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ کے نواسے میدانِ کارزار میں دشمنوں سے کہا سنو اور ہمیں پہچانو۔

دادا ہے شہنشاہ ہے دو عالم کا مددگار — سردارِ جہاں فخرِ عرب جعفرِ طیار
نانا اسد اللہ مددگارِ دوعالم — دیں دار نمودار جہاں دارِ دو عالم

پھر ان دونوں بھائیوں نے شجاعت کے وہ جوہر دکھائے کہ صفِ اعداء میں ہل چل برپا ہوگئی۔ آخرش بہت سے یزیدوں کو مارتے کاٹتے ہوئے خود بھی نیزوں تیروں تلواروں کا نشانہ بن کر بہشتِ بریں میں جا پہنچے۔

آئے ہیں اب میدان میں علی مرتضیٰ کے پھول

زہرابتول اور چمنِ مصطفیٰ کے پھول

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے حقیقی بھتیجے عبداللہ بن حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ آگے بڑھے اور اپنے چچا جان سے اجازت طلب کی، امامِ پاکؓ نے ان کو سینے سے لگالیا اور بہت سمجھایا مگر سوائے اجازت دینے کے کچھ نہ بن آیا شیر بیشہ شجاعت میدانِ زار میں آئے عمرو بن سعد کے اشارے سے پانچ سو سواروں نے آپ کو گھیرے میں لے لیا۔ آپ نے ڈٹ کر مقابلہ کیا آخر زخموں سے چور چور جامِ شہادت نوش فرمایا۔ حضرت عبداللہ کی شہادت کے بعد امامِ پاکؓ کی بارگاہ، اقدس میں گلشنِ رسالت کا دوسرا مہکتا ہوا پھول یعنی امام قاسم بن امامِ حسن رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے اور اجازت چاہی، امام پاکؓ نے اس نورِ نظر کی طرف دیکھا اور فرمایا، بیٹا تمہیں کس بات کی اجازت دوں کیا تیروں سے چھلنی ہونے کی یا تلواروں سے کٹنے کی، تم میرے بھائی حسن مجتبیٰ کی یادگار ہو، حضرت امام حسنؓ کی التجاؤں پر امام پاک اشک بار آنکھوں سے اجازت دے دی۔ حضرت امام قاسم میدان میں آئے اور یزیدوں کو مخاطب کر کے فرمایا۔ ''اے دین کے دشمنوں اپنے نبیؐ کے گھرانے کو اجاڑنے والوں آؤ مجھے بھی تیروں سے چھلنی اور تلواروں سے گھائل کرو، اور میرے لئے جنت کا راستہ کھولدو، تم میں کون ہے جو تنہا میرا مقابلہ کر سکتا ہو''۔ ابن سعد نے ایک سالارِ لشکر ارزق نامی سے کہا کہ اس نوجوان کو قتل کرو۔ ارزق نے ایک کے بعد دیگر اپنے چاروں بیٹوں کو امام قاسمؓ کے مقابلے میں بھیجا۔ آپ نے چاروں کا کاٹ کر پھینک دیا اور پھر ارزق غصہ میں آگ بگولا ہو آیا۔ آپ نے ایک ایسا کاری وار کیا کہ اس کو کاٹ کر دو ٹکڑے کر دیا۔ پھر آپؓ حضرت امام حسینؓ کے پاس آئے، اور کہا چچا جان پیاس، اگر پانی کا ایک پیالہ مل جائے تو ابھی سب کو نیست و نابود کر دوں۔ امام پاکؓ نے فرمایا ''بیٹا تم عنقریب ساقیِ کوثر سے جام پیوگے''۔ پھر حضرت امام قاسمؓ میدان میں آئے دشمنوں نے آپ کو گھیرے لے لیا اور چاروں طرف سے آپؓ پر حملہ کر دیا۔ آخر آپؓ زخموں سے چور چور ہو گئے۔ اتنے میں ایک شقی نے آپؓ کے سرِ مبارک پر تلوار ماردی، آپؓ نے فرمایا چچا جان مجھے پکڑ کر سنبھالو اور زمین پر گر گئے۔ امام پاک فوراً آپ سرِ مبارک کو آغوش میں لے لیا۔ امام پاکؓ کی آغوشِ مبارک میں آپ کی روح پرواز کر گئی۔

ہائے جنت کو تم بھی سدھارے میرے بھائی کے فرزند قاسمؓ
داغِ فرقت ہے دل پر ہمارے میرے بھائی کے فرزند قاسمؓ
کاش تم ساتھ میرے نہ آتے ہو کے رخصت نہ میدان کو جاتے
بھوکے پیاسے نہ گردن کٹاتے میرے بھائی کے فرزند قاسمؓ
یاد کس کس کی دل سے بھلاؤں ہائے کس کس کی لاشیں اٹھاؤں

کس کو اپنی کہانی سناؤں میرے بھائی کے فرزند قاسمؓ

حضرت عباس علمدار رضی اللہ عنہ

اکثر مورخین اور ارباب سیر نے تسلیم کیا ہے کہ آپ بڑے پُر ہمت شہوار اور شیر دل بہادر تھے اور مملک شجاعت کے تاجدار تھے۔ نیزہ بازی اور شمشیر زنی میں بڑے ماہر تھے۔ آپ کے اندر وہ تمام صفات تھیں جو ایک علمدار میں ہونی چاہئے تھی۔ آپ نے علمبرداری کی پوری پوری صلاحیت موجود تھی۔ اسی بناء پر تاجدارِ کربلا حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو علمدارِ لشکر قرار دیا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ علمِ لشکر صرف اُن لوگوں کو دو جن کی شجاعت مانی ہوئی ہو۔ حضرت عباس رضی اللہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے قوتِ بازو تھے۔ آپ حسینی لشکر کے علمدار تھے۔ حضرت عباس کا ایک لقب ''سقا'' بھی تھا۔ مورخین لکھتے ہیں کہ حضرت امام حسینؓ اپنے بھائی حضرت عباس کو پیاسوں کی سقائی کا منصب عطا فرمایا۔ آپ اپنے فرضِ منصبی کی ادائیگی میں جانبازی سے کام لیا۔ اور معرکہ کربلا میں پانی کے حصول میں بے حد کوشش کی۔

حضرت عباس علمدار رضی اللہ عنہ کی شہادت:

ایک ایک عزیز کا بچھڑنا حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے لئے روح فرسا تھا۔ امام عالی مقام کے قوتِ بازو عباس علمدار کی شہادت یعنی امام مظلوم کی کمر ٹوٹنے کا وقت قریب آ رہا تھا۔ چھوٹے چھوٹے بچے۔ قیموں سے نک کر حضرت امام حسین اور حضرت عباس کے گرد جمع ہو گئے۔ اور حضرت عباس سے کہنے لگے۔ چچا جان پیاس مارے ڈالتی ہے۔ حضرت عباسؓ قیمے میں داخل ہوئے، سب کا حال پیاس سے بے حال تھا، بی بی سکینہؓ نے حضرت عباس سے کہا خدا کے لئے دو گھونٹ پانی پلا دو۔ حضرت عباسؓ سخت مضطرب ہو گئے۔ حضرت عباسؓ حضرت امام حسینؓ سے عرض کی مولیٰ اب تو لڑنے کی اجازت دیجئے۔ حضرت عباس نے پھر بی بی سکینہؓ سے فرمایا، گھبراؤ نہیں ذرا ٹھہرو تمہارے لئے پانی لانے جاتا ہوں۔ حضرت عباسؓ اٹھے تلوار ہاتھ میں لی سر پر خود عمامہ پہنا، مشکیزہ کندھوں پر رکھا اور گھوڑے کی زین پر سوار ہونے والے ہی تھے، حضرت امام حسینؓ نے راہ روک لی اور فرمایا بھائی میرے عباسؓ کہاں جا رہے ہو، آپؓ نے عرض کی آقا اب مجھے گلزارِ رسالت کے نونہالوں کی حالت اور سکینہؓ کی بے قراری برداشت نہیں ہوتی۔ نہر فات پر پانی لینے جا رہا ہوں۔ حضرت امام مظلومِ کربلا نے فرمایا۔ اے میرے بھائی عباس مجھ پر رحم کرو، تم میرے بہشتی لشکر کے علمبردار ہو، تمہارے بعد یہ علم کون اٹھائے گا۔ تمہاری شہادت سے میری کمر ٹوٹ جائے گی۔ دشمن کی طرف سے نہر فرات پر سخت پہرہ لگا ہے۔ اب وہاں موت کے سوا کچھ نہیں ہے۔

جناب، عباسؑ نے نواسئہ رسولِ پاک کے قدم چوم کر فرمایا۔ اے جنت کے نوجوانوں کے سردار، آپ فکر نہ کریں ، جب تک عباس کے جسم میں جان ہے حق وصداقت کے اس علم مبارک کو گرنے نہ دونگا۔ میری ظاہری حیات کے بعد بھی اسلام کا یہ علم تا قیامت بلندر ہے گا۔ امامِ مظلوم نے اشکبار آنکھوں سے کہا اچھا عباسؑ جاؤ، پہلے دشمنوں سے پانی طلب کرنا شاید کسی اولا دوالے کے دل مین رحم آجائے اور تھوڑا سا پانی دے دے۔ اجازت ملتے ہی حضرت عباس علمدارؑ مرکب تیز رفتار پر سوار ہوئے۔ لشکر اعداء کے سامنے آئے۔

فلک تھرا گیا کانپی زمیں محشر ہوا برپا
لڑنے کو اب علی عباس علم بردار آتے ہیں

شمشیرِ حیدری کی آب وتاب سے لشکرِ یزیدِ لعین کے دل کانپ اٹھے۔ ہاشمی خاندان کے اس بہادر جوان کے گھوڑے کی تاپوں سے کربلا کی زمیں ہل گئی۔

کس شیر کی آمد ہے کہ رن کانپ رہا ہے
رن ایک طرف چرخِ کہن کانپ رہا ہے

پھر لشکر میں شور برپا ہوا

آتے ہیں خبردار اب عباس علمدار ناگاہ زمیں ان کی ہوئی مطلعِ انوار
ہر چار طرف سے یہ اٹھا غلغلہ ایکبار ہوشیار خبردار خبردار خبردار
اے صلی علیٰ کیا پسرِ شیرِ خدا ہے یہ شیرِ خدا گر نہیں شمشیرِ خدا ہے

میدان میں آکر حضرت عباسؑ نے یوں کہا

ہاں مجھ کو رکھو یاد میں حیدر کا پسر ہوں اور باغِ نبوت کے شجر کا میں ثمر ہوں
میں دیدۂ ہمت کے لئے نورِ نظر ہوں پیاسا ہوں مگر ساقیٔ کوثر کا پسر ہوں

حضرت عباس علمدار نے نرمی سے یوں فرمایا، اے کوفیاں شامیوں تم نے فرزندِ رسول کو بلایا اور پھر ان سے بے وفائی کی اور دشمنوں نے مل کر پانی بند کر دیا، حوض، کوثر کے گھرانے والوں کو پانی کی ایک بوند کے لئے ترسا رہے ہو۔

تم جس کا کلمہ پڑھتے ہو اے قومِ ناپکار سب آل اُن کی پیاس کے مارے ہے بیقرار
اک مشک پانی دو ندی سے اشقیا سقا ہوں میں حسین کی بالی سکینہ کا

شمرِ لعین اور دیگر اشقیاء نے جواب دیا، اے عباس بن علیؑ جاؤ اپنے عزیز بھائی حسینؑ سے کہہ دو کہ اگر نہر فرات ابل

آ ئے اور اس کا پانی کناروں سے باہر آ جائے کہ پوری دنیا کی زمین اس سے بھر جائے تب بھی ہم پانی کا ایک قطرہ تمہیں نہیں دیں گے۔عمر وسعد کے حکم سے حریسہ بن زید نے کہا'' آج پانی ایک صورت پر مل سکتا ہے، تم لوگ یزید کی بیعت کا اقرار کرلو''۔حضرت عباسؑ نے جواب دیا تم کیسے سمجھ لیا کہ پانی کے چند قطروں کی خاطر ہم یزید لعین جیسے فاسق و فاجر اور بے دین باغی کی بیعت کرلیں گے۔یہ حکم سن کر لشکرِ یزید نے نیزے تان لئے،شیرِ خدا کے شیر نے حست لگائی اور صفِ اعداء کو چیرتے ہوئے گھوڑے کو آگے بڑھایا اور فرات میں داخل ہو گئے، پیاسے بہشتی نے ایک چلو پانی کا لیا مگر معصوم علی اصغر اور سکینہ اور تمام اہل بیت اطہار کی پیاس کو یاد کر کے پانی پھینک دیا۔حضرت عباسؑ نے مشک طبھری اور بائیں شانہ پر ڈال کر فرات سے باہر نکلے۔چاروں طرف سے غل ہوا اگر یہ مشک قیمۂ حسینؑ تک پہنچ گئی تو لڑائی قیامت تک نہ ختم ہوگی۔آگے بڑھو، راستہ روکو، اس مشک کو چھین لو، پانی بہادو، ادھر سقائے اہلبیت کی پوری کوشش یہ تھی کہ کسی طرح یہ مشک پیاسوں کے قیموں تک پہنچ جائے۔شیرِ خدا کے لختِ جگر نے میدانِ کربلا میں یہ ثابت کر دیا کہ میری رگوں میں خونِ علیؑ ہے۔لاشوں کے انبار لگادئے۔ایک شقی نے دھوکہ سے آپ کے داہنے شانہ پر ایسا وار کیا کہ بازوئے علمدار کو شانے سے جدا کر دیا، آپ نے مشک فوراً بائیں شانے پر لٹکالی، اور اسی ہاتھ تلوار بھی چلاتے اور حملہ کرتے رہے۔ایک لعینِ مردود نے بائیں شانے پر ایسا وار کیا کہ وہ ہاتھ بھی کٹ گیا۔حضرت عباسؑ کے دونوں ہاتھ کٹ گئے، اب سقائے سکینہؑ نے مشک کو دانتوں میں تھام لیا، کسی صورت حسینؑ کے پیاسوں تک پانی پہنچ جائے۔مگر آج منشائے الٰہی یہی تھا کہ حوضِ کوثر کے مالک ، پیاسے ہی شہید ہو جائیں۔عمر سعد نے پھر آواز دی کہ ساتھیوں مشکیزہ کو چھلنی کر دو، چنانچہ مشکیزہ پر تیروں کی بارش شروع ہوگئی۔مشکیزہ پھٹ گیا اور سارا پانی بہہ گیا۔

آنکھوں سے بہہ کے بعد یاس گر پڑے — پانی گرا تو گھوڑے سے عباسؑ گر پڑے

ظالم چاروں طرف سے آپ پر ٹوٹ پڑے اور آپ کو زخموں سے چور چور کر دیا، ایک ظالم نے سر پر ایک گرز ایسا مارا کہ آپ یہ کہتے ہوئے'' یا اخاہ ادرکنی'' بھائی جان مجھے پکڑو گھوڑے سے گر پڑے، جوں ہی امام مظلوم نے اپنے بھائی کی آواز سنی دوڑ کر تشریف لائے، اُس وقت حضرت حسینؑ کی زبانِ مبارک پر یہ الفاظ تھے۔'' انکسر ظهری الآن'' اب میری کمر ٹوٹ گئی۔

ناگاہ صدا آئی آؤ میرے آقا — آخر ہوا عباسؑ اٹھاؤ میرے آقا

سر کاٹتی ہے فوج بچاؤ میرے آقا — آؤ مجھے سینے سے لگاؤ میرے آقا

سن کر یہ صدا شاہ پکارے کئی باری — ہمشکل نبی دوڑو کمر ٹوٹی ہماری

پھر مظلوم کربلا حضرت امام حسینؓ چلا کر یوں کہا۔

چلائے گر کے لاش پہ شبیرؓ نام دار | بھائی تمہاری نرگسی آنکھوں پہ میں نثار
اس نرغہ میں بھی تھا تمہیں بھائی کا انتظار | آنکھیں پھرا کے ڈھونڈتے ہو مجھ کو بار بار
شاید زبان بند ہے لب کھولتے نہیں | روتے ہوئے ہم آئے تو بولتے نہیں
بے تاب ہے حسین برادر جواب دو | اے میرے نوجوان میرے صفدر جواب دو
اب جاں بلب ہے سبطِ پیمبر جواب دو | اے نور چشم ساقیٔ کوثر جواب دو

ہچکی کے ساتھ موت کا خنجر بھی چل گیا
سر گود میں دھرا رہا اور دم نکل گیا

حضرت عباس علمدار نے آنکھیں کھولی تو دامنِ حسینؓ میں شہادت پائی تو زانوئے حسین رضی اللہ عنہ

زانوئے پاک نورِ خدا اور سر حقیر | عالم کا بادشاہ کجا اور کجا فقیر
ذرے کو میر کر دیا اے آسماں سر پر | تکمیہ کسی کو بھی یہ ملا ہے دم اخیر
پایا یہ اوج ماں کی نہ بابا کی گود میں | معراج مل گئی شہہ والا کی گود میں

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے جو تمنا کی تھی کہ میرا ایک فرزند بہادر حسین پر قربان ہو، سو وہ ہو گیا، حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی کم و بیش تمام اولاد اور نبائر سب حسین پر میدان کربلا میں قربان ہو گئے۔

اس کے بعد امام پاک خیموں میں واپس آئے تو دیکھا کہ اپنا لختِ جگر شہزادہ علی اکبرؓ ہتھیار لگائے میدان میں جانے کے لئے تیار کھڑے ہیں۔ آپؓ نے فرمایا بیٹا اپنے باپ کو چھوڑ کر کہاں جا رہے ہو؟۔ شہزادے نے عرض کیا ابا جان جہاں عونؓ و محمدؓ گئے قاسم و عباس گئے، ابا حضور مجھے اجازت دیجئے، مظلوم کربلا نے ایک آہ سرد بھری اور فرمایا بیٹا تم تو ہم شکل مصطفیٰ ہو۔ شبیہہ مجتبیٰ میری آنکھوں کے نور تم نہ جاؤ، مجھے جانے دو۔ شہزادے نے عرض کی بابا جان آپؓ کے بعد میں زندہ نہیں رہ سکتا۔ حضرت حسینؓ اپنے فرزندِ ارجمند کو آخر اجازت دے دی۔ شہزادہ علی اکبر رضی اللہ عنہ اُن اشقیا میں جا رہے ہیں جہاں سے کوئی واپس نہیں آیا۔ اس وقت امام حسین نے یہ نہیں کہا تھا کہ بیٹا میری آنکھوں پر پٹی باندھ دو۔ مظلوم کربلا نے اپنے ہاتھوں سے اپنے اٹھارہ برس کے جمیل جواں کو سلاح جنگ پہن کر گھوڑے پر سوار ہوتے ہوئے دیکھا۔

داغ اولاد نہیں آہ اٹھاتا جاتا | اپنا بیٹا نہیں آنکھوں سے گنوایا جاتا
درد وہ ہے کہ زباں پہ نہیں لاتا جاتا | زخم وہ ہے کہ جگر پر نہیں کھایا جاتا

داغِ فرزندِ حسین ابن علی سے پوچھو　　　نوجواں بیٹے کا غم باپ کے جی سے پوچھو

میدانِ کربلا میں شہزادہ علی اکبرؓ نے دشمنوں کی صفیں درہم برہم کر ڈالیں ایک ایک وار میں کئی کئی سر گرا دیئے۔ دلاوروں اور بہادروں کی ہمتیں ٹوٹ گئیں شہزادہ اہل بیت کا حملہ نہ تھا عذابِ الٰہی تھا جو یزیدوں پر نازل ہو گیا تھا۔ آخر ایک ہزار سواروں نے آپؓ کو گھیرے میں لیا، چاروں طرف سے نیزوں اور تیروں کی بارش شروع ہو گئی۔ مسلسل حملوں سے آپ سخت زخمی ہو گئے، اور گھوڑے کی زین سے گر پڑے، چمنستانِ زہرا کا یہ پھول بھی ٹوٹ گیا۔ عمرو سعد نے پکارا حسین اپنے جوان بیٹے کی لاش بھی لے جاؤ۔ نواسۂ رسول اپنے بیٹے کی لاش پر پہنچے دیکھا تو ظالم لاش پر گھوڑے دوڑا رہے تھے۔

حضرت امام حسین سے معصوم شیر خوار علی اصغرؓ کی پیاس دیکھی نہ جاتی تھی۔ آپؓ اس پھول کو ابھی کھلنے بھی نہ پایا تھا گود میں اٹھا کر میدان میں آئے، دشمنوں سے کہا اس بچے کا تو کوئی جرم کوئی قصور نہیں، اس کو پانی پلا دو، افسوس سنگ دل جفا کاروں پر کچھ اثر نہ ہوا پانی کے بجائے ایک بد بخت شقی اس زور سے ایک تیر مارا جو علی اصغرؓ کا حلق چھیدتا ہوا اما پاک کے بازو میں بیٹھ گیا، کربلا کے ننھے شہید نے آنکھ کھولی اور اپنی سوکھی ہوئی زبان اپنے باپ کو دکھا کر ہمیشہ کے لئے خاموش ہو گئے۔

فاطمہؓ کے لعل حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت:

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے تمام جانثار ساتھی ایک ایک کر کے معرکہ حق و باطل کی راہ میں شہید ہو چکے تھے۔ آپ خیموں میں تشریف لائے تو دیکھا کہ سید سجادؓ امام زین العابدین تیغ حیدری ہاتھ میں لئے میدانِ جنگ میں جانے کے لئے تیار ہو رہے ہیں۔ بخار سے آپ کا جسم جھلس رہا ہے، نقاہت سے پاؤں لڑ کھڑا رہے ہیں اور سارا بدن کانپ رہا تھا۔ امام عالیمقامؓ نے اپنے بیمار بیٹے سے فرمایا اس میدانِ کربلا میں ہمارے لئے موت کے سوا اور کچھ بھی نہیں۔ تمہارے شہید ہونے سے سادات پاک کا خاتمہ ہو جائے گا، اولادِ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ اور فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا اور حسینؓ کی نسل پاک منقطع ہو جائیگی۔ اگر تم بھی شہید ہوئے تو پھر ان پردہ داروں کو مدینہ کون پہنچائے گا۔

پھر شہہ نے رو کر حضرتِ سجاد سے کہا　　　میں جیتے جی آپ کو مرنے نہیں دونگا
شہہ نے کہا بخار میں تم ناتواں ہو　　　سب بیبیوں کو لے کر مدینہ کی راہ لو
دینگے مصیبتیں تجھے لاکھوں یہ کوفیاں　　　بہتر ہے صبر کرنا مصیبت پہ میری جاں
فرمایا شاہزادے نے بیٹا ہوں آپ کا　　　مر جاؤں گا تو شکر سوا کچھ نہ بولوں گا

پھر سیدِ پاک نے گھوڑے کا منہ میدان کی طرف کیا اور چلنے کا حکم دیا، مگر گھوڑا اپنی جگہ سے نہیں ہلا۔ آپؓ گھوڑے

سے نیچے اُترے دیکھا تو بیٹی سکینہؓ نے گھوڑے کے پاؤں کو پکڑے ہوئے ہے، امام عرش پاکؑ نے بیٹی کو سینے سے لگایا اور فرمایا بیٹی عونؓ و محمدؓ قربان ہوئے تم نے صبر کیا، قاسمؓ و عباسؓ نثار ہوئے تم نے شکر ادا کیا، شہزادہ علی اکبر شہید ہوئے تم نے فریاد نہ کی معصوم علی اصغر نے دم توڑا تم نے حوصلہ نہ ہارا، مگر اب میں جا رہا ہوں تو تم رو رہی ہو۔

مرنے میں کیا مزہ ہے جو جاتے ہو بابا جاں — مجھ کو یتیم بولیں گی یثرب کی لڑکیاں
بہنوئی بھائی اور چچاجان مر گئے — تم کو خوشی ہے مرنے کی بتاؤ کس لئے
گودی میں لے سکینہؓ کو فرمایا دل فگار — اُمت گنہگار نبیؐ کی ہے بے شمار
بولی پدر سے میں تمہیں جانے نہ دوں گی — ایسے پیارے سر کو کٹانے نہ دوں گی
اُمت کا نام سن کے سکینہؓ یہ کہہ اٹھی — تم سے بھی مجھ کو پیاری ہے اُمت رسول کی
اس میں اضا نبیؐ کی ہے تو سر کٹائیے — بابا خوشی سے کہتی ہوں اب رن کو جائیے

میدانِ کربلا میں تشریف فرما ہو کر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے ظالم فوج سے فرمایا، اے کوفیو تم نے کہا تھا ہم اہل بیت کے غلام ہیں اور عترت پیغمبر کے خادم ہیں، مگر اب جبکہ میں آ گیا ہوں تو تم نے وہ تمام وعدے بھلا دئے ہیں وہ تمام قسمیں توڑ دی ہیں۔ یہ دھوکہ ہے، یہ فریب ہے، یہ عیاری ہے اور یہ دغا بازی ہے، تم نے دنیا کی لالچ میں میرے بال بچوں کو بھوکا پیاسا شہید کر دیا ہے تم نے اہل بیت پر ظلم کیا ہے، اب میرے خون کے پیاسے ہو۔

عمر و سعید نے جواب دیا کہ اے حسین اگر یزید کی بیعت منظور ہے تو میرے قریب آ جاؤ، اگر انکار ہے تو پھر ہماری طرف سے دعوتِ جنگ ہے۔ نواسۂ رسول نے بڑے حوصلے سے فرمایا، انکار ہے، پھر ہر طرف سے تیروں کی بارش شروع ہوگئی۔ تلواروں کے وار ہونے لگے اور نیزوں کی بوچھار ہونے لگی۔

جب ذوالفقار حیدری کی شاہ نے علم — انتیس سو پچاس لعیں ہو گئے قلم
آئی ندا فلک سے کہ بس ہاتھ تھام لو — بچپن میں جو کیا تھا سو وعدہ وفا کرو
یہ سنتے ہی حسینؓ نے سر کو جھکا لیا — تیغ و سناں چلانے لگے سارے اشقیا

جمعہ کا دن تھا اور نمازِ جمعہ کا وقت ہو چکا اور شمر لعیں حضرت فاطمہ کے لعل کے سینے پاک پر سوار تھا۔

اک روز وہ تھا کاندھے پہ احمدؐ کے تھے سوار — اک روز یہ ہے سینہ پہ ہے شمر نابکار

امام مظلوم نے پوچھا۔ کونسا وقت ہے؟۔ شمر نے جواب دیا جمعہ کی اذانیں ہونے والی ہیں۔ جگر گوشۂ بتول نے فرمایا خدا کے لئے ذرا ٹھہر جا میں بارگاہِ یزدی میں فرض ادا کرلوں۔ خون سے وضو تو کر ہی چکے تھے۔ قبلہ رخ ہو گئے۔ بحالت سجدہ

شمر لعین نے امام عالیمقام سید الشہداء حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے گلے پر خنجر چلا دیا۔

اندھیرا تھا زمین پہ قیامت ہوئی بپا — حور و ملک پکارتے تھے وا محمدا

اہل حرم کے رونے کا کیا ماجرا لکھوں — طاقت زبان میں نہ رہی آہ کیا کروں

نواسہ رسول امام حسین رضی اللہ عنہ کے سجدے پر خدا کو ناز ہے، خدا کو ناز ہے اور ہو بھی کیوں نہ؟ سجدہ فرش والے بھی کرتے ہیں اور عرش والے بھی، زمین والے بھی کرتے ہیں اور آسمان والے بھی، جنت کی حوریں بھی کرتی ہیں اور بہشت کے غلماں بھی اور زمین سے لے کر آسمان تک اور فرش سے لیکر عرش تک کائنات کا ذرہ ذرہ خداوند تعالیٰ کی حمد وثنا اور تسبیح وتہلیل میں ہر وقت مشغول رہتا ہے مگر عرش اعظم کے سائے میں سجدہ کرنا آسان ہے۔ جنت کی پر کیف فضاؤں میں حمد وثنا کرنا مشکل نہیں۔ مسجد کے حجرے مین اللہ اللہ کرنا آسان ہے، لیکن جوان بیٹے کی لاش پر گھوڑے دوڑتے دیکھ کر، مظلوم اصغر کے حلق پر تیر پیوست ہوتا دیکھ کر اور پھر اپنے جسم پر سینکڑوں زخم کھانے کے بعد کربلا کی تپتی ہوئی ریت پر بارگاہِ الٰہی میں سجدہ کرنا حسینؓ ہی کا کام ہے۔

اس کی ہمت پر علیؓ شیرِ خدا کو ناز ہے
اس نواسے پر محمد مصطفیٰ کو ناز ہے
سجدے تو سب نے کئے پر اس کا نیا انداز ہے
اس نے وہ سجدہ کیا جس پر خدا کو ناز ہے

بحوالہ:

☆عناصر الشہادتین (قدیم) ☆شام کربلا ☆خاکِ کربلا ☆داستانِ کربلا
☆ذکر العباسؓ ☆خاندانِ مصطفیٰ ☆العباس ☆خطبات محرم ☆شہید ابن شہید
☆البتول ☆انیس کے مرثیے اور شہادت نامہ

بے مثال نوری گھرانہ

از: حضرت مولانا مولوی سید شاہ علی اکبر حسینی
قادری شطاری صبغۃ اللہی
سجادہ نشین آستانہ صبغۃ اللہی، تاجپورہ شریف، آرکاٹ

اہل بیت کی تشریح: اہل بیت کے لغوی معنی گھر والے کے ہیں۔ خصوصاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والوں کو اہلبیت کہتے ہیں۔ اہل بیت سے مراد ازواجِ مطہرات اور بالخصوص پنج تن پاک یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علیؓ، حضرت بی بی فاطمہؓ، حضرت امام حسنؓ اور حضرت امام حسینؓ ہیں۔

اہل بیت قرآن کی نظر میں: جب نجران کے عیسائیوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے دین کو ناحق اور باطل ثابت کرنے کی نیت سے حاضر ہوئے اور انہوں نے آپؐ سے مناظرہ کیا تو آپؐ نے قوی دلائل سے ان لوگوں کو سمجھایا جب یہ لوگ مناظرہ مین عاجز و ناکام ہو گئے تو مباھلہ پر اتر آئے۔ مابھلہ کہتے ہیں ''ایک دوسرے پر باہمی بددعا کرنا'' اس وقت پر یہ آیتِ مباھلہ نازل ہوئی۔ فمن حاجك فيه من بعد ما جاءك من العلم فقل تعالو ندع ابنائنا وابناءكم ونساءنا ونساءكم وانقسنا والنقسكم ثم نبتهل فنجعل لعنت الله على الكاذبين۔ (سورۃ آل عمران ۶۱ آیت) ترجمہ: پھر اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم جو تم سے عیسیٰ کے بارے مین حجت کریں بعد اسکے کہ تمہیں علم آچکا تو ان سے فرمادو آؤ ہم بلائیں اپنے بیٹے اور تمہارے بیٹے اور اپنی عورتیں اور تمہاری عورتیں اور اپنی جانیں اور تمہاری جانیں پھر مباہلہ کریں تو جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ہوں۔

جسکی تشریح اس حدیث پاک سے ہوتی ہے۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ بیان کرتے ہیں، جب آیت مباہلہ نازل ہوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمادیں آؤ ہم اپنے بیٹوں کو بلاتے ہیں تم اپنے بیٹوں کو بلاؤ.... تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ، حضرت فاطمہؓ، حضرت حسن اور حضرت حسین علیہم السلام کو بلایا پھر فرمایا ''یا اللہ! یہ میری اہل بیت ہیں''۔ (مسلم، سنن ترمذی، احمد بن حنبل، سنن نسائی، حاکم، بیہقی)

ان نفوسِ قدسیہ کو ساتھ لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نصاریٰ کے یہاں تشریف لے گئے۔ جب علمائے نصاریٰ (پادری) نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا جو آپ کو ہر طرح سے پہچانتے تھے کہنے لگے اے نصرانیو! رک جاؤ ہم ایسے

چہرے دیکھ رہے ہیں جن میں ہر ایک سردار ہے۔اگر ان میں سے کوئی ایک بھی ہمارے حق میں بددعا کر دے تو قسم بخدا ہم میں سے کوئی بھی بچ نہ پائے گا۔اس واقعہ سے اس بات کی تصدیق ہوتی ہے کہ اہل بیتِ اطہار کے پر انوار چہروں کا یہ عالم تھا اور صرف ایک مرتبہ دیکھنے پر نصاریٰ کس قدر خوف زدہ ہو گئے۔

دوسری دلیل: انما یرید الله لیذهب عنکم الجس اهل البیت ویطهر کم تطهیرا۔ (سورۃ الاحزاب آیت ۳۳) ترجمہ: اللہ تو یہی چاہتا ہے کہ اے اہل بیت کہ تم سے ہر قسم کی آلودگی دور کر دے اور تمہیں خوب پاک وصاف کر دے۔اس واقعہ کو یہ حدیث مبارکہ بیان کرتی ہے۔حضرت عمر بن ابی سلمہؓ فرماتے ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ام المومنین اُم سلمہؓ کے گھر تشریف فرما تھے۔یہ آیت کہ اے اہل بیت اللہ تو یہی چاہتا ہے کہ تم سے ہر طرح کی آلودگی دور کر دے اور تمہیں خوب پاک وصاف کر دے۔نازل ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ فاطمہؓ اور حسنین کریمین سلام اللہ علیھم کو بلایا اور انہیں اپنی کملی میں ڈھانپ لیا پھر فرمایا اے اللہ! یہ میرے اہل بیت ہیں۔پس ان سے ہر قسم کی آلودگی کو دور فرما اور انہیں خوب پاک وصاف کر دے۔سیدہ ام سلمہؓ نے عرض کیا! اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی ان کے ساتھ ہولوں، فرمایا تم اپنی جگہ رہو، اور تم تو بہتر مقام پر فائز ہو (سنن ترمذی، طبرانی)

مناقب اہلِ بیت: حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں درخت ہوں، فاطمہ اس کی ٹہنی ہے، علیؓ اس کا شگوفہ اور حسنؓ وحسینؓ اس کا پھل ہیں، اور اہل بیت سے محبت کرنے والے اس کے پتے ہیں، یہ سب جنت میں ہوں گے یہ حق ہے یہ حق ہے۔ (دیلمی، وسخاوی)

مناقبِ حضرت مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ: حضرت ابوسعیدؓ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! اے علیؓ میرے اور تمہارے علاوہ کسی کے لئے جائز نہیں کہ حالتِ جنابت میں مسجد میں رہے۔امام علی بن منذر کہتے ہیں کہ میں نے ضرار بن مرد سے اس کا معنی پوچھا تو انہوں نے فرمایا اس سے مراد مسجد کو بطور راستہ استعمال کرنا ہے۔ (ترمذی، بزار، ابویعلی، بیہقی، یہ حدیث حسن ہے)

حضرت زید بن ارقمؓ سے روایت ہے کہ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع سے واپس تشریف لائے اور غدیر خم پر قیام فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سائبان لگانے کا حکم دیا، سائبان لگا دیئے گئے۔پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے لگتا ہے عنقریب مجھے (وصال کا) بلاوا آنے کو ہے جسے میں قبول کرلوں گا۔تحقیق میں تمہارے درمیان دو اہم چیزیں چھوڑ جاتا ہوں، جو ایک دوسرے سے بڑھ کر اہمیت کے حامل ہیں۔ایک اللہ کی کتاب، دوسری میری عترت (اہل بیت) اب دیکھنا یہ ہے کہ میرے بعد تم ان دونوں کے ساتھ کیا سلوک روا رکھتے ہو، اور یہ دونوں ایک دوسرے سے کبھی جدا

نہ ہوں گے یہاں تک کہ حوضِ کوثر پر میرے سامنے آئیں گے۔ پھر فرمایا بے شک اللہ میرا مولا ہے اور میں ہر مومن کا مولا ہوں، پھر حضرت علیؑ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا جس کا میں مولا ہوں اس کا یہ ولی ہے، اے اللہ! جو اسے (علیؑ کو) دوست رکھے اسے تو دوست رکھ اور جو اس سے عداوت رکھے اس سے تو بھی عداوت رکھ (امام نسائی، امام حاکم، یہ حدیث صحیح ہے)

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ بیان کرتی ہیں کہ میں نے اپنے والد حضرت ابوبکر کو دیکھا کہ وہ کثرت سے حضرت علیؓ کے چہرہ کو دیکھا کرتے، پس میں نے آپ سے پوچھا! اے ابا جان! کیا وجہ ہے کہ آپ کثرت سے حضرت علیؓ کے چہرے کو دیکھتے رہتے ہیں؟۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جواب دیا اے میری بیٹی میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ علیؓ کے چہرہ کو دیکھنا بھی عبادت ہے۔ (ابن عساکر)

مناقب حضرت بی بی فاطمہؓ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے فاطمہ! کیا تو نہیں چاہتی کہ تو تمام جہانوں کی عورتوں اور میری اس امت کی تمام عورتوں اور مومنین کی تمام عورتوں کی سردار ہو۔ (بخاری، مسلم، سنن نسائی، حاکم)

حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری بیٹی کا نام فاطمہ اس لئے رکھا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے اور اس سے محبت رکھنے والوں کو دوزخ کی آگ سے دور کر دیا ہے۔ (دیلمی، کنز العمال، سخاوی)

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری صاحبزادی فاطمہ آدمیوں میں حور ہے، نجاستوں کے عارضے جو عورتوں کو ہوتے ہیں ان سے پاک و منزہ ہے۔ اللہ عزوجل نے اسکا "فاطمہ" اسلئے نام رکھا ہے کہ اسے اور اس سے محبت رکھنے والوں کو آتش دوزخ سے آزاد فرما دیا (خطیب بغداد، الامن والعلی)

مناقب امام حسنین کریمین: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ روایت کرتے ہیں۔ آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے مجھ سے محبت کی اس پر ضروری ہے کہ وہ ان دونوں (حسنین کریمین) سے بھی محبت کرے۔ (سنن نسائی، ابن خزیمۃ، بزار)

سلمان فارسیؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ حسن اور حسین میرے بیٹے ہیں، جس نے حسنؓ اور حسینؓ سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے مجھ سے محبت کی اس سے اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے اور جسے اللہ تعالیٰ نے محبت کی اسے اللہ تعالیٰ نے جنت میں داخل کر دیا اور جس نے حسن و حسین سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھا اور جس نے مجھ سے بغض رکھا اس پر اللہ کا غضب ہوا۔ جس پر اللہ کا غضب ہوا اسے آگ (جہنم) میں داخل کر دیا (حاکم، اور یہ حدیث صحیح ہے)

حضرت حذیفہؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک فرشتہ جو اس رات سے پہلے کبھی زمین پر نہ اترا تھا، اس نے اپنے پروردگار سے اجازت مانگی کہ مجھے سلام کرنے کے لئے حاضر ہو اور مجھے یہ خوشخبری دے کہ فاطمہ اہل جنت کی تمام عورتوں کی سردار ہے، اور حسنؓ و حسینؓ جنت کے تمام جوانوں کے سردار ہیں۔ (ترمذی، نسائی، احمد، حاکم، طبرانی، بیہقی)

کیا آلِ رسول ﷺ کو کربلا میں مٹا دیا گیا؟

نہیں! یہ سراسر غلط ہے۔ایسا کہنا جہالت ولاعلمی ہی نہیں بلکہ کفر ہے۔اہل بیت اطہار رحمانی لشکر کے کل (۹۱) ایکانوے افراد تھے۔اور یزیدی لشکر بیس ہزار کی تھی۔ان ۹۱/افراد لشکر رحمانی سے ۱۹/افراد اہل بیتِ کرام سے تھے، جنکے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں۔

(۱) عبداللہ بن عقیلؓ (۲) عبدالرحمٰن بن عقیلؓ (۳) جعفر بن عقیلؓ (۴) محمد بن عبداللہؓ (فرزند حضرت زینبؓ) (۵) عون بن عبداللہ (فرزند حضرت زینبؓ) (۶) ابوبکر بن حسنؓ (۷) عمر بن حسنؓ (۸) عبداللہ بن حسنؓ (۹) قاسم بن حسنؓ (۱۰) محمد بن علیؓ (۱۱) عثمان بن علیؓ (۱۲) عبداللہ بن علیؓ (۱۳) جعفر بن علیؓ (۱۴) عباس بن علیؓ (۱۵) علی اکبر بن حسین (۱۶) علی اصغر بن حسینؓ (۱۷) امام زین العابدین بن حسینؓ (۱۸) عبداللہ بن حسنؓ (۱۹) اما حسین بن علیؓ۔

حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے پیاری بیٹی سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراؓ ہیں جو ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے بطنِ مبارک سے پیدا ہوئیں۔جنکو اللہ عزوجل کے حکم سے حضرت سیدنا علی مرتضیٰؓ کے ساتھ نکاح کردیا گیا جن سے تین صاحبزادے اور تین صاحبزادیاں پیدا ہوئیں۔(۱) سیدنا امام حسنؓ (۲) سیدنا امام حسینؓ (۳) سیدنا امام محسنؓ (۴) حضرت بی بی زینبؓ (۵) حضرت بی بی رقیہؓ (۶) حضرت بی بی ام کلثومؓ تھے جن میں حضرت محسنؓ کا بچپن ہی میں انتقال ہو چکا۔

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نسلِ پاک امام حسنؓ اور امام حسینؓ سے ہی قیامت تک جاری رہے گی۔میدانِ کربلا میں سیدنا امام زین العابدینؓ اور عمر ابن حسینؓ جو فرزندِ امام حسینؓ ہیں۔یزیدی فوج کے ہاتھوں شہید ہونے سے بچ جاتے ہیں۔اور حضرت امام مثنیٰؓ ابن امام حسنؓ زخموں سے چور ہو کر بچ گئے۔اور امام حسنؓ کے چند فرزند جو معرکہ کربلا میں شریک نہ ہو سکے اور مکہ و مدینہ میں رہ گئے۔حضرت امام حسنؓ کے تمام فرزندان میدان کربلا میں شہید ہو گئے سوائے سیدنا حسن مثنیٰ کے جن سے حسنی نسل چلی آ رہی ہے۔اور امام زین العابدینؓ سے حسینی نسل چلی آ رہی ہے۔

امن کے سفیر

از: رافعہ سعادت یم اے (علیگ)
نمبر 627، 15 واں مین، 24 واں کراس
بنشنکری سیکنڈ اسٹیج، بنگلور ۷۰
موبائل 9845462748

اس میں کوئی شک نہیں کہ صوفیائے کرام ہی امن کے سفیر اور پیامبر ہیں۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کو نافذ کرتے ہوئے رواداری، انسان دوستی اور باہمی محبت کے ذریعہ انسانی قلوب کو مسخر کر کے معاشرہ میں دین کی ترویج اور اشاعت میں بنیادی کردار ادا کیا ہے۔ ان کی تعلیمات آج بھی معاشرہ کے ہر فرد کے لئے چراغِ ہدایت اور مشعلِ راہ ہیں۔ دنیا کے تمام انبیائے کرام کی تعلیمات بھی یہی تھیں۔ بھٹکی ہوئی انسانیت کو راہِ راست پر لانے کے لئے اللہ نے مختلف ادوار میں انبیاء بھیجے۔ ان تمام کی تعلیمات کا نچوڑ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں اجاگر ہوا۔ آپ ﷺ میں اللہ کی وحدانیت کے ساتھ احترامِ انسانیت پر بھی زور دیا۔ آپ ﷺ کے دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد صوفیا کا سلسلہ شروع ہوا جس کو فروغ واقعہ کربلا کے بعد حاصل ہوا۔

امام الاولیاء حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مشہور واقعہ ہے کہ آپ کی زرہ کہیں کھو گئی تھی جو بعد میں ایک یہودی کے پاس ملی۔ معاملہ عدالت تک پہنچا اور گواہ طلب کئے گئے دو ہی گواہ موجود تھے ایک آپ کا بیٹا اور دوسرا آپ کا غلام۔ قاضی نے کہا "دونوں گواہ آپ کے زیرِ اثر ہیں کوئی اور گواہ پیش کیجئے"۔ آپ نے فرمایا میرے پاس کوئی اور گواہ نہیں ہے، اس صورت حال میں اپنا دعویٰ ہی خارج کر دیا۔ وہ زرہ یہودی کو واپس لوٹا دی۔ یہودی اس کیفیت سے بے حد متاثر ہوا اور عدالت سے باہر نکلتے ہی فوراً مسلمان ہو گیا۔ یہ وہ واقعات تھے جس نے صوفیائے کرام کو عمل پر آمدہ کیا۔ سینکڑوں نہیں لاکھوں افراد نے صوفیائے کرام کی تعلیمات اور حسنِ اخلاق سے متاثر ہو کر اسلام قبول کیا۔ جبراً کسی کو مسلمان نہیں بنایا گیا بلکہ محبت و پیار سے لوگوں کے دلوں کو فتح کیا گیا۔ یہی ہمارے بزرگانِ دین کا شیوہ رہا ہے۔ وہ دین کے امین بن کر صفحہ ہستی پر نمودار ہوئے اور عاجزی و انکساری سے اسلامی تعلیمات کا درس دیتے رہے گویا یہ بوریہ نشین حضرات خاک نشینی کی تعلیم دیتے رہے۔

آج ہندوستان نت نئی سازشوں اور فتنوں کا مرکز بنا ہوا ہے۔ اشتعال انگیز بیانات پے در پے دئے جا رہے ہیں

۔مذہبی منافرت بڑھتی ہی جارہی ہے۔خوف وہراس کا ماحول پیدا کیا جارہا ہے لیکن اہلِ دانش بخوبی جانتے ہیں کہ تاریخی حقائق اس کے بالکل برعکس ہیں۔دراصل برسرِ اقتدار حکومت کے نمائندوں کا یہ وطیرہ ہوتا ہے کہ کمزور عقیدہ رکھنے والوں کو آسانی سے اپنا شکار بنالیتے ہیں۔دوسروں کو مذہب تبدیل کروانے والے ڈرادھمکا کر یا لالچ دے کر اپنا کام نکالنے میں ماہر ہوتے ہیں۔ماضی کی شاندار روایات اس بات کی پاسدار ہیں کہ مسلمانوں کے دورانِ حکومت کسی نے مال و دولت کا لالچ دے کر یا اربابِ اقتدار کا خوف دلاکر ہندوؤں کو مسلمان نہیں بنایا۔تاریخ کا کوئی صفحہ اس بات کی شہادت نہیں دے سکتا کہ کسی ہندو کو مسلمان بادشاہ نے اسلیئے قتل یا قید کیا کہ مذہبِ اسلام قبول کرنے سے انکار کیا تھا۔البتہ مسلمان علماء وصوفی حضرات اپنے حسنِ اخلاق اور عمل سے غیر مسلموں کو اسلام سے آشنا کرتے رہے اور وہ دائرۂ اسلام میں داخل ہوتے گئے۔اسی مقصد کو لے کر سلطان الہند حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ نے ہند کی سرزمین پر قدم رکھا اور اپنے مشن میں کامیابی حاصل کی۔بلاشبہ برِصغیر کے مسلمان ان کی کاوشوں کا ثمر ہیں۔

ہندالولی حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ ولی کامل اور باخدا بزرگ ہیں،میرِ کارواں اور عظمتِ یزداں ہیں،رشد و ہدایت اور اسرارِ معرفت کا ایک بحرِ بےکراں ہیں۔آپ کی تابندہ اور روحانی ہستی نے برِصغیرِ ہند میں حضورﷺ کی تعلیمات اور پیغامِ محبت کو فروغ دینے میں ان کا منفرد اور اہم کردار رہا ہے۔آپ عطائے رسول ہیں۔مدینہ منورہ کی مسجدِ قباء میں حضورﷺ نے آپ کو اجمیر کی بشارت دی اور ہند کی ولایت عطا ہوئی۔گویا کفر وشرک کے اندھیرے میں ایمان کے نور کی بارش ہوئی۔دینِ اسلام کی اقامت ہی آپ کی منزل تھی۔نیشاپور سے غزنی اور لاہور سے اجمیر سفر کے دوران اسلام کے سنہرہ اصولوں کو بلاتفریخ رنگ ونسل مذہب وملت پیار ومحبت سے غریب نوازی کا شعار اپناتے ہوئے لوگوں کے دلوں کو فتح کر کے ہند کے بت کدہ میں اسلام کی شمع روشن کی اور لاکھوں ہنود کو ایمان کے نور سے مستفیض کیا۔جب و دیارِ غیر سے ہندوستان آئے تو تہی دست تھے۔اُن کے پاس تلوار تھی نہ تیر وکمان،محض اپنے حسن واخلاق کے ذریعہ لاہور سے اجمیر تک کے دورانِ سفر 90لاکھ ہندوستانیوں کو حلقہ بدوشِ اسلام بنایا۔آپ کے حلقہ درس میں صرف مسلمان ہی نہیں بلکہ ہندو،اچھوت،شودھر بڑی تعداد میں آیا کرتے تھے۔آپ کی شان وشوکت کا یہ عالم تھا کہ بڑے بڑے شہنشاہ وسلاطین اور سربراہانِ مملکت ان کے آستانہ پر جبہ سائی کیا کرتے اور عقیدت کے نذرانے پیش کرتے،وہ کفر سے نفرت کرتے تھے کافر سے نہیں۔

یوں تو بزرگانِ دین کا احترام میرے دل میں ہمیشہ سے رہا ہے مگر سلطان الہند سے گہری عقیدت میرے والد مرحوم عبدالرشید خان رشید کی دین ہے۔دورانِ تعلیم علیگڈھ سے واپسی پر مجھے ہمیشہ تاکید کی جاتی کہ اجمیر شریف ہوتے ہوئے

آؤں۔حضرت خواجہ معین الدین چشتی کے تعلق سے انہوں نے ایک واقعہ سنایا تھا جو آج بھی میرے ذہن میں محفوظ ہے۔ہندوستان کا وائسرائے لارڈ کرزن اپنی بیوی کے ہمراہ جب خواجہ کے دربار میں حاضر ہوا تو خدام نے دروازہ پر روک کر جوتے اتارنے کی گزارش کی اور کپڑے کے جوتے پہننے کے لئے دئے۔اس کی بیوی جھٹ سے اپنے جوتے اتار کر کپڑے کے جوتے پہن لئے اور اندر چل دی۔لیکن لارڈ کرزن یہ کہہ کر کہ ساتھ آٹھ سو برس پرانی قبر میں اب تک ہڈیاں بھی باقی نہیں ہوگی، یہ کس طرح مجھے اندر جانے سے روک سکتی ہے۔اس نے اپنے پاؤں اٹھانے چاہے تو ایسا محسوس ہوا گویا قدم زمین سے چپک گئے ہیں، کوشش کے باوجود وہ پاؤں ہلا نہیں سکا۔تھک ہار کر فوراً جوتے اتارے اور کپڑے کے جوتے پہن کر اندر چل دیا۔واپسی پر کتابِ آراء میں لکھتا ہے ''میں نے ہندوستان میں ایک قبر کو زندوں پر حکومت کرتے دیکھا ہے''۔

افسوس صد افسوس! اُن کے جانشین نے اُن کے مشن کو یکسر فراموش کر دیا ہے۔اُن کے وارثین کا اخلاقی انحطاط اُن کا علمی افلاس ہے۔تاریخ سے عدم آگہی کا سبب ہے۔ان کی علمی غربت کی انتہا یہ کہ دستِ سوال ہمیشہ دراز رہتا ہے۔وہ ہاتھ جو دینے والے تھے لینے والے بن گئے ہیں۔حقیقت میں انہیں خواجہ معین الدین چشتیؒ کی تعلیمات کا صحیح عرفان ہی نہیں ہے۔تاہم تاریخ کو بھلایا نہیں جاسکتا، اس کے نقوش انمٹ ہیں اسلیئے دانشور طبقہ کو چاہیئے کہ خواجہ کے درسِ تعلیمات کو عام کر کے محبت اور اخوت کی فضا پیدا کریں۔حاجتیں طلب کرنا منتیں پوری کرنا اور مرادوں کو پانا ہی ہمارا منشاء نہیں ہونا چاہیئے۔یہ خواجہ غریب نواز کی زندگی کا مقصد نہیں تھا۔غور طلب بات یہ ہے کہ خواجہ غریب نواز نے اپنا سب کچھ قربان کر کے دور دراز کا سفر طئے کرتے ہوئے دنیا کے اعلیٰ ترین علمی مراکز سمرقند بخارہ اور بغداد میں اپنے علمِ باطنی کی تکمیل کی اور حضرت عثمان ہارونیؒ کے دستِ حق پر بیعت کر کے بیس سال ان کی خدمت کی اور وہ روحانی کمالات اور مقامات پائے جن کا تذکرہ تاریخ کے صفحات کی زینت بنا ہے۔یہ نورِ عرفان آپ نے جذبۂ علم سے حاصل کیا وہ علم جس کے تعلق سے کائنات کی عظیم ترین ہستی حضور ﷺ نے اپنے آپ کو مدینۃ العلم اور حضرت علیؓ کو باب العلم کہا۔علاوہ ازیں یہ بھی فرمایا کہ میں معلم بنا کر مبعوث کیا گیا ہوں۔

اب ذرا چشمِ تصور سے دیکھیئے ہمیں وہ جذبہ درکار ہے جس نے خیابانِ سرسید کو جنم دیا تھا۔کیوں نہ خیابانِ خواجہ معین الدین چشتیؒ بھی اجمیر کی سرزمین پر وجود میں آجائے۔جہاں معاشرہ اور انسانوں کے نقطۂ نظر اور اعتقادات کو سلطان الہند کے ملفوظات کی روشنی میں ڈھالنا ہوگا۔جہاں کلچر تمدن اور اخلاق کو انسانیت کے رنگ میں رنگنا ہوگا۔خاص طور پر امتِ مسلمہ کی نئی نسل شعور کی اعلیٰ وارفع منازل طئے کر کے خواجہ کے مشن کو پائے تکمیل تک پہنچانے کا فرض نبھائے۔ہندوستان

ایک بڑا ملک ہے جس میں علی گڑھ ایک قریہ کے مانند۔لیکن اس کی انفرادیت علی گڑھ یونیورسٹی کے باعث ساری دنیا میں مشہور ومعروف ہے۔جس کو سرسید نے اپنے دور میں ایک ایک پیسہ جمع کر کے یونیورسٹی بنائی تھی۔تو اجمیر جہاں وسائل کی کوئی کمی نہیں کروڑوں کی دولت عقیدت کے نام نذرانے کی صورت میں بٹوری جاتی ہے۔یہ تصور اگر حقیقت اختیار کر جائے تو تحصیل علم کی یہ عظیم الشان درسگاہ ثابت ہوگی اور اس کا ثواب اس نابغہ روزگار شخصیت اور نادر المثال ہستی کو تا ابد پہنچتا رہے گا اور یہ رجحان حضرت خواجہ بزرگ سے سچی عقیدت کو نمایاں کرے گا۔

تعلیم کا اولین مقصد انسان کی ذہنی اور روحانی نشو نما ہے،آج روحانی اہمیت کھوگئی اور اس کی جگہ مادہ پرستی نے لے لی ہے۔ہماری شاندار علمی روایات بھی قصہٗ پارینہ ہوگئی ہیں۔اسلئے ضروری ہے کہ تعلیم کی اہمیت کو دوبارہ اجاگر کیا جائے ،چونکہ پوری دنیا میں آج دہشت گردی زور پکڑ رہی ہے اس سے قوم کا حال اور مستقبل مخدوش ہو رہا ہے۔اس صورتِ حال میں مسلمان ایک غیر یقینی کیفیت سے دوچار ہے۔اس زخمی ماحول اور پر آشوب دور میں امتِ مسلمہ کا کوئی بھی باعزت مقام باقی نہ رہا۔اسلام کے نام پر وہ تحقیر وتذلیل کا نشانہ بنے ہوئے ہیں اور یہ وقت کا تقاضہ ہے کہ اکابر علماء صوفی حضرات اور دانشور طبقہ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے درسِ تعلیمات کو عام کر کے محبت واخوت کی فضا پیدا کریں۔حضرت خواجہ کے مشن کو جاری وساری رکھنے کے لئے ان کے ملفوظات کو جو کتابی شکل میں موجود ہیں کسی طرح نصابِ تعلیم میں اس کی گنجائش نکالیں تا کہ نئی نسل بالخصوص نوجوان طبقہ عقیدت کے ساتھ ان کی تعلیمات سے بھی بہرہ ور ہو جائے اور غیر قانونی سرگرمیوں سے دور رہیں۔ان کے بصیرت افروز پیغامات کو مشعلِ راہ بنا کر اپنی تہذیبی وراثت کو داغ دار ہونے سے بچالیں۔یہ بات یقینی ہے کہ سلامتی اور رواداری کے اسلامی تصورات کو صوفیائے کرام کی تعلیمات سے ہی پھیل سکتے ہیں۔اس حقیقت کو آشکار کرنا انتہائی ضروری ہے۔انسانیت کا درس اس طرح دیا جائے کہ اُن کی رہنمائی میں لوگ امن کی طرف گامزن ہو جائیں۔ہندوستان کی اس جلیل القدر ہستی کے شمائل وفضائل اجاگر کر کے ایمانی کیفیت پیدا کرنے کی کوشش کی جائے تا کہ بکھری ہوئی امت جو مسلکوں اور عقائد مین بٹی ہوئی ہے متحد ہو جائے۔اللہ نے ہمیں علم وفہم دیا ہے تو ہم حقیقت شناس بنیں اور غریب نواز کے عمل اور عزیمت کو اپنائیں۔لوگ بڑے بڑے سلاطین اور شہنشاہوں کو بھول جاتے ہیں،مگر وقت کی اتنی طویل پرواز کے باوجود آپ کو بھلا نہیں سکے۔آج بھی آپ کا آستانہ آٹھ نوسو سال گزرنے کے باوجود مرجع خلائق ہے اور روحانی تسکین کا مسکن۔ایک جم غفیر ان کے آستانہ پر نظر آتا ہے۔یہی امن کے سفیر ہیں۔

حضراتِ اقطابِ ویلور پر ایک مختصر خاکہ

از: کے سید احمد

سابق لکچرار شعبۂ جغرافیہ، دیانندا کالج، بنگلور

موبائل 8892606937

دارالعلوم لطیفیہ تقریباً تین صدیوں سے زمانہ کے نشیب و فراز سے گزرتے ہوئے منزلیں طئے کرتا آ رہا ہے۔ اقطابِ ویلور اپنے اولوالعزمی اور اعلیٰ کردار سے جنوب کو نہ صرف دینی، علمی، ادبی اور عرفانی دولت سے مالا مال کیا بلکہ ایک بہت بڑا علمی مرکز بنایا جس سے تشنگانِ علم سیراب ہوئے۔

دارالعلوم لطیفیہ ۱۱۳۸ھ میں دارالعلوم دیوبند اور علی گڑھ تحریک سے پہلے ہی سے علمی اور اصلاحی سرگرمیاں شروع کردی تھیں۔ جس سے اس سرچشمۂ فیض سے ملک کے مختلف عوام الناس آج بھی سیراب ہو رہے ہیں۔

اقطابِ ویلور کسی بھی دور میں کسی کے محتاج نہیں تھے۔ اللہ پر توکل اور بھروسہ ان کا شیوہ تھا۔ حکمرانِ وقت سے نذرانہ اور جاگیر کی توقع نہیں کی تھی۔ ایک واقعہ جو سلطان العارفین اعلیحضرت سید غلام محی الدین عبدالطیف شاہ قادری ذوقیؒ کی خدمت میں نواب والا جاہ نے ایک جاگیر کا پروانہ پیش کیا سامنے شمع جل رہی تھی آپ نے پروانہ کو اس کی نظر کردیا۔ نواب والا جاہ یہ دیکھ کر عرض کیا کہ یہ تو آپ کی اولاد کے لئے پیش کی تھی جس کو آپ نے جلا دیا فوراً آپ نے جواب دیا کہ پروانہ شمع کا عاشق ہوتا ہے اس کو میں نے اس کے حوالے کردیا۔ مجھے کوئی جاگیر کی ضرورت نہیں۔

ایک اور واقعہ آپ کے فرزند سید شاہ ابوالحسن قادری محویؒ کی خدمت میں حضرت ٹیپو سلطان شہیدؒ نے چودہ ہزار روپئے تحفے تحائف روانہ کر کے میسور آنے کی دعوت دی جسے آپ نے قبول نہ کرتے ہوئے قاصد سے کہہ دیا کہ سلطنت خداداد کو چھ ماہ بعد زوال آنے والا ہے اسلئے فقیر آنے سے مجبور ہے، کہیں لوگ یہ نہ کہیں کہ میرے آنے سے سلطنت کو زوال آیا ہے۔ آپ کی پیشن گوئی کے مطابق چھ ماہ بعد ٹیپو سلطان شہیدؒ انگریزوں سے دادِ شجاعت لیتے ہوئے شہید ہو گئے۔

قطبِ ویلور اعلیحضرت سید محی الدین شاہ قادری وقت کے ولیٔ کامل بھی تھے۔ ویلور کی فوجی بغاوت یعنی آٹھ سال بعد ۱۸۰۷ء (Vellore Mutiniy) انگریزوں نے شک وشبہ کی بنیاد پر یعنی ٹیپو سلطان شہیدؒ کے بچوں کو انگریزوں کے خلاف بغاوت کرنے پر اکسا رہے ہیں سمجھ کر جیل بھیج دیا گیا۔ بعد میں یہ ثابت ہوا کہ ان کا اس سے کوئی تعلق نہیں یعنی قطبِ ویلور کا بعد میں یہ بات ملکۂ برطانیہ وکٹوریہ کو معلوم ہونے پر ملکہ وکٹوریہ نے باعزت رہا کر کے ماہانہ ایک سو روپئے

مقرر کی تھی جسے آپ نے شکریہ کے ساتھ انکار کر دیا۔

نوٹ: ویلور کی بغاوت ۱۸۰۷ء میسور کی لڑائی کے بعد انگریزوں نے ٹیپو سلطان شہیدؒ کے دونوں فرزندوں کو وظیفہ مقرر کر کے ان کے ساتھیوں کے ہمراہ ویلور روانہ کر دیا بعد میں یعنی فوجی بغاوت کے بعد ٹیپو سلطان کے فرزندوں کو بغاوت کا بانی سمجھ کر کلکتہ روانہ کر دیا جو آج تک کلکتہ میں مقیم ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا انتہائی فضل و کرم ہے کہ جنوبی ہند کی ممتاز دینی درسگاہ اُم المدارس دارالعلوم لطیفیہ، مکان حضرت قطب ویلور قدس سرہٗ العزیز نے تشنگانِ علوم کو ہر دور میں علومِ ظاہری و باطنی سے روشناس کرتا آرہا ہے۔ بحمد للہ، ہندوستان کے بیشتر علاقوں سے تشنگانِ علوم و فنون آئے اور اس سرچشمہ سے سیرابی کی اجازت دی گئی۔ موجودہ ناسازگار اور ہمت شکن ماحول میں بھی اعلیٰ حضرت الحاج مولانا مولوی ابوالنصر قطب الدین سید شاہ محمد باقر رحمۃ اللہ علیہ اقطابِ ویلور خصوصیت کے حامل ہیں جو تقریباً تین صدیوں سے وقت کی چیرہ دستیوں کا جواں ہمتی سے کرتے ہوئے تبلیغ دین کے ساتھ خانقاہی نظام برقرار رکھے ہوئے ہے۔ جس کے فیوض و برکات سے آج خطۂ جنوب علم و ادب کا گہوارا بنا ہوا ہے۔ اسی مقدس اور برگزیدہ خاندان کے مورث اعلیٰ حضرت مولانا سید شاہ عبداللطیف قادری بیجاپوری علیہ الرحمۃ نے بحکمِ نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم ویلور میں سکونت اختیار کی اور علم و دین تبلیغ، درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا جو آگے چل کر دارالعلوم لطیفیہ کے نام سے مشہور ہوا۔

حضرت مولانا سید شاہ عبداللطیف قادری کے سفرِ آخرت کے بعد آپ کے فرزند حضرت مولانا رکن الدین محمد سید شاہ ابوالحسن قربی رحمۃ اللہ علیہ سلسلہ تدریس کی رفتار تیز کر دی اور اس کے دائرہ کو وسیع کیا اور آپ نے ایک کتب خانہ بھی قائم کیا جو آج کئی ایک قلمی نسخوں و نادر و نایاب کتابوں کا مخزن ہے۔

علاوہ ازیں آپ کا قابل اقدام یہ بھی رہا کہ اس درسگاہ کے ساتھ ایک عظیم الشان خانقاہ بھی تعمیر کروائی تا کہ علمِ شریعت کے ساتھ علمِ تصوف کو بھی فروغ ہو سکے۔ حضرت قربی علیہ الرحمۃ کے رحلت کے بعد سلسلہ بہ سلسلہ آپ کی اولادِ امجاد میں اس دارالعلوم اور خانقاہ کی سرپرستی چلی آرہی ہے۔ ان میں اعلحضرت مولانا مولوی الحاج ابوالنصر قطب الدین سید شاہ محمد باقر رحمۃ اللہ علیہ خانقاہِ عالیہ کے سجادہ نشین رہ چکے ہیں اور اپنے روحانی فیض سے درار لعلوم کی بہت خدمات انجام دئے۔

آخر میں یہ بجانہ ہوگا اور یہ ناانصافی ہوگی ایک بہت بڑی ہستی جن کا نام نہ لیا جائے۔ یہ وہ ہستی ہیں پیرو مرشد پیرِ طریقت حضرت مولانا ڈاکٹر سید شاہ عثمان شاہ قادری ناظم دارلعلوم لطیفیہ جو ہر وقت دارالعلوم کی ترقی میں کوشاں رہتے ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ پاک اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے میں آپ کو عمرِ دراز کے ساتھ خوش و خرم و شاداب رکھے اور دارلعلوم کی خدمت کرتے رہیں۔

اللہ والوں کا مقام اور مرتبہ

از: الحاج سید نذیر احمد قادری
سابق مینیجر سنی جامع مسجد بارلین
و درگاہ حضرت خواجہ نظر اولیاء، میسور روڈ، بنگلور
موبائل: 9742786264 / 9342358997

قرآنِ پاک میں اولیاء اللہ کی پہچان اور ان کا مرتبہ اللہ تعالیٰ نے بتلایا ہے کہ بے شک خبردار اللہ کے ولیوں کو نہ کسی قسم کا خوف ہے اور نہ ڈر، وہ ایمان میں کامل اور پرہیزگار ہوتے ہیں۔ ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ۔

اللہ تعالیٰ کا خاص کرم ہے کہ اپنے نیک بندوں کو اپنی محبت و رضا مندی سے نوازتا ہے۔ ایمان و عمل صالح تقویٰ و پرہیزگاری عقائد صحیحہ کی بنیاد پر بندہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کر لیتا ہے۔ اللہ والے وہ لوگ ہیں جن کا ظاہر و باطن یکساں ہو، نیت و ارادہ بھی سچا ہو، اُن کا قول بھی سچا اور اعمال بھی سچائی اور پاکیزگی سے بھرپور ہوں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اولیاء اللہ وہ ہیں جن کو دیکھ کر اللہ یاد آ جائے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ جب کسی بندے کو پسند فرماتا ہے تو جبرئیل امین علیہ السلام سے فرماتا ہے کہ میں فلاں بندے سے محبت کرتا ہوں تم بھی ان سے محبت کرو۔ جبرئیل امین سارے آسمانوں میں اسکی منادی کرتے ہیں اور سب آسمان والے اس سے محبت کرنے لگتے ہیں پھر زمین والوں میں منادی کرادی جاتی ہے تو زمین والے بھی اس محبوبِ خدا سے محبت کرنے لگتے ہیں۔

اہل اللہ سے محبت بندۂ مومن کے لئے ایماں کی تازگی کا سبب ہے ان سے محبت فیوض و برکات کے حصول کا بہترین ذریعہ ہے۔ اولیاء اللہ کے آستانوں سے امن کا پیغام ملتا ہے۔ اسی لئے ہر مذہب کے لوگ جوق در جوق اولیاؤں کے آستانوں پر حاضری دیتے ہیں اور فیض پاتے ہیں۔

تسبیح حضرت فاطمۃ الزہرہؓ

از: سیدہ فوزیہ سلطانہ
معلم سرکاری مدرسہ فوقانیہ، ٹپہ چبوترہ، حیدرآباد

سرورِ کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی چہیتی دختر حضرت فاطمہؓ کا معمول تھا کہ وہ رات کو عبادات کرتیں اور دن میں گھر کے تمام کام کرتیں۔ کام کے دوران بھی ذکر کرتیں اور مصلیٰ بچھا کر نمازیں ادا کرتیں۔ کئی دفعہ فاقے ہو جایا کرتے تھے لیکن نہ عبادات میں کوئی فرق آتا نہ کام کاج میں۔ گھر کے کام میں جھاڑو دینا، کنویں سے پانی نکالنا، چکی پیسنا، خاوند حضرت علیؓ کی خدمت کرنا، حسنین کریمین کی پرورش کرنا شامل تھے۔

ان کاموں کے کرتے کرتے بی بیؓ بہت تھک جایا کرتی تھیں، ہاتھوں میں چھالے آجاتے تھے۔ حضرت علیؓ نے اپنی زوجہ کی یہ حالت دیکھی تو کہا کہ کیوں نہ آپ کے والد سے ایک غلام یا باندی مانگ لیں۔ جس سے کام کاج میں مدد ہو جائے گی۔

شوہر کی مرضی تھی اس لئے بی بیؓ اپنے والد کے پاس تو گئیں، سلام عرض کیا لیکن کچھ عرض نہ کرسکیں۔ حضرت علیؓ نے اندازہ کرلیا اور کہا چلو ہم دونوں چلتے ہیں۔ چنانچہ دونوں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آنے کی وجہ دریافت کی، حضرت علیؓ نے فرمایا کہ فاطمہؓ کو کام کی زیادتی کی وجہ سے بہت تھکان ہو جاتی ہے، ہاتھوں میں چھالے بھی آگئے ہیں۔ تو ہم خیال کرتے تھے کہ ہمیں مالِ غنیمت میں سے ایک غلام یا باندی مل جاتی تو بہتر ہوتا۔ (اس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک غزوہ سے بہت سارے غلام اور باندیاں مالِ غنیمت سے ملی تھی)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں ان میں سے کوئی غلام تمہیں نہیں دے سکتا، میرا ارادہ ہے کہ میں سفہ کے لوگوں کی غریبی دور کروں اور بدر کے شہیدوں کے بیوہ اور یتیموں میں بانٹوں، اسلئے میں آپ کو کچھ نہیں دے سکتا۔ البتہ تھکان دور کرنے کے لئے میں اس سے بہتر چیز دے دوں اور ارشاد فرمایا نمازِ عشاء کے بعد 33/مرتبہ سبحان اللہ، 33/مرتبہ الحمدللہ۔ اور 34 مرتبہ اللہ اکبر، پڑھ لیا کرو تھکان جاتی رہے گی۔

بی بی فاطمہؓ نے اپنے والد کا تحفہ بہ خوشی قبول کر لیا۔اس تسبیح کو ''تسبیح فاطمہؓ '' کہا جاتا ہے۔والد سرورِ کائنات ،دختر خاتونِ جنت۔دونوں کی تقویٰ اور پرہیزگاری کا یہ عالم تھا۔دونوں ایک دوسرے کی محبت میں غرق۔آپ دونوں کی محبت کا اندازہ ان احادیث مبارکہ سے کیا جاتا ہے۔

(۱) فاطمہ میرے جسم کا ٹکڑا ہے، پس جس نے انہیں ناراض کیا اس نے مجھے ناراض کیا۔(صحیح بخاری حدیث نمبر3501)

(۲) حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت فاطمہؓ سے بے حد محبت تھی ۔اگر وہ غمگین ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی غمگین ہوتے ،اگر وہ خوش ہوتیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی خوش ہوتے۔

(۳) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فاطمہؓ سب سے پہلے جنت میں داخل ہونگی۔

(۴) حضرت فاطمہؓ جنتی خواتین کی سردار ہیں۔

تسبیح فاطمہؓ کے بے شمار فوائد ہیں۔اللہ رب العزت ہم سب کو تسبیح فاطمہ کا اہتمام کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین

دودھ ایک بہترین غذا

از: ڈاکٹر نعمان باشاہ قریشی، بی یو ایم ایس

ایم اے، ادیب فاضل مدراس یونیورسٹی

انسان کی زندگی کا دارومدار غذاؤں کے اوپر ہے۔ان کے بغیر انسان کا زندہ رہنا مشکل ہے۔غذائیں انسان کے حق میں اللہ تعالیٰ کی ایک بڑی نعمت ہے،اور اس نعمت کی کوئی حد اور انتہا نہیں ہے۔اللہ نے سینکڑوں غذائیں پیدا کی ہیں اور یہ غذائیں انسان کو زندگی دیتی ہیں اور اچھی صحت اور تندرستی بھی دیتی ہیں،اور بیماریوں کو بھی دور کرتی ہیں۔غذاؤں میں سے ایک غذا دودھ بھی ہے اور یہی آدمی کی سب سے پہلی غذا ہے جو اس کے پیٹ میں پہنچتی ہے۔چنانچہ بچہ پیدا ہونے کے بعد وہ دودھ کے سوا کوئی دوسری غذا کھانے کے قابل نہیں رہتا۔اسی لئے ماں کے اوپر واجب ہے کہ اس کی کوکھ سے جنم لینے والے ننھے منے معصوم بچہ کو اپنے سینہ سے ڈھائی سال تک دودھ پلاتی رہے۔اور اللہ نے محض اپنے فضل وکرم سے عورت کے سینہ کو بچہ کی غذا کا اسٹور بنا دیا ہے۔علماء نے لکھا ہے جو بھی عورت بغیر کسی بیماری کے یا بغیر کسی خاص عذر کے یا بغیر کسی معقول سبب کے بچہ کو دودھ نہ پلائے تو وہ گناہ گار ہوگی، کیونکہ اس نے بچہ کی حق تلفی کی۔ماں کے سینہ میں دودھ کی پیدائش اور افزائش کا یہ حیرت انگیز نظام اللہ تعالیٰ کی رحمت کی ایک کھلی نشانی ہے اور یہ بھی قدرت کا عجیب وغریب نظام ہے کہ ماں اپنے بچہ کو دن اور رات کے مختلف اوقات میں جتنا دودھ پلاتی رہے گی اتنا ہی زیادہ دودھ بنتا چلا جاتا ہے اور بچہ بھی جتنا دودھ پیتا رہے گا اسے کوئی نقصان بھی نہیں ہوگا کیونکہ ماں کا دودھ بہت جلد ہضم ہو جاتا ہے۔ظاہر بات ہے کہ جب ہاضمہ درست ہو تو صحت بھی درست رہتی ہے۔اور جب بھی ماں بچہ کو دودھ پلائے تو اسے چاہئے کہ پہلے وہ خود دودھ پی لے۔یا پانی پی لے، یا کوئی مشروب پی لے تو دودھ کی پیدائش اور افزائش میں اضافہ ہوتا ہے اور اس کی مقدار بڑھنے لگتی ہے، ویسے بھی موجودہ زمانے میں دودھ کی مقدار بڑھانے کے لئے کئی ایک مفید ٹانک بنائے جارہے ہیں، ان کا استعمال بھی مفید ہے۔اس کے لئے ماہر ڈاکٹروں سے صلاح مشورہ ضروری ہے۔اور یہ بھی قدرت کا کرشمہ کہئے کہ ماں دن میں تین مرتبہ اچھی اور عمدہ غذائیں پیٹ بھر کھالے اور کھانوں کے درمیان پھلوں اور دودھ کا استعمال کرے تو ماں کے دودھ میں نہ صرف اضافہ ہوتا ہے بلکہ بچہ کو غذائیت ملتی ہے، دوسرے لفظوں میں ماں کی غذا بھی بچہ کی غذا ہے، علاوہ ازیں ماں جس قدر بھی دودھ بچہ کو پلاتی رہے گی اسی قدر دودھ کی پیدائش بھی بڑھتی رہے گی اس لئے کہ بریسٹ فیڈنگ کے دوران ایک برقی پیغام ماں کے دماغ کو پہنچتا ہے جس کی وجہ سے ماں کے جسم میں دودھ بننے کا عمل جاری رہتا ہے اور ماں کا بچہ کے ساتھ محبت کا

تعلق مضبوط اور مستحکم ہونے لگتا ہے

طبی اعتبار سے چھ مہینوں تک بچہ کو صرف ماں کا دودھ پلانا چاہئے اور کوئی مشروب یا نرم کھانا وغیرہ نہیں دینا چاہئے ،البتہ شہد اس ضابطہ سے مستثنیٰ ہے وقتاً فوقتاً شہد کے چند قطرات کا استعمال مفید ثابت ہوگا

ماں کے سینہ میں دودھ کی مقدار میں اضافہ کرنے کی ایک طبی صورت یہ ہے کہ ڈاکٹروں کے مشورہ سے خون پیدا کرنے والی فولاد کے کیپسل کھانے سے دو گھنٹے پہلے یا کھانے کے بعد استعمال کیا جائے تو یہ بھی ایک مفید صورت ہے۔

دودھ صرف بچوں ہی کے لئے فائدہ مند نہیں ہے بلکہ جوان مردوں وعورتوں اور ضعیف العمر عورتوں اور مردوں سب کے لئے یکساں مفید ہے اور اسے ہر عمر کے افراد استعمال کر سکتے ہیں کیونکہ اس کے اندر صحت بخش اجزاء بھی موجود ہیں اور ازالہ مرض کے عناصر بھی پائے جاتے ہیں اسی لئے اطباء نے کہا ہے کہ ہر عمر کے آدمی کے لئے دودھ ایک قوت بخش غذا بھی ہے اور دوا بھی، دودھ پینے سے بدن میں مدافعت کی قوت برقراری رہتی ہے اور خاص طور پر ناتوانی اور کمزوری حالت میں دودھ پینے سے بدن میں ایک نئی طاقت پیدا ہوجاتی ہے اور اسکے ذریعہ قوت مدافعت میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

دودھ کی ایک خاصیت اور افادیت یہ بھی ہے اسکے پینے سے دماغ کی ساری قوتوں میں اضافہ ہو جاتا ہے اور جو افراد دماغی کمزوری کا شکار ہو جاتے ہیں ان کے لئے دودھ کا استعمال بے حد ضروری ہے اور دودھ روزانہ پینا چاہئے اور اسے نیم گرم پینا چاہئے اور ہر روز نہار منہ دودھ میں شہد ملا کر استعمال کرنا بہت ہی فائدہ مند ہے اس سے کئی ایک بیماریاں خود بخود ختم ہوجاتی ہیں۔

بکری اور گائے کا دودھ بے حد مفید ہے اور اسے ہمیشہ استعمال کرتے رہنا چاہئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گائے کے دودھ میں شفا ہے اور عبداللہ بن مسعود کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ نے ہر بیماری کی دوا نازل کی ہے لہذا تم گائے کا دودھ پیا کرو کیونکہ وہ ہر قسم کے درختوں کے پتے کھاتی ہے (احمد ٹائمز حیدر آباد، اکٹوبر 2015ء)

حکماء یونانی دواؤں کو دودھ کے ساتھ کھانے کی جو اجازت دیتے ہیں اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ اکثر دواؤں میں موجود اجزاء کو دودھ سے تقویت ملتی ہے اور وہ بہت جلد اپنا اثر اور فائدہ ظاہر کرتی ہیں۔

دودھ کو براہ راست پینے کے علاوہ اسکو مختلف شکلوں میں استعمال کرنا بھی بے حد مفید ہے۔ اور اس کی شکلیں یہ ہیں ،دہی، مسکہ، گھی، چھاچھ، پنیر وغیرہ۔ دہی ہمارے روزمرہ کی غذاؤں کا ایک اہم حصہ ہے اور ہماری عورتیں خود دہی تیار کر لیتی ہیں۔ چنانچہ وہ نیم گرم دودھ میں ذرا سا دہی ملا دیتی ہیں اور اسکو چند گھنٹوں کے لئے ایک ہی درجہ حرارت پر بغیر ہلائے کے چھوڑ دیتی ہیں تو یہ دودھ جم جاتا ہے اور یہ منجمد دودھ ہی دہی کا نام اختیار کر لیتا ہے۔

دہی کے بے حساب فائدے ہیں ان میں سے ایک دو فائدے یہ ہیں کہ جس کسی مرد و عورت کو پیشاب یا پاخانے کے وقت سخت جلن ہو تو دہی میں لمن جوس ملا کر استعمال کرے تو یہ تکلیف دور ہو جاتی ہے۔ پیٹ میں درد محسوس ہو تو دہی کو ادرک کے ساتھ ملا کر استعمال کیا جائے تو پیٹ کا درد ختم ہو جاتا ہے۔

دہی سے تیار کردہ ایک چیز چھاچھ ہے جو اپنے اندر گرمی کو دور کرنے کی بڑی صلاحیت اور قوت رکھتی ہے۔ چھاچھ گرمی کے دنوں میں ایک نہایت ضروری غذا ہے جو پیاس کی شدت دور کرتی ہے اور بدن کی حرارت کو کم کر دیتی ہے۔ دہی کے اندر اچھی خاصی مقدار میں کیلشیم، فاسفورس، پوٹاشیم، اور سوڈیم موجود ہے۔ اور دہی کے اندر وٹامن سی اور وٹامن بی پائے جاتے ہیں۔ مڈیکل لحاظ سے مذکورہ چیزوں کے جو فائدے ہیں وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہیں۔

دودھ سے بننے والی ایک چیز پنیر ہے۔ پنیر بنانے کی جو شکل معروف اور مستعمل ہے وہ یہ ہے کہ دودھ میں کھٹاس ڈالنے سے دودھ پھٹ جاتا ہے۔ اس پھٹے ہوئے دودھ کو ایک صاف کپڑے میں ڈال کر لٹکا دیا جاتا ہے جس سے سارا پانی نکل جاتا ہے اور خشک پنیر حاصل ہوتا ہے۔ اگر کسی کے بدن میں پروٹین کی کمی ہو تو اس کے لئے پنیر کا استعمال مفید ہے جسم میں ضعف و کمزوری دور کرنے کے لئے پنیر ایک کارآمد قوت بخش غذا ہے۔

مسکہ اور گھی کا استعمال بھی اپنے اندر گونا گوں فائدے رکھتا ہے حضرت سلمان فارسی کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پنیر اور گھی کے استعمال کو مفید قرار دیا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک حلوہ حسیس تیار کیا جاتا تھا جو کافی لذیذ اور طاقت بخش ہوتا تھا۔ اسکو کھجور اور گھی میں تلنے کے بعد پنیر ملا کر پکا کر بنایا جاتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ و سلم کو یہ حلوہ بہت پسند تھا آپؐ نے حضرت صفیہ کے ساتھ نکاح کیا تو ولیمہ میں لوگوں کو دعوت میں یہی حلوہ حسیس کھلایا تھا

اس حلوہ مین کھجور کے ساتھ پنیر ملانے سے اس غذائی ترکیب میں بہت سے تغذیاتی اجزاء آجاتے ہیں اور یہ ایسی غذا بن جاتا ہے جو جسمانی کمزوری کو دور کرنے کے لئے عمدہ غذا کے علاوہ ایک اچھی دوا بھی بن جاتا ہے۔ (احمد ٹائمز اکتوبر 2015ء)

حاصل کلام کھانے پینے کی ہر چیز میں فائدے بھی ہیں اور کچھ نقصانات بھی۔ اور یہ آدمی پر منحصر ہے کہ وہ فوائد اور نقصانات کو جان کر چیزوں کو استعمال کرے اور اپنی طبیعت و مزاج اور اپنے معدہ کے فعل کو بھی سامنے رکھے۔ ایک چیز کسی شخص کے لئے مفید ہے تو یہ ضروری نہیں کہ وہ دوسرے شخص کے لئے مفید رہے اس لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ العلم علمان علم الادیان و علم الابدان۔ علم دو ہیں ایک دین کا علم اور دوسرا بدن کا علم۔ اس حدیث سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جس طرح آدمی کے لئے دین کا علم ضروری ہے اسی طرح بدن کا علم بھی ضروری ہے۔

سفر نامۂ ایران

از: مولوی سید نیاز احمد جمالی آمری

پرنسپل دارالعلوم جمالیہ، چنئی

ایران کے پایہ تخت طہران میں سہہ روزہ ٢٩ واں بین الاقوامی اتحاد کانفرنس منعقد ہوا۔ یہ شاندار کانفرنس عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مناسبت سے منایا گیا۔ اس پر تپاک اجتماع میں دنیا بھر کے علماء ودانشوران بالخصوص عالم عرب کے مفتیان کرام اور باوقار ہستیوں کو مدعو کیا گیا۔

اس عالمی سمینار میں مختلف نشستیں ہوئیں اور یہ پروگرام تین دن تک جاری رہا یعنی ٢٧/٢٨/٢٩/ ڈسمبر ٢٠١٥ء (اتوار پیر اور منگل)۔ ایرانی عالمی سمینار میں اس ناچیز کو بحیثیت مہمان خصوصی ہندوستانی مسلمانوں کی نمائندگی کی خاطر مدعو کیا گیا پروردگارِ عالم کا شکر ہے کہ اتنا دور دراز کا سفر سلامتی کے ساتھ طئے ہو گیا۔

اس سفر میں میرے ساتھ تین عالم اور ایک صحافی تھے اور ہم جملہ پانچ افراد نے ایک ساتھ سفر کیا۔ یہ تین علماء تھے مولوی عدیل رضا، مولوی محمد علی، اور مولانا مجاہد رضا۔ مولوی عدیل رضا بنگلور کے تھے۔ مولوی محمد علی دلّی کے اور مولانا مجاہد رضا صاحب حیدرآباد کے۔ جو صحافی اور نامہ نگار ہمارے ساتھ تھے وہ محمد منیر صاحب تھے جنکے مضامین روزنامہ سالار، بنگلور میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔

ہمارا سفر بروز جمعہ بتاریخ ٢٥/ ڈسمبر ٢٠١٥ء بعد نماز جمعہ شروع ہوا۔ ہم شہر مدراس سے بذریعہ ریل گاڑی بنگلور پہنچے، بنگلور ایرپورٹ سے دوحہ کی فلائٹ میں سوار ہوئے دوحہ پہنچ کر ہم نے نماز فجر ادا کی اور وہاں سے تہران تک جانے والی ہوائی جہاز میں سوار ہوئے الحمدللہ بروز ہفتہ بتاریخ ٢٦/ ڈسمبر ٢٠١٥ء صبح دس بجے تہران ایرپورٹ پہنچ گئے۔ ہم کو لینے کے لئے وہاں ٹیکسی موجود تھی۔ ٹیکسی بڑی تیزی کے ساتھ ہمیں لے کر ایک شاندار عمارت کی طرف پہنچی۔ وہاں دوسرے ملکوں کے علماء اور نمائندے بیٹھے ہوئے تھے اُن سے ہمارا تعارف کروایا گیا۔ استفسار پر پتہ چلا کہ یہ عمارت حکومت کے مہمانوں کے استقبال کے لئے ہے۔ وہاں پر بڑے سلیقے کے ساتھ چائے اور بسکٹ پیش کئے گئے۔ ایرانی تہذیب وتمدن دیکھنے کا پہلی بار موقع ملا۔ سرکاری کارندوں نے ہم سے ہمارا پاسپورٹ طلب کیا اور اپنی تحویل میں رکھ لیا۔ اُدھر سے پھر ہمارے لئے ٹیکسی لائی گئی اور ہمیں تہران کے شاندار فائی اسٹار ہوٹل میں ٹھہرایا گیا۔ میرے کمرہ کا نمبر 1320 تھا۔ میرے سامان کمرہ میں پہچادئے گئے۔ کمرہ میں ساری سہولتیں مہیا تھیں۔ کمرہ میں اپنی ضرورتوں سے فارغ ہو کر ہم نے نماز ظہر ادا کی

۔کمرہ میں قبلہ کا رخ بتانے کے لئے نشان لگا ہوا تھا۔نمازِ ظہر سے فارغ ہو کر کچھ دیر بیٹھے رہے کہ سیمینار کے ایک ذمہ دار نے دروازہ پر دستک دی اور دوپہر کے کھانے کے لئے بلایا۔ میں اور میرے ساتھی طعام خانہ پر پہونچے۔کئی قسم کے کھانے اور پھل رکھے ہوئے تھے،ہم نے اپنی پسند کے مطابق دو تین چیزوں کو لیا اور سیر ہو گئے۔وہاں پر ایک مسجد بھی تھی،مسجد میں ٹھکریاں رکھی ہوئی تھیں،شیعہ لوگ مٹی کی ٹھکری پر سجدہ کرتے ہیں۔ہم نے کوئی نماز مسجد میں نہیں پڑھی،ہم جب تک تہران میں رہے ساری نمازیں کمرہ میں ہی ادا کیں۔ہاں جب کسی پروگرام کی خاطر باہر چلے جاتے تو وہاں پر نماز کے لئے جو ہال ہوتا اُس میں نماز ادا کر لیتے تھے۔

دوپہر کے کھانے سے فارغ ہو کر ہم کمرہ میں آئے اور آرام کیا۔کمرہ میں چائے پانی اور پھل رکھے ہوئے تھے۔ مختلف شخصیتوں سے ملاقات اور گفت وشنید میں پورا دن گزر گیا۔

دوسرے دن بروز اتوار بتاریخ ۲۷؍ڈسمبر ۲۰۱۵ء ایک وسیع وعریض ہال میں میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اتحاد امت کے نام پر کانفرنس منایا گیا۔ہم لوگوں کو بسوں کے ذریعہ مقررہ منزل تک پہونچایا گیا۔اہل ایران کا خیال ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ۱۷؍ربیع الاول کو ہوئی اور یہی دن حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی ولادت کا دن ہے۔یہ لوگ ایک ہی دن میلاد مصطفیٰ اور میلاد جعفر صادق مناتے ہیں۔اس اجلاس میں عالم عرب کے مقتدر اور اہل علم حضرات نے خطاب کیا۔جملہ خطابات کا مضمون اتحادِ امت اور آپسی اختلافات کا حتی المقدور ازالہ تھا۔اس نشست کے اختتام پر نماز ظہر با جماعت ادا کی جس کی امامت مفتیٔ شام نے کی جو کہ ایک سنی عالم دین ہیں۔

۲۸؍ڈسمبر ۲۰۱۵ء کو صدر ایران آیت اللہ خمنائی کے دولت کدہ میں اجتماع ہوا۔جناب آیت اللہ صاحب نے بزبانِ فارسی تقریر کی اور یہ بات واضح کی کہ کس طرح دشمنانِ اسلام اپنی مکاری کے ذریعہ مسلمانوں کو مسلمانوں ہی کے ذریعہ ہلاک کروا رہے ہیں اس موقع پر آیت اللہ خمنائی سے ملاقات بھی ہوئی۔اسی روز دوپہر ایک معمر شخص ایران کے گھر ضیافت تھی۔شیخ مذکور مرکزِ محبانِ اہلبیت کے نام سے ایک ادارہ چلا رہے ہیں۔یہ ایرانی شیخ بہت نرم مزاج اور صاحب اخلاق تھے۔انہوں نے مجھ سے ہندوستانی مسلمانوں کے حالات دریافت کئے اور پوچھا کہ آپ اہلسنت اہل بیت کے بارے میں کیا عقیدہ رکھتے ہیں۔میں نے ہمارا عقیدہ واضح لفظوں میں پیش کیا۔اہلبیت کی محبت سرمایۂ ایمان ہے پھر انہوں نے خلفاء کے بارے میں ان کا عقیدہ پیش کیا کہ ہم شیعہ ہیں مگر تینوں خلفاء کا احترام کرتے ہیں۔ہماری یہ گفتگو فارسی زبان میں ہوئی۔اس گفتگو کے بعد شاندار ضیافت ہوئی،پھر ہم اپنے کمرہ کو لوٹ آئے۔

۲۹؍ڈسمبر ۲۰۱۵ء صبح دس بجے ہوٹل میں مختلف ہالوں میں محفلیں منعقد کی گئیں۔یہاں پر ہال کو سالن کہتے ہیں۔اس ہال میں اس ناچیز کو بزبانِ عربی تقریر کرنے کا موقعہ ملا۔ہم کو یہ عنوان دیا گیا کہ موجودہ مسلمانوں کی پریشانیاں اور ان کا حل

۔دیگر علماء نے بھی تقریریں کیں جو مختلف ممالک سے آئے ہوئے تھے۔اُسی دن بعد نمازِ عصر ہم کو ایک وسیع وعریض میدان میں پہونچایا گیا جو برقی چراغوں سے سجا ہوا تھا۔اس میدان میں کرسیاں رکھی ہوئی تھیں۔ہم کو VIP کرسی پر بٹھایا گیا کیونکہ ہم ملک ہند کے مسلمانوں کے نمائندے تھے۔یہاں پر ایک شاندار اسٹیج لگا ہوا تھا۔جلسہ کا آغاز تلاوت سے ہوا پھر مفتی ایران نے سماع خوانی کے جواز پر ایک عمدہ تقریر فارسی زبان میں کی انہوں نے تقریر میں کہا کہ لوگوں کی زبانیں مختلف ہیں مگر موسیقی ایک ایسی زبان ہے جس سے ہر زبان والا لطف اندوز ہوتا ہے۔مختلف ملکوں کے قوالوں اور موسیقی کاروں کو یہاں پر نعتیں سنانے کا موقع دیا گیا۔بہرحال ایک پر لطف محفل تھی۔مختلف سازوں اور اندازوں میں فارسی زبان میں مدحت مصطفیٰ سننے میں بڑا مزہ ملا اور تسکین ایمانی حاصل ہوئی۔اس محفلِ سماع کے بعد وہیں دعوت کی گئی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت پر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے مختلف ملکوں کے نمائندوں نے مل جل کر تناول طعام کیا۔

۳۰ رڈسمبر ۲۰۱۵ء بروز چہارشنبہ ناشتہ کے بعد صبح آٹھ بجے ہم نے کمرہ خالی کیا اور ہمارے سامان گاڑی میں رکھ دئے گئے۔تہران ایرپورٹ پہنچ کر وہاں سے دوحہ ہوتے ہوئے رات ڈھائی بجے بنگلور ایرپورٹ پہنچ گئے،پھر ادھر سے بذریعہ فلائٹ چنئی پہنچ گئے۔

اس سفر کے محرک ومعاون بلکہ سبب اصلی جناب عون علی صاحب تھے جو شہر مدراس میں ہمیشہ سماجی خدمات میں منہمک رہتے ہیں۔اللہ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔آمین

اس سفر میں ہمیں مختلف اسلامی ممالک کے لوگوں کی تہذیب،طرزِ زندگی اور خیالات سے واقفیت ہوئی۔چونکہ سردی بہت سخت تھی اور حکومت کی جانب سے حفاظتی دستہ ہمارے ساتھ رہتا تھا۔اسکے علاوہ مسلسل جلسوں میں شرکت کی مصروفیت کی وجہ سے دیگر مقامات کی زیارت نہ ہوسکی۔میں دارالعلوم لطیفیہ کے ناظم حضرت مولانا ڈاکٹر سید شاہ محمد عثمان شاہ قادری صاحب زیدت مکارمہ کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں کہ آپ نے مجھے سفرنامہ ایران تحریر کرنے کا حکم دیا اور رغبت بھی دلائی۔یہ سچ ہے کہ سفر کے سارے حالات قلمبند نہیں ہوسکے۔تاہم جو بھی باتیں ذہن میں مستحضر ہوئیں ان کا بلاتکلف میں نے ذکر کر دیا۔

والله خير حافظا و هوارحم الراحمين

نور و ظہور

از: علامہ سید شاہ محمد عمر آمرؔ کلیمی شاہ نوریؒ

مکیں تم ہو مکان تم ہو تمہیں بتاؤ حجاب کیا ہے
جہاں میں عینِ جہان تم ہو سوا تمہارے جناب کیا ہے
تمہیں ہو ساکن ہر اک مکاں میں تمہیں ہو جلوہ نما زماں میں
بتا دیا ہم کو آئینہ میں خود اپنا چہرہ نقاب کیا ہے
ہو اوّلیت کہ آخریّت ہو ظاہریّت کہ باطنیت
ہر اک میں تم ہو ہر اک تمہیں ہو تو پھر کسی کا حساب کیا ہے
تمہاری باتوں کو سن رہے ہیں تمہارے ہاتھوں بنے ہوئے ہیں
مقام تم نے دیا ہے ہم کو کسی کا اب انتخاب کیا ہے
مقامِ رب کی حقیقتوں سے ذرا بھی واقف جو ہو چکا ہے
تو وہ کہے ما سوا کا عالم بجز نمودِ سراب کیا ہے
علوم دنیا میں مختلف ہیں تجلیاتِ علیم سب ہیں
خبیر سے ہی پتہ لگے گا علوم کیا ہیں کتاب کیا ہے
حیات کی ہر طرف ہیں چرچے اسی کے طالب ہیں سب اگرچہ
خبر نہیں ہے ممات کیا ہے حیات کا انتساب کیا ہے
وجود کے بحر میں عدم کا مقام کیا ہے قیام کیا ہے
اگرچہ آتا نظر ہے لیکن ذرا تو سوچو حباب کیا ہے
کرم نہ ہوتا جو ان کا آمرؔ یہ راز کب آشکار ہوتا
اگر نہ نوری سا شیخ ملتا تو اس سے بڑھ کر عذاب کیا ہے

نعت شریف

سید سراج الدین منیرؔ مرحوم
حیدرآباد

سیدِ ابرارِ عالم خواجۂ یزداں صفات
خاتمِ پیغمبراں محبوبِ ربِ کائنات

مظہرِ حق مظہرِ کل مبدءِ انوارِ ذات
قبلۂ اقوامِ عالم تاجدار، شش جہات

ہاتھ میں تم ہاتھ دے دو چاہتے ہو تم گر نجات
ہاتھ ہے مولیٰ کا گویا سیدِ عالم کا ہات

کعبۂ ارباب دانش جنتِ قلب و نگاہ
جلوہ گاہِ مصطفیٰ ہے دیدہ و دل کی حیات

پیکرِ گل آپ کی نسبت سے ہے آفاق گیر
ذرہ ہائے بزم گیتی آپؐ سے پائے ثبات

حلقۂ انجم میں جیسے ضوفشاں ہو ماہتاب
انبیاء کی بزم میں ہے سرورِ عالم کی ذات

کس کی خاک پا سے بینا چشم انجم ہے منیرؔ
کس کے در سے اکتسابِ نور کرتی ہے حیات

پیشکش : سید علی احمد قادری کلیم، حیدرآباد

بے نقطہ نعتیہ کلام

از: متولی ظفر الشعراء محمد جعفر شریف المتخلص ظفؔر و عادؔل
جالی محلّہ بنگلور

المدد احمدا رسول اللہ
مہر و ماہِ وِلا رسول اللہ
اہلِ اسلام کو مدد کر دو
دلِ اہلِ سما رسول اللہ
اور محکوم کرو رہِ اسلام
سرِّ راہِ ہدا رسول اللہ
کھولو دارالسلام کا درآ
کام کر دو رَوا رسو ل اللہ
دل کا ہر مدعا عطا کر دو
مالکِ دوسرا رسول اللہ
والد و مادر اور کاؔمل کو
دو سُرور آسدا رسول اللہ
کام عادؔل کا کُل کرو اکملِ
المدد سرورا رسول اللہؐ

پیشکش :

حسین شریف قادر
نبیرۂ حضرت ظفؔر و عادؔل، جالی محلّہ بنگلور
موبائل: 9916777786

نعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

از: مولوی سید نیاز احمد جمالی آمری
پرنسپال دارالعلوم جمالیہ، چنئی

اللہ اللہ نبی کا پسینہ ، اس پسینہ میں خوشبو عجب ہے
قلبِ مومن کا یہ مدعا ہے عاشقوں کو اسی کی طلب ہے

سرورِ دوجہاں کا پسینہ لا دوا کی دوا ہے یقیناً
سارے عالم پہ ان کا کرم ہے اور اُن پر بڑا فضلِ رب ہے

دونوں عالم کی رحمت ہیں آقا مہرباں اُن سا کوئی نہیں ہے
اپنے دشمن کو بھی معاف کردیں میرے آقا کی رأفت عجب ہے

روضۂ مصطفیٰ کی طرف تم اپنا چہرہ کرو سر جھکا کر
پشت کرنا یہاں پر اے ظالم مجرم ہے اور خلافِ ادب ہے

دل میں قائم رکھو مومنو تم عظمت و رفعتِ مصطفیٰ کو
بے ادب کافروں دوزخی ہے کیونکہ ایماں کمالِ ادب ہے

اے نیازؔی تصور کرو تم کیسی نورانی ہوگی وہ محفل
ہیں صحابہ ستاروں کی مانند شاہِ معراج ماہِ عرب ہے

پیش کش : سید بلال احمد شطاری، بڑا مکان، بنگلور

نعتِ حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم

از: منصور علی خان سہروردی
9845658861

ہر بندۂ مومن پہ مہرباں تمہیں تو ہو
''دونوں جہاں کے والی و سلطاں تمہیں تو ہو''

ایمان کہہ رہا ہے کہ ایماں تمہیں تو ہو
بندہ نواز رحمتِ رحماں تمہیں تو ہو

مجھ کو حبیبِ پاکؐ کی الفت پہ ناز ہے
محشر میں بخشوانے کا ساماں تمہیں تو ہو

لیتا ہوں بار بار میں نامِ محمدیؐ
آنکھوں پہ لب پہ دل میں مری جاں تمہیں تو ہو

گرچہ ہوں معصیت میں گھرا غم نہیں مجھے
آگے خدا کے دافعِ عصیاں تمہیں تو ہو

معراج کے سفر سے ثابت ہوا یہی ہے
نبیوں میں سب سے اعلیٰ و ذیشاں تمہیں تو ہو

منصورؔ تجھ کو وسیلہ شاہِ اُمم کا ہے
بیمارِ ہجر ہوں مرے درماں تمہیں تو ہو

پیشکش: محمد عثمان پاشاہ عرف گلریز، محمد توصیف، سید یوسف عرف شاہد، بنگلور

طرحی نعتِ شریف بزبانِ فارسی

از حضرت علامہ قاضی سید شاہ اعظم علی صوفی اعظم حسنی حسینی قادری

حضور در نظرم روئے تو حسیں دارم
گہے جبین و گہے چشمِ سر نگیں دارم
خوشا نصیب کہ گشتہ دلم نبی خانہ
جمالِ سرورِ ذیشاں چوں دلنشیں دارم
کم از کم یک دفعہ در خواب شکلِ تو بنما
''بیا بیا کہ خیالِ تو ہمنشیں دارم''
از الفتِ شہِ ابرار سینہ شد سرشار
یقین گفت کہ ایماں بالیقیں دارم
شدم چہ سرور و سردار و سرفراز حضور
ازاں کی خم بہ درِ پاک ایں جبیں دارم
سوئے مدینہ فدایاں بہ اشتیاق روند
مگر بہ حسرت و فرقت دلِ حزیں دارم
الٰہی مسکن و مدفن مرا مدینہ بکن
کہ جان و دل ہمہ شیدائے آں زمیں دارم
شنود و دیدِ رسول از مزارِ اوحق است
کہ بر حیاتِ نبی تا ابد یقیں دارم
اگر چہ نادم و شرمندہ ام زِ فرطِ خطا
مگر امیدِ شفاعت زِ شاہِ دیں دارم
بنالد اعظم خستہ کہ یا رسول اللہ
نگاہِ لطف بکن وقتِ واپسیں دارم

پیش کش : مولوی الحاج جمیل احمد شریف، میسور

طرحی نعتِ پاک

از حضرت علامہ قاضی سید شاہ اعظم علی صوفی اعظم حسنی حسینی قادری

دل افسردہ جگر بھی غمزدہ اور چشم پر نم ہے
مدینہ جب سے چھوٹا ہے جدائی کا بڑا غم ہے

مدینہ کی زمیں کتنی مقدس ہے مکرم ہے
یہاں پر سر کے بل چلتے ہوئے آئیں تو بھی کم ہے

نہاتا ذرہ ذرہ نور سے طیبہ کا ہر دم ہے
نزولِ بارشِ رحمت یہاں دن رات پیہم ہے

یہاں لا ترفعو اصوات ادب سب سے مقدم ہے
وگرنہ حبط سب اعمال ہوجانے کا جوکھم ہے

"رسول اللہ کا روضہ زیارت گاہ، عالم ہے"
کہ جس کے سامنے رتبہ میں کمتر عرشِ اعظم ہے

کیا در پر مدینہ کہ جو کوئی اپنا سر خم ہے
وہ دنیا کی نظر میں ہوگیا بے حد معظم ہے

شفیع المذنبیں کی ذاتِ اقدس کتنی اکرم ہے
وسیلہ پاک جنکا وجہِ استغفار آدم ہے

مرے سرکار کی بے سایگی یوں بھی مسلّم ہے
بشر کے بھیس میں ذاتِ نبی نورِ مجسم ہے

اگر چہ آپ کے زیرِ تصرف سارا عالم ہے
چٹائی ہے مگر بستر تواضع کا یہ عالم ہے

میں سوچا زخمِ عصیاں کے لئے کیا کوئی مرہم ہے
ندا غیب سے آئی صلی اللہ و سلّم ہے

مشیت حق کی گستاخِ نبی پر کتنی برہم ہے
یہاں لعنت ہے اس پر اور وہاں نارِ جہنم ہے

فدائے اہلبیتِ پاک جب تو صوفی اعظم ہے
تو یہ نسبت ہی محشر میں تری بخشش کو کیا کم ہے

پیش کش : سید محمد باقر قادری، حضرت مکان ویلور

اے ساقیٔ کوثر ﷺ

(تحفۂ نعت بحضور سرورِ کائنات ﷺ)

از: محمد یوسف شمیمؔ مرحوم

(نیلور، آندھرا پردیش)

ہے مست گھٹا رقص میں لا دور میں ساغر .... اے ساقیٔ کوثر
مدہوش بنا مجھ کو مئے عشق پلا کر .... اے ساقیٔ کوثر
تو ہاشمی و مطلبی ہے عربی ہے .... عالی نسبی ہے
دو جگ میں نہ پایا ترا ہم رتبہ و ہمسر .... اے ساقیٔ کوثر
تو حسن کا سرتاج ہے تو نوشہہ معراج .... دو جگ میں ترا راج
حورانِ جناں جان چھڑکتی ہیں تجھی پر .... اے ساقیٔ کوثر
معراج کی شب تیری خدا تک تھی رسائی .... تھی پردہ کشائی!
اس اوج پہ حیران تھے جبرئیلؑ کے شہپر .... اے ساقیٔ کوثر
تو نور زِ سر تا بقدم حسن کا پیکر .... اے دلبرِ داور
پاتے ہیں ضیا تجھ سے مہہ و خاور و اختر .... اے ساقیٔ کوثر
کونین میں منجانب رب رحمتِ عالم .... تو دافعِ ہر غم
تو لطف کا دریا ہے کرم کا ہے سمندر .... اے ساقیٔ کوثر
محتاج ہوں نادار ہوں بے بس ہے مرا من .... بھر دے مرا دامن
بے مثل سخاوت تری، تو دل کا تونگر .... اے ساقیٔ کوثر

ہر غمزدہ و خوار کا تو حامی و غمخوار .... تو یار و مددگار
ہر بے کس و لاچار کا تو ہمدم و یار .... اے ساقیٔ کوثر
رکھ لاج مری میں ہوں گناہوں سے گرانبار .... شرمندہ و لاچار
بخشش کا دھنی تو ہے تو ہی شافعِ محشر .... اے ساقیٔ کوثر
بد بخت ہوں گر مجھ پہ عنایت کی نظر ہو .... شفقت کی نظر ہو
سورج کی طرح چمکے مرا تیرہ مقدر .... اے شافیٔ کوثر
ہے یوں تو شمیم اپنی جگہ ایک سخنور .... اک بندۂ احقر
ہے مدح تیری صبح مسا جس کی زباں پر .... اے ساقیٔ کوثر

پیش کش :
محمد باقر حسین و محمد سجاد حسین
نبائر محمد یوسف شمیم صاحب مرحوم
نیلور (آندھرا پردیش)

خواجہ کی چادر

از: افضل العلماء، مولوی محمد رحیم فاروقی، آزاد صاحب مرحوم
صدر شعبۂ فارسی و عربی، گورنمنٹ آرٹس کالج، مدراس

لطف و کرم و منت و احسان کی چادر
خواجہ تری چادر بھی ہے کس شان کی چادر

جنت کا نمونہ ہے ترا روضۂ اطہر
چادر تری تربت کی ہے رضوان کی چادر

مہر و مہہ و انجم میں یہ جگمگ سی کہاں تھی
اوڑھی ہے فلک نے تیری فیضان کی چادر

خواجہؒ ہی کو زیبا تھی فقیری میں یہ پوشاک
دستار احادیث کی قرآن کی چادر

بے دینیوں کے نس نس میں لگی دوڑنے بجلی
خواجہؒ نے وہ دی گرمیٔ ایمان کی چادر

ملجائے تو سر آنکھوں پہ رکھیں گے فرشتے
دربارِ گہر بار کے دربان کی چادر

لاتا ہے جو آتا ہے یہاں بہرِ زیارت،
نمگیرہ اک آنکھوں کا اور اک جان کی چادر

ہے مرقدِ اقدس پہ پڑے نذرِ عقیدت
عیسائی کی ہندو کی مسلمان کی چادر

مہمان نوازی میں ہیں مشہور زمانہ
ہو کیوں نہ قبول آپؒ کے مہمان کی چادر

کس جوشِ عقیدت سے ہے لکھوائی ملک نے
آزاد سے اجمیر کے سلطان کی چادر

پیش کش: محمد شفاعت احمد سلیم
یم اے، بی ایڈ، نیلور آندھرا پردیش
موبائل 0988539540

ٹیپو سلطان شہید

از: متولی امیر خسرؔو
جالی محلّہ، بنگلور موبائل: 9916777786

کیا چیز حریت ہے دکھایا شہید نے
آزاد بن کے جینا سکھایا شہید نے

پابندِ دینِ حاکمِ دوراں شجیع بھی تھا
ہر اُس عمل کو خوب نبھایا شہید نے

لرزاں فرنگ ہیں آج بھی ٹیپو کے نام سے
کیسا دلوں میں خوف بٹھایا شہید نے

ہندو سے پیار اسکا، رعایا تھی شادماں
مذہب کو آڑ کب تھا بنایا شہید نے

غدار ساتھیوں نے دغا جب وطن سے کی
خاطر وطن کے جاں کو لٹایا شہید نے

لہرا کے ہم ترنگا مناتے ہیں جو خوشی
خوں اسلئے تھا اپنا بہایا شہید نے

خسرؔو تھا عزم اسکا وطن چھوڑ دیں فرنگ
مرنا وطن پہ ہم کو سکھایا شہید نے

سالنامہ
اللطیف
ویلور
دارالعلوم لطیفیہ مکان حضرت قطب ویلور